فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 15

سُبُحٰنَ الَّذِیٓ



سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

سورہ بنی اسرائیل

سوال: سورت بنی اسرائیل کہاں نازل ہوئی؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔

سوال: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں 12 رکوع اور 111 آیات ہیں۔

سوال: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے سترھویں سورت ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔

سوال: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، اور سورہ مریم سب سے پہلے، سب سے بہتر اور سب سے بڑی فضیلت والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نفلی روزے کبھی تو اس طرح پے در پے لگا تار رکھتے چلے جاتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ پورا مہینہ روزوں میں ہی گزار دیں گے اور کبھی کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتے کہ شاید آپ اس مہینے روزے رکھیں گے ہی نہیں، اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الزمر پڑھا کرتے تھے۔ (ابن کثیر: 166/3)

سوال: اس سورت کے اور کون سے نام ہیں؟

جواب: اس سورت کا نام سورۃ الاسراء بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رکوع نمبر 1

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (1)﴾

''پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو ایک رات مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تا کہ ہم اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (1)''

سوال1:﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا﴾ ''پاک ہے وہ (اللہ) جواپنے بندے کوایک رات مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کوہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ﴾''پاک ہے وہ (اللہ)''اللہ رب العزت نے اپنی مقدس ذات کی شان اور بزرگی بیان فرمائی ہے۔اس نے اپنی ہمہ گیر فطرت کو بیان فرمایا ہے۔یقیناً اس کے افعال عظیم ہیں۔اس کے سوا کوئی بھی جلال اور کمال کے لائق نہیں۔اس کے احسانات عظیم میں سے ایک یہ ہے کہ وہ(2)﴿اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا﴾''اپنے بندے کوایک رات لے گیا''یعنی وہ اپنے بندے محمد ﷺ کوایک رات مختصر وقفے میں مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔(3)اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں،قرآن مجید کونازل کرنے کے ذکر کے مقام پر(سورہ فرقان میں)اور جہاں قرآن کی بابت چیلنج کیا گیا،(سورہ بقرہ میں)ان تینوں مقامات میں نبی ﷺ کی صفت عبودیت (آپ کے بندے ہونے کی خوبی) کو بیان فرمایا،اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مقامات بلند اپنے رب کی عبودیت کی تکمیل کی وجہ ہی سے حاصل کئے ہیں۔(تفسیر سعدی:1445/2)(4)آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ''اسراء'' کا یہ واقعہ رات کے ابتدائی حصے میں پیش آیا اور سفر مسجد حرام سے شروع ہوا مگر صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے رات کے اس سفر پر لے جایا گیا۔(تفسیر طبری:5/9) (تفسیر سعدی:1444/2)(5)﴿مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾''مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجد تک''مسجد حرام سے جو تمام مساجد سے افضل ہے۔مسجد اقصیٰ تک جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دور سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک تمام پیغمبروں کا مرکز رہی ہے۔(6)مسجد اقصیٰ بیت المقدس فلسطین میں ہے جو القدس یا ایلیاء میں ہے۔چونکہ مکّہ سے بیت المقدس کی مسافت چالیس دن کی ہے۔اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں مسجد اقصیٰ کو دور کی مسجد کہا گیا۔محمد ﷺ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تمام انبیاء اس پاک سرزمین پر جمع ہوئے۔(7)بیت المقدس پچھلے انبیاء کی اکثریت کی دعوت کا مرکز رہا ہے۔اس اعتبار سے یہ موزوں ترین مقام تھا جہاں انبیاء کی ملاقات اور امامت کی تقریب منعقد کی جاتی۔(8)آپ ﷺ نے اسی مقام پر انبیاء کی امامت کے فرائض سرانجام دیے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام امور کے امام ہیں۔اللہ تعالیٰ محمد ﷺ پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور تمام انبیاء پر رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔اللھم صلی علی محمد وبارک وسلم علیہ۔(9)﴿الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ﴾''جس کے ماحول کوہم نے برکت دی ہے''بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے آس پاس اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے۔اردگرد پھلوں سے لدے باغات، ہرے بھرے کھیت، غلے اور پھلوں کی کثرت ہے۔(10)یہ بھی اللہ تعالیٰ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کو دیگر مساجد پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔(11)مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کے لئے دور سے سفر کرکے جانے کا مطالبہ ہے۔(12)اللہ تعالیٰ نے اس پاک سرزمین کو انبیاء اور اس کے چنے ہوئے بندوں کے رہنے کے لئے منتخب فرمایا۔(13)مسجد اقصیٰ کی برکات دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی دینی

برکات تو یہ ہیں کہ وہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اور تمام انبیاء کا مسکن و مدفن ہے اور دنیوی برکات اس کی زمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے نہریں باغات وغیرہ کا ہونا ہے۔سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا۔(قرطبی)(14) دنیا میں چار مواضع وہ ہیں جن میں دجال داخل نہیں ہوسکے گا۔یعنی حرمین،اقصیٰ اور طور وشرفاً و برکۃً۔(اشرف الحواشی:339/1)(15)﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾''تاکہ ہم اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں''اسراء کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔(تفسیر قاسمی:187/10)(16) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو یہ سیر اس لئے کروائی تاکہ اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں رب العزت نے فرمایا:﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (۱۸)﴾''بلاشبہ یقیناً اُس نے اپنے رب کی کچھ بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔''(النجم:18)(17) معراج کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ سے بہت سی صحیح احادیث منقول ہیں ان میں ان تمام امور کی تفاصیل مذکور ہیں جن کا آپ نے مشاہدہ کیا۔آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا حتیٰ کہ آپ تمام آسمانوں کے اوپر چلے گئے۔وہاں آپ نے جنت،جہنم اور تمام انبیاء کرام کو ان کے مراتب کے مطابق دیکھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ پر پچاس نمازیں فرض کیں،پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے رہے حتیٰ کہ وہ بالفعل پانچ ہوگئیں مگر ان کا ثواب،پچاس نمازوں کا ہے۔اس رات آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو بہت سے مفاخر عطا کئے گئے جن کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(تفسیر سعدی:1445/2)(18) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں جن سے ہدایت،بصیرت،ثبات اور قوت تفریق و امتیاز میں اضافہ ہوا۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عنایت اور لطف و کرم ہے کہ اس نے تمام امور میں آپ کے لئے بھلائی کو آسان فرما دیا اور آپ کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کی بنا پر آپ نے تمام اولین و آخرین پر فوقیت حاصل کی۔(تفسیر سعدی:1444/2)

سوال2:﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾''بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا،سب کچھ دیکھنے والا ہے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ﴾''بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا ہے''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں خوب سن رہا ہے،ان کی بھی جو یقین رکھتے ہیں،ان کی بھی جو شک میں مبتلا ہیں۔ان کی بھی جو مسلمان ہیں،ان کی بھی جو کافر ہیں۔(2)﴿الْبَصِيْرُ﴾''سب کچھ دیکھنے والا ہے''وہ سب کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ہر ایک کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔(3) کسی بھی واقعے کو پوری صحت کے ساتھ وہی بیان کر سکتا ہے جو عینی شاہد ہو اور جس نے واقعے کی جزویات حتیٰ کہ بہت دھیمی اور خفیہ باتوں کو بھی سُنا ہو۔اللہ تعالیٰ نے ان دو صفات کے توسط سے یقین دہانی کروائی ہے کہ اس واقعے کا گواہ وہ ہے جس نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے لہٰذا اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہوسکتا۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی صفت عبدیت سے کیا ثابت فرمایا ہے؟

جواب:(1) صفت عبدیت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تمام تر عروج کے باوجود رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں۔(2) صفت

عبدیت کا تذکرہ اس اعتبار سے بھی کیا گیا کہ بندے کے مقام اور رب کے مقام میں فرق واضح رہے کیونکہ اسی وجہ سے پہلے لوگوں نے ٹھوکریں کھائیں جیسے سیدنا عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش کی وجہ سے لوگوں نے آپ علیہ السلام کی ذات میں الوہیت کو جمع کر دیا۔

سوال4: واقعہ اسراء اور معراج کو احادیث کی روشنی میں بیان کریں؟

جواب: (1) سیدنا مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک دفعہ بیت اللہ کے قریب نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دو آدمیوں کے درمیان لیٹے ہوئے ایک تیسرے آدمی کا ذکر فرمایا اس کے بعد میرے پاس ایک سونے کا طشت لایا گیا، جو حکمت اور ایمان سے بھرپور تھا۔ میرے سینے کو پیٹ کے آخری حصے تک چاک کیا گیا۔ پھر میرا پیٹ زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا۔ اس کے بعد میرے پاس ایک سواری لائی گئی۔ سفید، خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی یعنی براق۔ میں اس میں سوار ہو کر جبریل علیہ السلام کے ساتھ چلا۔'' (بخاری:3207) (2) ''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے براق لایا گیا۔ براق ایک سفید لمبا گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا جانور ہے۔ منتہائے نگاہ تک اپنے پاؤں رکھتا ہے۔ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اسے اس حلقہ سے باندھا جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے جانور باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر میں نکلا تو سیدنا جبریل علیہ السلام دو برتن لائے ایک برتن میں شراب اور دوسرے برتن میں دودھ تھا۔ میں نے دودھ کو پسند کیا۔ سیدنا جبریل کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کو پسند کیا۔ پھر سیدنا جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ آسمان کی طرف چڑھے۔ فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو فرشتوں نے پوچھا: آپ کون؟ کہا جبریل۔ کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرشتوں نے پوچھا کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو ہم نے سیدنا آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آدم علیہ السلام نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ پھر ہمیں دوسرے آسمان کی طرف چڑھایا گیا تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پھر پوچھا آپ کون؟ کہا جبریل۔ اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہوں پوچھا کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے دونوں خالہ زاد بھائیوں سیدنا عیسیٰ ابن مریم اور سیدنا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو دیکھا۔ دونوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ پھر جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ تیسرے آسمان پر گئے تو دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرشتوں نے پوچھا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن کا آدھا حصہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ پھر ہمیں چوتھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا جبریل۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرشتوں نے پوچھا گیا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھلا تو میں نے سیدنا ادریس علیہ السلام کو

دیکھا۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔سیدنا ادریس عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾''ہم نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا ہے۔'' پھر ہمیں پانچویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا۔جب جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پوچھا گیا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا تو میں نے سیدنا ہارون عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف چڑھایا گیا جب جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کون ؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پھر پوچھا کیا ان کو بلایا گیا ہیں؟ کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔ہمارے لیے دروازہ کھولا تو میں نے سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا۔جب جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے دروازہ کھولنے کا کہا تو فرشتوں نے پوچھا کون؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پوچھا گیا کہ کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں ان کو بلانے کا حکم ہوا ہے پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو بیت المعمور کی طرف پشت کیے اور ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور انہیں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملتا (فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے) پھر سیدنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام مجھے سدرۃ المنتہٰی کی طرف لے گئے اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح بڑے بڑے تھے اور اس کے پھل بیر جیسے اور بڑے گھڑے کے برابر تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اس درخت کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانکا گیا تو اس کا حال ایسا پوشیدہ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کے حسن (خوب صورتی) کو بیان کر سکے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔پھر وہاں سے واپس موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں دن رات میں۔موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اپنے رب کے پاس واپس جا کر ان سے کم کا سوال کریں۔اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت میں اتنی طاقت نہ ہوگی کیونکہ میں بنی اسرائیل میں اس کا تجربہ کر چکا اور آزما چکا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پھر واپس جا کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری امت پر تخفیف فرما دیں تو اللہ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔میں پھر واپس آ کر موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا آپ ﷺ کی امت میں اس کی بھی طاقت نہیں۔اپنے رب کے پاس جا کر ان میں تخفیف کا سوال کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس سے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس اور موسیٰ کے پاس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آتا جاتا رہا اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر نماز کا ثواب اب دس نمازوں کے برابر ہے۔اس طرح (ثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازیں ہوگئی اور جو آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرے مگر اس پر عمل نہ کر سکے تو میں اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کروں گا اور جو آدمی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے

تواس کے نامہء اعمال میں یہ برائی نہیں لکھی جاتی اوراگر برائی اس سے سرزد ہوجائے تومیں اس کے نامہء اعمال میں ایک ہی برائی لکھوں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پھر واپس سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اوران کو بتایا توانہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب کے پاس جا کرتخفیف کا سوال کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے پروردگار کے پاس (اس سلسلہ میں) بار بار آ جا چکا ہوں۔ یہاں تک کہ اب مجھے اس کے متعلق اپنے اللہ (عزوجل) کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔(صحیح مسلم:411)(3)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے لیے براق آیالا یا گیا۔ براق لگام لگایا ہوا تھااوراس پر کاٹھی کسی ہوئی تھی،آپ نے اس پر سوار ہوتے وقت دقت محسوس کی توجبرائیل علیہ السلام نے یہ کہہ کرجھڑکا: تو محمد ﷺ کے ساتھ ایسا کر رہاہے،تجھ پراب تک ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کےنزدیک کوئی معزز شخص سوار نہیں ہوا ہے، یہ سن کر براق پسینے پسینے ہوگیا۔''(ترمذی:3131)

سوال5:منکرین احادیث کی تاویلات اوران کارد بیان یں؟

جواب:منکرین حدیث آیت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اسراء سے مرادآپ ﷺ کا واقعہ ہجرت ہے جس کا آغاز رات کوہوا تھااورمسجداقصیٰ سے مراددورکی مسجد یعنی''مسجد نبوی'' ہے۔ یہ تاویل کئی لحاظ سے غلط ہے مثلاً (1) بخاری کی صحیح حدیث کے مطابق ہجرت کے سفر کا آغاز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے ہوا تھاجب کہ اس واقعہ کا آغاز مسجد حرام سے ہوا۔(2)واقعہ ہجرت بخاری کی اس روایت کے مطابق دوپہر کی کڑکڑاتی دھوپ کے وقت ہوا تھاجب کہ لوگ آرام کررہے تھے مگر معراج کا آغاز رات کوہوا۔(3)واقعہ ہجرت ایک رات یاراتوں رات نہیں ہوا تھا بلکہ اس سفر میں پندرہ دن اور پندرہ راتیں لگ گئے تھے جب کہ معراج کا واقعہ ایک ہی رات میں ہوا تھا۔(4)مسجداقصیٰ کے عرفی مفہوم کوچھوڑکراس کے لغوی معنی''دور کی مسجد'' مراد لینا خلاف دستور فلہٰذا باطل ہے۔(5)مسجد نبوی کی تو تعمیر ہی بعد میں ہوئی پھر یہ آپ ﷺ کے سفر کی آخری منزل کیسے بن سکتی ہے۔اور واقعہ معراج سے اس بنا پر انکار کیا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سمت مقرر ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ بحث دراصل استواء علی العرش کی بحث ہے اور یہ طویل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔(تیسیر القرآن:563/2)

سوال6: کیا معراج بیداری میں ہوئی یا خواب میں؟

جواب:اسراء(معراج) کا واقعہ بیک وقت جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا تھا۔اگرآپ کومعراج جسم اورروح کے ساتھ نہ ہوئی ہوتی تو اس میں آیت کبریٰ کا کوئی مفہوم ہے نہ کسی بڑی منقبت کا کوئی پہلو ہے۔(تفسیر سعدی:1444/2)

سوال7:اس سورۃ کا آغاز تسبیح سے کیا گیا ہے۔اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:(1)اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کے بندے محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنے رب سے ملاقات کا تذکرہ ہے۔ایسی فضا میں تسبیح سے زیادہ کوئی چیز مناسب نہیں۔(2)تسبیح یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر نقص سے پاک ٹھہرانا ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی بہت بڑے واقعے کا ذکر ہو۔

(3) تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ظاہری اعتبار سے یہ واقعہ خواہ کتنا ہی محال ہو اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں۔ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ اسباب انسانوں کے لئے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کوتاہیوں اور کمیوں سے پاک ہے۔

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا (2) ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔'' (2)

سوال 1: ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی'' یعنی تورات۔ پہلی آیت میں معراج کا بیان تھا اور اس آیت میں کلیم اللہ کا بیان ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نبوت محمدی اور نبوت موسوی، قرآن اور تورات اور دونوں کی شریعتوں کو مقرون (ساتھ ساتھ) بیان کیا ہے کیونکہ دونوں کی کتابیں سب سے افضل، دونوں کی شریعتیں سب سے کامل، دونوں کی نبوتیں سب سے اعلیٰ اور دونوں کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر سعدی:1446/2) (3) ﴿وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور اُسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اس مقصد کے لیے دی گئی کہ بنی اسرائیل پر حجت تمام کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اُس کو رسولوں کے ذریعے ہدایت نہ دے دی جائے۔ (4) بنی اسرائیل علم حق تک پہنچنے کے لئے تورات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ (5) کتاب کو ہدایت اس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا تاکہ منصب امامت کے لیے جو بنیادی اہلیت درکار ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے تمام معاملات اُس کے حوالے کیے جائیں، بنی اسرائیل وہ اہلیت اپنے اندر پیدا کر لیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنالیں۔ (6) ﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴾ ''کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا'' اور ہم نے اس مقصد کے لیے ان کی طرف کتاب نازل کی تاکہ وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، صرف اسی کی طرف رجوع کریں، اپنے دینی اور دنیاوی امور میں اکیلے اسی کو اپنا کارساز اور مدبر بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے ساتھ الوہیت کا کوئی تعلق نہ رکھیں جو کسی چیز کی مالک نہیں اور نہ وہ انہیں کوئی نفع دے سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی:1446/2)

سوال 2: انسان کب اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بناتا ہے؟

جواب: (1) انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل تب بناتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور عظمتوں کو پہچان لیتا ہے۔ (2) جو شخص غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کو پانا شروع کر دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنالیتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنانے سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنا کر ہی انسان ایمان والی زندگی گزار سکتا ہے۔(2)مومن دعوت حق دینے کے قابل ہی تب ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنالیتا ہے۔(3)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنانے سے انسان اپنی تمام اُمیدیں اللہ تعالیٰ سے باندھ لیتا ہے۔(4)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنانے سے انسان اپنے تمام تر اندیشے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لیتا ہے۔(5)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنا لینے سے انسان کے اندر کامل بےغرضی پیدا ہوتی ہے۔(6)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنا لینے سے انسان کے اندر کامل یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔(7)اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنانے سے ہی کامل سپردگی پیدا ہوتی ہے۔

سوال3:واقعہ معراج کے فوراً بعد بنی اسرائیل کا تذکرہ کس اعتبار سے کیا گیا؟

جواب:(1)واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کے تذکرے میں حکمت ہے۔مسجد اقصیٰ اس علاقے کا دل ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بسایا پھر وہاں سے نکالا۔اس لیے مسجد اقصیٰ کے ساتھ اُس کے باشندوں کا بھی ذکر کیا گیا۔(2)یہاں ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے عروج کا ذکر ہے اور دوسری طرف بنی اسرائیل کے زوال کا ذکر ہے۔(3)ہجرت کے فوراً بعد چونکہ بنی اسرائیل نے آپ ﷺ کا مخاطب بننا تھا اس لیے بنی اسرائیل کے عروج و زوال اور اُن کے انجام پر تاریخی تبصرہ کر کے سمجھایا گیا کہ عروج و زوال میں اصلاح اور فساد کا کتنا دخل ہوتا ہے۔(4)بنی اسرائیل کے توسط سے اہل مکہ کو سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے مال دار طبقے میں بگاڑ پیدا کر دیا جاتا ہے اور اس طرح سے اُن کے توسط سے سب ہی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔(5)یہاں بنی اسرائیل کا تذکرہ اس اعتبار سے بھی کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حامل کتاب کے مقام سے معزول کر دیا تھا کیونکہ اُن کے اندر اس منصب کی اہلیت ختم ہوگئی تھی۔آئندہ آنے والی اُمت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے۔اس میں کوئی استثناء نہیں۔

﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿3﴾﴾

’’اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا! یقیناً وہ بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔‘‘(3)

سوال1:﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾’’اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا! یقیناً وہی بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا! یقیناً وہی بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا‘‘یعنی ان لوگوں کی اولاد ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا،جنہیں عالم گیر طوفانوں سے بچایا۔(2)طوفان نوح کے بعد وہی لوگ بچے تھے جو سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور ساری انسانیت ان ہی کی اولاد ہے۔(3)سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار ہونے والے مومن بندے تھے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتایا ہے کہ ایمان والے کا اصلی شجرہ نسب ایمانی ہوتا ہے۔(4)﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾’’یقیناً وہ بڑا

ہی شکر گزار بندہ تھا‘‘اس میں نوح علیہ السلام کی، ان کے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے اور شکر گزاری کی صفت سے موصوف ہونے کی بنا پر مدح وثناء ہے اوران کی ذریت کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ شکر کے بارے میں نوح علیہ السلام کی پیروی کریں اوراللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کریں جس سے اس نے انہیں نوازا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا کر باقی رکھا اوران کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اوران کے علاوہ دیگر لوگوں کو غرق کر دیا۔ (تفسیر سعدی:1446/2)(5)(i)صفت عبدیت ہی انسانیت کی اصل غرض وغایت ہے۔(ii)اس سورت کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ کی صفت عبدیت کا ذکر کیا گیا۔اسی نسبت سے سیدنا نوح علیہ السلام کی بھی صفت عبدیت کا ذکر کیا گیا۔(6) سیدنا سعد بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ اس لئے فرمایا گیا کہ جب آپ کھاتے پیتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد فرماتے تھے۔(طبرانی)(7)رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ پھر لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ دنیا کے سب پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا شکر گزار بندہ بنایا ہے لہٰذا آپ اپنے رب سے ہماری سفارش فرمادیجئے۔(بخاری)

سوال2:اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے شکور ہونے کا ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تمہارا باپ نوح علیہ السلام ایک شکر گزار انسان تھا لہٰذا تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور محمد ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اس نعمت کی ناشکری نہ کرو۔

﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (4)﴾

’’اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کر دیا تھا کہ یقیناً تم دوبار زمین میں ضرور فساد کرو گے اور تم یقیناً ضرور سرکشی کرو گے، بڑی سرکشی۔‘‘(4)

سوال1: ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ ’’اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کر دیا تھا کہ یقیناً تم دوبار زمین میں ضرور فساد کرو گے اور تم یقیناً ضرور سرکشی کرو گے، بڑی سرکشی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ ’’اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کر دیا تھا کہ یقیناً تم دوبار زمین میں ضرور فساد کرو گے اور تم یقیناً ضرور سرکشی کرو گے، بڑی سرکشی‘‘ تورات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ بتا دیا تھا کہ یہودی دوبار سرکشی کریں گے۔(2) یعنی ہم نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور انہیں ان کی کتاب میں آگاہ کیا کہ وہ نافرمانیوں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور زمین میں تکبر اور اقتدار کی بنا پر زمین میں دوبار فساد پھیلانے کا باعث بنیں گے۔ جب ان کی طرف سے ایک فساد واقع ہوا تو ہم نے ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیا جو ان سے انتقام لیتے تھے یہ ان کے لئے

تحذیر وانذار تھا شاید کہ وہ لوٹ آئیں اور نصیحت پکڑیں۔(تفسیر سعدی:1446/2)(3) پیشگی اطلاع تو پیشگی علم کی وجہ سے دی گئی۔اس میں بنی اسرائیل پر جبر نہیں کیا گیا۔اللہ تعالیٰ کسی کو فساد کے لیے مجبور نہیں کرتا۔(4) ﴿وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ ’’اور تم یقیناً ضرور سرکشی کرو گے، بڑی سرکشی‘‘، یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے تکبر کرو گے۔سرزمین شام میں لوگوں پر مظالم توڑو گے اور سرکشی کی انتہا کرو گے۔

سوال2: یہاں فساد سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں فساد سے مراد دینی بگاڑ ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں پیدا ہوا جس کے دوا دوار ہیں جن کا تذکرہ حزقی ایل یسیجیاہ، ہرمیاہ اور زبور میں ملتا ہے۔سیدنا عیسیٰ کی زبان سے یہ تذکرہ متی اور لوقا کی انجیلوں میں موجود ہے۔

سوال3: بنی اسرائیل میں یہ فساد کب پیدا ہوا؟

جواب: بنی اسرائیل میں یہ فساد تب پیدا ہوا (1) جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی شعباء کو قتل اور حضرت ارمیاہ کو قید کیا۔(2) جب بنی اسرائیل نے تورات کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کی۔(3) جب بنی اسرائیل نے کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرکشی کی اُنہیں سزا دی۔

سوال4: بنی اسرائیل کو اُن کی سرکشی کی کیا سزا دی گئی؟

جواب: (1) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے بابل کے فرماں روا بخت نصر نے یہودیوں کو بے دریغ قتل کیا اور اُن کی بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے فساد فی الارض کے جرم کے بعد جالوت کو سزا کے طور پر اُن پر مسلط کیا جس نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔

﴿فَإِذَا جَآءَ وَعۡدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَآ أُوْلِي بَأۡسٖ شَدِيدٖ فَجَاسُواْ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِۚ وَكَانَ وَعۡدٗا مَّفۡعُولٗا (5)﴾

’’پھر جب اُن دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آگیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگ جو بندوں کو بھیجا پس وہ گھروں میں گھس گئے اور وہ ایک وعدہ تھا جو پورا کیا ہوا تھا۔‘‘(5)

سوال: ﴿فَإِذَا جَآءَ وَعۡدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَآ أُوْلِي بَأۡسٖ شَدِيدٖ فَجَاسُواْ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِۚ وَكَانَ وَعۡدٗا مَّفۡعُولٗا﴾ ’’پھر جب اُن دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آگیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگ جو بندوں کو بھیجا پس وہ گھروں میں گھس گئے اور وہ ایک وعدہ تھا جو پورا کیا ہوا تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾''پھر جب اُن دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آ گیا''یہود نے جب بیت المقدس میں سر بلندی حاصل کی،اُن کے پاس حکومت اور قوت جمع ہوگئی اس پر اُنہوں نے فساد برپا کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک دوسری قوت والی قوم کو مسلط کر دیا جو اُن پر حملہ آور ہوتے رہے اور ہر چیز کو تباہ و برباد کرتے رہے۔(2)﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ﴾''تو ہم نے تم پر بھیجا''یعنی ہم نے تکوین،تقدیر اور جزا کے طور پر تم پر مسلط کر دیئے۔(تفسیر سعدی:1446/2)(3)﴿عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾''اپنے سخت جنگ جو بندوں کو''بہت کثیر تعداد میں بہادر بندے جن کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فتح و نصرت عطا کی،انہوں نے تمہیں قتل کیا،تمہاری اولاد کو غلام بنایا اور تمہارے مال و متاع کو لوٹا۔(تفسیر سعدی:1447/2)(4)﴿فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ﴾''پس وہ گھروں میں گھس گئے''یعنی وہ تمہارے گھروں کے اندر گھس گئے اور انہیں برباد کر دیا۔ان لوگوں نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اسے بھی برباد کر دیا۔(5)﴿وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴾''اور وہ ایک وعدہ تھا جو پورا کیا ہوا تھا''چونکہ انہوں نے اس وعدے کے پورے ہونے کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے،لہٰذا اس وعدے کا پورا ہونا ضروری تھا۔اصحاب تفسیر کا مسلط ہونے والی قوم کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ کافر تھی۔اس قوم کا تعلق یا تو عراق سے تھا یا وہ جزیرۃ العرب سے تھی یا ان کے علاوہ کوئی اور قوم تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا کیونکہ ان کی نافرمانیاں بڑھ گئی تھیں،انہوں نے شریعت کے اکثر احکام کو پس پشت ڈال دیا اور انہوں نے زمین میں سرکشی اختیار کر لی تھی۔(تفسیر سعدی:1447/2)

﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿6﴾﴾

''پھر ہم نے ان پر دوبارہ تمہیں غلبہ دے دیا اور ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہیں مدد دی اور ہم نے تمہیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔''(6)

سوال:﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴾''پھر ہم نے ان پر دوبارہ تمہیں غلبہ دے دیا اور ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہیں مدد دی اور ہم نے تمہیں تعداد میں زیادہ کر دیا''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾''پھر ہم نے ان پر دوبارہ تمہیں غلبہ دے دیا''یعنی ہم نے تمہیں تمہارے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا جو تم پر غالب تھے۔پھر تم نے انہیں اپنے شہروں سے نکال دیا۔(2)(i)بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنے حالات کو درست کیا۔(ii)بنی اسرائیل پر ظلم کرنے والے فاتحین کو اپنی قوت پر گھمنڈ ہو گیا تو اُنہوں نے زمین میں فساد برپا کرنا شروع کر دیا۔(iii)بنی اسرائیل دوبارہ منظم ہوئے اور حملہ آور ہو کر غالب ہو گئے۔(iv)بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے مال اور بیٹوں سے نوازا۔اس طرح اُن کی ذلت دُور ہو گئی۔(3)﴿وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾''ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہیں مدد دی''یعنی ہم نے تمہیں کثیر رزق عطا کیا،اور تمہاری تعداد میں اضافہ کیا اور تمہیں تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں طاقت ور بنا دیا۔(4)﴿وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا﴾''اور ہم

نے تمہیں تعداد میں زیادہ کر دیا'' اور اس کا سبب تمہارے نیک کام اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا خشوع وخضوع تھا۔ (تفسیر سعدی:1447/2)

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (7)﴾

''اگر تم نے بھلائی کی، تو تم نے اپنے آپ کے لیے بھلائی کی اور اگر تم نے برائی کی تو (وہ بھی) ان کے لیے ہے، چنانچہ جب دوسرا وعدہ آ گیا (تو ہم نے اور لوگ تم پر مسلط کر دیے) تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں، جیسے وہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور تا کہ جس چیز پر بھی وہ غلبہ پائیں اُسے برباد کر دیں بری طرح تباہ و برباد کرنا۔'' (7)

سوال1: ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ ''اگر تم نے بھلائی کی، تو تم نے اپنے آپ کے لیے بھلائی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ﴾ ''اگر تم نے بھلائی کی'' یعنی تم اگر اسلام میں داخل ہو گے اور محمد ﷺ کی پیروی کرو گے۔ (الاساس:3040/2) (2) ﴿اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ ''تو تم نے اپنے آپ کے لیے بھلائی کی'' یعنی تمہاری نیکی کا فائدہ تمہاری ہی طرف لوٹے گا حتیٰ کہ دنیا میں بھی تمہیں ہی فائدہ ہو گا، جیسا کہ تم نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں تم فتح یاب ہوئے۔ (تفسیر سعدی:1447/2) (3) دنیا میں تمہاری نیکی کی جزا کے طور پر اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں کی ایذاؤں، چالوں اور تکلیفوں بچا لے گا اور تمہارے مالوں میں وسعت دے گا اور تمہاری قوت پر قوت کا اضافہ کرے گا اور جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ تمہیں ایسی جنتوں میں لے جائے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور تم سے راضی ہو جائے گا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی جو سب سے بڑھ کر ہے۔'' (التوبۃ:72) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ ''جو نیک عمل کرے تو اُس کے اپنے لیے ہے۔ اور جو بدی کرے تو اُس کا وبال اُسی پر ہو گا۔'' (فصلت:46) (5) یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ ''جو پورا پورا بدلہ ہے''۔ (النبا:26) (6) ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ ''جو نیک عمل کرے تو اُس کے اپنے لیے ہے۔ اور جو بدی کرے تو اُس کا وبال اُسی پر ہو گا۔'' (الجاثیۃ:15) (7) ﴿مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (٧) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (٨)﴾ تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال:7,8) (8) ﴿وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ ''اور اگر تم نے برائی کی تو (وہ بھی) ان کے لیے ہے'' یعنی تمہاری برائی کا نقصان اور وبال تمہاری طرف ہی لوٹے گا جیسا کہ اس نے پہلے بھی تمہاری برائیوں کی وجہ سے تمہارے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تھا۔ (9) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور بُرائی کا بدلہ اُس جیسی بُرائی ہے۔ (الشوریٰ:40) (10) ﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ﴾ ''جس نے

کفر کیا تو اُس کا کفر اُسی پر ہے اور جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنے لیے سامان تیار کر رہے ہیں۔'' (الروم:44)

سوال2: ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴾ ''چنانچہ جب دوسرا وعدہ آ گیا (تو ہم نے اورلوگ تم پر مسلط کر دیے) تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں، جیسے وہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور تا کہ جس چیز پر بھی وہ غلبہ پائیں اُسے برباد کر دیں بری طرح تباہ و برباد کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ﴾ ''چنانچہ جب دوسرا وعدہ آ گیا'' یعنی جب تم دوسری دفعہ فساد برپا کرو گے تو تم پر دشمن مسلط ہو جائیں گے، وہ تمہیں ذلیل کریں گے۔ وہ بیت المقدس پر قبضہ کر لیں گے، اسے ویران اور تباہ کر دیں گے اور جہاں سے بھی گزریں گے تباہی پھیلاتے جائیں گے۔ (2) ﴿ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ ''تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں'' یعنی وہ فتح یاب ہو کر تمہیں غلام بنائیں اور چہروں کو بگاڑ دیں۔ (تفسیر سعدی:1447/2) (3) اس سے مراد شخصیات کا بگاڑ ہے۔ ذلت اُن کی شخصیت کی علامت بن گئی تھی۔ (4) ﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں، جیسے وہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے'' یہاں مسجد سے مراد بیت المقدس ہے۔ (5) ﴿ وَّلِيُتَبِّرُوْا ﴾ ''اور تا کہ اُسے برباد کر دیں'' یعنی اجاڑ کر پیوندزمین کر دیں۔ (6) ﴿مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴾ ''جس چیز پر بھی وہ غلبہ پائیں بری طرح تباہ و برباد کرنا'' پس وہ تمہارے گھروں، تمہاری عبادت گاہوں اور تمہارے کھیتیوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔ (تفسیر سعدی:1447,1448/2) (5) بنی اسرائیل کے فسادات کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ قوموں کے عروج و زوال میں اللہ تعالیٰ کی سنت کی وضاحت کر دی جائے۔

سوال3: مکافاتِ عمل کا بنیادی قاعدہ کیا ہے؟

جواب1۔ مکافاتِ عمل کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ اس کے عمل کے نتائج اس کے لیے ہیں۔ (2) عمل اور عمل کا بدلہ لازم و ملزوم ہیں۔ (3) نتیجہ عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ (4) انسان اچھا کرے گا تو اسے اچھا بدلہ ملے گا اور بُرا کرے گا تو بُرا بدلہ پائے گا۔

سوال4: بنی اسرائیل کا دوسرا فساد کیا تھا؟

جواب: بنی اسرائیل نے سیدنا زکریا عَلَيْهِ السَّلَام کو قتل کر دیا اور سیدنا عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کو مار ڈالنے کے درپے ہو گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا۔

سوال5: دوسرے فساد کا کیا انجام ہوا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے رومی بادشاہ ٹیٹس کو اُن پر مسلط کر دیا جس نے یروشلم پر حملہ کر کے قتل وغارت گری کی انتہا کر دی۔ اس نے لوگوں کو قیدی بنالیا، اُن کے مال لوٹے، مذہبی صحیفے روند ڈالے، بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کیا اور ہمیشہ کے لیے انہیں جلاوطن کر دیا۔ یہ تباہی 70 عیسوی میں ہوئی۔

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (8)﴾

''قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم دوبارہ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔'' (8)

سوال 1: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ ''قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم دوبارہ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ﴾ ''قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے'' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد دُنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ (2) یعنی یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہی بھگا دے اور تمہیں فتح عطا کر دے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور انہیں دوبارہ حکومت عطا فرمائی۔ (4) ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ ﴾ ''اور اگر تم دوبارہ کرو گے'' انہیں نافرمانیوں پر وعید سناتے ہوئے فرمایا کہ اگر توبہ اور رجوع الی اللہ کے بعد دوبارہ تم نے فساد مچایا تو یاد رکھنا۔ (5) ﴿عُدْنَا ﴾ ''ہم بھی دوبارہ کریں گے'' یعنی ہم بھی دوبارہ عذاب بھیج دیں گے۔ (6) ہم بھی تمہیں دوبارہ سزا دیں گے۔ پس انہوں نے زمین میں دوبارہ فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو مسلط کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے ان سے انتقام لیا۔ یہ تو ہے دنیا کی سزا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو آخرت کی سزا ہے وہ اس سے زیادہ بڑی اور رسوا کن ہے۔ (تفسیر سعدی: 1448/2)

سوال 2: ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے'' یعنی آخرت کا عذاب تو ہے ہی تمہارے لیے۔ ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ بنا رکھا ہے اس سے وہ چھوٹنے والے نہیں۔ آگ میں محبوس رہیں گے۔ آگ ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔ (مختصر ابن کثیر: 1035/1) (2) جس میں وہ جھونکے جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ ان آیات کریمہ میں اس امت کے لئے تحذیر وتخویف ہے کہ وہ معاصی سے بچیں ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی سزا دی جائے جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ سنت الٰہی ایک ہی ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں آتا۔ جو کوئی اس بارے میں غور وفکر کرے کہ کس طرح کفار مسلمانوں پر مسلط ہوئے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان کے گناہوں کی سزا ہے۔ کیونکہ (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ) جب مسلمان قرآن اور سنت کو نافذ کریں گے تو وہ انہیں زمین کا اقتدار عطا کرے گا اور ان کے

دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔(تفسیر سعدی:1448/2)(3) جہنم کے گھیراؤ سے جہنم کی وسعت کا شعور دلایا گیا ہے۔اتنی وسیع جہنم کہ سب اس میں سما جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر اصلاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہو جاؤ گے اور اگر فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو دوبارہ ذلت ورسوائی سے دوچار کر دیے جاؤ گے۔(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ''اُن کے لیے جہنم کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اوپر اُسی کا اوڑھنا ہوگا۔''(سورۃ الاعراف:41)

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا(9)﴾

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور وہ ان مؤمنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''(9)

سوال1: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے'' رب العزت نے اس قرآن کی تعریف فرمائی ہے جو انتہائی سیدھی راہ نمائی فرماتا ہے۔(2) اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم کے شرف اور اس کی جلالت شان کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے اور یہ کہ وہ ﴿يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ یعنی عقائد، اعمال اور اخلاق کے بارے میں زیادہ معتدل اور بلند مؤقف کا حامل ہے، لہٰذا جو کوئی ان امور سے راہ نمائی حاصل کرتا ہے جن کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے تو وہ تمام امور میں تمام لوگوں سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ درست اور سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔(تفسیر سعدی:1448/2)(3) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ ''جن میں مضبوط احکام کی تحریریں ہوں''(البینۃ:3)(4) ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ ''اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی''۔(الکھف:1)

سوال2: قرآن کیسے بہترین کلام ہے؟

جواب: (1) سیدنا حارث اعور کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملا اور کیا دیکھا کہ یہ کیسی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سن لو عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا'' میں نے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ اس فتنہ سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے بچاؤ کی صورت اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں تم سے پہلے لوگوں کے حالات ہیں اور بعد کے بھی اور تمہارے باہمی معاملات کے متعلق حکم بھی ہے۔وہ دوٹوک بات کہتا ہے، ہنسی مذاق کی بات نہیں کہتا، جس نے اسے حقیر سمجھ

کر چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا اور جس نے قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں سے راہ ڈھونڈی اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور حکمتوں سے لبریز نصیحت ہے۔ وہی صراط مستقیم ہے جس سے خواہشات کج رو نہیں ہوتیں اور لوگوں کی زبانیں اسے مشکوک نہیں بناتیں۔ اس سے عالم لوگ سیر نہیں ہوتے، اسے بار بار پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا نہ وہ پرانا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جب اسے جنوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جس نے قرآن کے مطابق کلام کیا اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے مطابق عمل کیا اسے اجر دیا جائے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے لوگوں کو قرآن کی طرف بلایا اسے سیدھی راہ دکھادی گئی۔ اعور یہ باتیں خوب یاد رکھو۔'' (ترمذی) (2) قرآن مجید توحید کا راستہ دکھاتا ہے یعنی ایک اللہ تعالیٰ کو مان کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا۔ (3) قرآن مجید انسان کو زندگی کی واضح شاہراہ پر چلاتا ہے۔ (4) قرآن مجید ظاہر اور باطن کو ایک دوسرے سے متعلق کر دیتا ہے۔ (5) قرآن مجید انسانی سوچ اور عمل کو مربوط کر دیتا ہے۔ (6) قرآن مجید زمین پر انسان کے اعمال کو رب سے، عالم بالا سے جوڑ کر اس کے ہر عمل کو عبادت بنا دیتا ہے۔ (7) قرآن مجید انسانوں کو مضبوط باہمی روابط سکھاتا ہے۔ یہ روابط انسان کی حقیقی ضروریات کے مطابق ہیں۔ (8) قرآن مجید قانونی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی ضروریات کے لیے ہدایات دیتا ہے۔ (9) قرآن مجید امن عالم اور انصاف کی راہ دکھاتا ہے۔

سوال3: ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ ''اور وہ ان مؤمنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور وہ ان مؤمنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں'' قرآن مجید ایمان والوں کو جو نیک اعمال میں مصروف رہتے ہیں قیامت کے دن بڑے بھاری ثواب کی بشارت دیتا ہے۔ (2) ﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ ''کہ یقیناً اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے'' ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے عزت والے گھر میں بڑا اجر ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں: اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔ (الدر المنثور: 301/4)

﴿ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا(10) ﴾

''اور یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے'' (10)

سوال: ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''اور یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔ (1) ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب

تیار کررکھا ہے‘‘وہ لوگ جو معاد کی تصدیق نہیں کرتے اور دنیا کی جزا سزا پر یقین نہیں رکھتے۔(2)﴿اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْماً﴾’’اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے‘‘ان کے استقبال کے لیے ان کے رب نے قیامت کے دن دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔ (3)رب العزت کا فرمان ہے:﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾’’تو اُن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔‘‘(التوبہ:34)(4)قرآن کریم تبشیر وانذار پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے وہ اسباب ذکر فرمادیئے ہیں جن کی بناپر بشارت ملتی ہے اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح اور ان اسباب کا بھی ذکر فرمایا ہے جو انذار کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح کے متضاد امور۔(تفسیر سعدی:1449/2)

رکوع نمبر2

﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً(11)﴾

’’اور انسان شر کے لیے بھی ویسے ہی دُعا کرتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دُعا ہوتی ہے اور انسان ہمیشہ سے بڑا ہی جلد باز ہے۔‘‘(11)

سوال1:﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾’’اور انسان شر کے لیے بھی ویسے ہی دُعا کرتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دُعا ہوتی ہے اور انسان ہمیشہ سے بڑا ہی جلد باز ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ﴾’’اور انسان شر کے لیے بھی ویسے ہی دُعا کرتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دُعا ہوتی ہے‘‘انسان کی جلد بازی اور جہالت کا تذکرہ ہے۔(i)انسان کے اندر حوصلے کی کمی ہے۔اس وجہ سے وہ اپنی ہلاکت کے لئے بد دعائیں کرتا ہے۔(ii)انسان اپنے معاملات کے انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔بعض اوقات وہ کسی کام کو اچھا سمجھ کر کرتا ہے اور اس کا نتیجہ خراب نکلتا ہے۔انسان اس کو کر گزرنے میں جلدی کرتا ہے۔بعض اوقات وہ کسی کام کو شر سمجھتا ہے اور وہ اس کے حق میں خیر ہوتا ہے۔(iii) انسان جلد باز ہے اس لئے وہ خیر کی طرح شر مانگنے میں بھی جلدی کرتا ہے۔(2)انسان غصے کی حالت میں اپنے مال اور اولاد کے لیے بھی بد دعائیں کر بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بددعائیں قبول نہیں فرماتا۔(3)رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّا سْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾’’اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح ان کو برائی جلدی دے تو یقیناً ان کی مدت ان کی طرف پوری کردی جائے تو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے ان لوگوں کو ہم ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران پھرتے ہیں۔‘‘(یونس:11)(4)﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ ’’اور انسان ہمیشہ سے بڑا ہی جلد باز ہے‘‘عُجلت پسندی جلد بازی کو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے منصوبے پر راضی نہ ہونا۔(5)انسان کی فطرت میں عُجلت پسندی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں مصیبت کبھی نہ آئے،سکھ فوراً آجائے جب کہ کائنات کا نظام بتاتا ہے کہ پہلے اندھیرا آتا ہے پھر روشنی آتی ہے۔(6)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک

کہ وہ جلدی نہ کرے کہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔(بخاری:6340)(7) مسند احمد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''بندے کی ہمیشہ اس وقت تک خیر و بھلائی ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی نہیں کرتا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:''یارسول اللہ! بندہ جلد بازی کس طرح کرتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:''وہ یوں کہتا ہے: میں نے رب سے بہت دعا مانگی لیکن میری دعا اس نے قبول نہیں کی۔''(8) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:''دعا کرو تو بے تابی نہ آنے دو کیونکہ دعا کرنے کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہوسکتا۔''(تفسیر منیر:32/8)

سوال2: عجلت پسندی کا نقصان کیا ہے؟

جواب:(1) عُجلت پسندی انسان کی بربادیوں کا سبب بن جاتی ہے۔(2) عُجلت کی وجہ سے انسان دنیا کی نعمتوں کی طرف لپکتا ہے اور آخرت کو چھوڑ دیتا ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلاً (12)﴾

''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو بے نور کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔''(12)

سوال1:﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو بے نور کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ﴾''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا'' یعنی یہ دن رات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بے پایاں رحمت پر دلالت کرتے ہیں، نیز یہ کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔(تفسیر سعدی:1449/2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾''اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہر اُس شخص کے لیے جو ارادہ کرے کہ سبق لے یا ارادہ کرے کہ شکر گزار رہو۔''(الفرقان:62)(2) مخلوق کے لئے دن رات دنیا کی مصلحتوں کے لیے دو دلیلیں ہیں۔(تفسیر مراغی:292/5)(3)﴿فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ﴾''پھر ہم نے رات کی نشانی کو بے نور کر دیا'' یعنی ہم نے رات کی نشانی کو

تاریک کردیا تاکہ لوگ اس میں سکون حاصل کریں۔(4) ﴿وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ ''اوردن کی نشانی کو روشن بنایا ہے''یعنی دن کو روشن بنایا۔(5)﴿لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو'' اللہ رب العزت انسانوں کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو دو بڑی نشانیوں کو، دن کو گھر سے باہر رزق تلاش کرو۔صنعتوں میں، تجارتوں میں، مزدوریوں میں، اور اپنے سفر میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔(6)﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ ''اور تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو'' اور تم رات اور دن کے آنے جانے میں دنوں، مہینوں، ہفتوں، سالوں کی تعداد معلوم کرو۔وقت کے حساب کتاب پر اپنے مصالح کی بنیاد رکھو۔(7)اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور بنایا ہے اور اس کی منزلیں مقرر کردی ہیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرو۔اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا۔وہ ان لوگوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔'' (القصص:5) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾﴾ ''کہہ دو کہ کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کردے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لادے گا؟ کیا پھر تم سنتے نہیں ہو؟ کہہ دو کہ کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن کردے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لادے جس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا پھر تم دیکھتے نہیں ہو؟ اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ تم اُس کے فضل میں سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔'' (القصص:71۔73)

سوال2: رات اور دن کا نظام اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رات کو اللہ تعالیٰ نے بےنور کردیا تاکہ اس میں سکون حاصل کرسکیں اور دن کی تھکاوٹ دور کی جاسکے۔(2) دن کو اللہ تعالیٰ نے روشن کردیا تاکہ انسان اپنی روزی حاصل کرنے کی کوشش کرسکے۔(3) رات اور دن سے ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب کتاب ممکن ہوتا ہے۔(4) رات اور دن کا نظام یہ بتاتا ہے کہ پہلے تاریکی ہوتی ہے ہوا اور بعد میں روشنی آئے۔(5) رات اور دن کا نظام یہ بتاتا ہے کہ آرام اور کام کے اعتبار سے اوقات کی تقسیم ضروری ہے۔

سوال3: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلاً﴾ ''اور ہر چیز کو ہم نے خوب کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب :(ا)یعنی ہم نے آیات کوواضح کر کے ان کومختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تا کہ چیزیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور باطل میں سےحق نمایاں اور واضح ہوجائے ،جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی''(الانعام:38)(تفسیر سعدی:1450/2)(2)اللہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾''اور ہم نے یہ کتاب تم پرنازل کی ہے۔ ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے۔''(النحل:89)(3)اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے دین اور دنیا کی ضروری باتیں کھول کر بیان کردی ہیں تا کہ انسان اپنی دنیا کی بہتری کے لئے بھی کوشش کریں اور آخرت کوبھی سنواریں۔

﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (13)﴾

''اور ہرانسان کانصیب ہم نے اس کی گردن میں لازم کردیاہےاور ہم قیامت کےدن اس کے لیےایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔''(13)

سوال1:﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ﴾''اور ہرانسان کانصیب ہم نے اس کی گردن میں لازم کردیاہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ رب العزت نے اپنے کمال درجے کے عدل کی خبر دی ہے اور یہ کہ انسان کے اعمال خواہ اچھے ہوں یابرے اس سے چپک جاتے ہیں۔ان کا بدلہ ضرور مل کر رہے گا۔(2)طائر سے مراد اگر اعمال ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ انسان کے اعمال اس کے گلے کا ہار بن جائیں گے۔یعنی انسان کے ہر عمل کی اچھی یابُری جزادی جائے گی اور قیامت کے دن اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔(3)طائر سے مراد اگر انسان کی قسمت ہوتو اس کے گردن میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسمت پہلے ہی لکھ دی ہے جو انسان کی گردن میں ہار کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔اسی کے مطابق انسان کے عمل ہوتے ہیں،اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔(4)طائرعمل کو کہتے ہیں جو پرندے کی طرح اڑ جاتا ہےاور پھر ہاتھ نہیں آتا۔﴿مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (7) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾''توجوذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کودیکھ لے گا اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کودیکھ لے گا۔''(الزلزال:7,8)(مختصر ابن کثیر:1037/1)(5)﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ (17) مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾''جب کہ دو لینے والے اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کرتے رہتے ہیں۔کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے۔''(ق:17،18)(6)ہرانسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا ہوا ہے یعنی انسان جو اچھا اور برا کام سرانجام دیتا ہے وہ اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔(7)مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: البتہ ہرانسان کی شامت عمل اس کی گردن میں ہے۔حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:اے ابن آدم تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں۔صحیفے کھلے رکھے ہیں داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں جانب والا بدیاں لکھ رہا ہے۔اب تجھے اختیار ہے نیکی کر یا بدی کر،

کم کر یا زیادہ۔ تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دیے جائیں گے اور تیری قبر میں، تیری گردن میں لٹکا دیے جائیں گے۔ قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا: اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ اللہ کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔(ابن کثیر:194/3) کسی دوسرے کے عمل کا حساب اس سے لیا جائے گا نہ اس کا حساب کسی اور سے لیا جائے گا۔(تفسیر سعدی: 1450/2) (8) موجودہ تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے یا زبان سے الفاظ نکالتا ہے تو اس کے اثرات اس کے بدن پر مرتب ہوتے ہیں اور فضا میں بھی محفوظ ہوتے جاتے ہیں اور مدت مدید تک قائم رہتے ہیں۔ پھر جب قیامت کی صبح نمودار ہوگی تو انسان کی نگاہ اس قدر تیز ہوگی کہ انسان یہ سب کچھ دیکھ اور پڑھ سکے گا۔ یہ خارجی شہادات اس کے اعمال نامہ کے علاوہ ہوں گی جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں جا بجا موجود ہے۔(تیسیر القرآن:572/2)

سوال2: ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴾ ”اور ہم قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور ہم قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا“ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اعمال نامے کی کتاب ظاہر کر دیں گے جس میں ہر اچھا اور برا، چھوٹا اور بڑا عمل درج ہوگا۔ (2) نیک لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بروں کو بائیں ہاتھ میں جو کھلا ہوا ہوگا۔ وہ خود بھی پڑھ لے گا اور سب لوگ بھی اس کی عمر بھر کی کمائی کے بارے میں جان لیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (١٣) بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ (١٤) وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (١٥)﴾ ”اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اگر چہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے۔“(القیامہ:13-15) (3) ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ بے حکم خدا فنا نہیں ہوتی، اسی طرح افعال واعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے۔ موجودہ سائنس (جس نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فضا میں ہر آواز اور ہر صدا بھی جو کبھی بلند ہوئی ہے' آج موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گی اور ہم اس کو پکڑ پائیں تو سن سکتے ہیں) اعمال وافعال کے دوام و وجود سے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں ہو سکتا، دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر قول و فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے۔ (4) وہاں ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور وہ سب جھوٹ اُن سے کھو جائیں گے جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ (5) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔“(الطور:21) (6) ﴿كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا

كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴾''ہر شخص اس کے بدلے میں گروی ہے جو اس نے کمایا۔''(المدثر:38)(7)﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ج صلے وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ﴾''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی اور جو اس نے برائی کی۔''(آل عمران: 30)

سوال3: قیامت کے دن اعمال نامے کے کھلے ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: قیامت کے دن اعمال نامے کے کھلے ہونے سے مراد اعمال کا کھلا ہونا ہے یعنی نہ کوئی عمل چھپا رہے گا نہ حساب کتاب سے بچ سکے گا۔

﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (14)﴾

''پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج کے دن تم اپنے اوپر خود حساب لینے والے کافی ہو۔''(14)

سوال:﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾''پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج کے دن تم اپنے اوپر خود حساب لینے والے کافی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾''پڑھ اپنا نامۂ اعمال'' یہ سب سے بڑا عدل وانصاف ہے کہ بندے سے کہا جائے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ذمہ کون کون سے حقوق ہیں جو سزا کے موجب ہیں۔(تفسیر سعدی:1450/2)(2)﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾''آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے جو بھی وہ کمایا کرتے تھے۔''(یس:65)(3)﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ط قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (٢١) وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (٢٢) وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (٢٣)﴾''اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے:''تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہے؟'' وہ کہیں گی:''ہمیں اُسی اللہ تعالیٰ نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی دے دی۔'' اور اُس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو۔ اور تم اس لیے نہیں چھپا کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی بلکہ تم نے تو سمجھا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بھی بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے۔ اور تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے متعلق کیا تھا، اُسی نے تمہیں برباد کر دیا، چنانچہ تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔''(حٰم السجدہ:21-23)(4)﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾''آج کے دن تم اپنے اوپر خود حساب لینے والے کافی ہو'' انسان کا اعمال نامہ کھلا ہے۔ کل کچھ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں ہوگا۔ اس لئے کسی محاسب کی ضرورت نہیں ہوگی انسان خود حساب لگانے کے لئے کافی ہوگا۔(2)﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ

(۱۴) وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (۱۵)﴾ ''بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔اگر چہ وہ اپنی (کتنی ہی) معذرتیں پیش کرے۔'' (القیامہ 14,15:)

﴿مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (15)﴾

''جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے ہدایت پاتا ہے۔اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے آپ پر گمراہ ہوتا ہے۔اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھاتی اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔'' (15)

سوال1: ﴿مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ط﴾ ''جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے آپ پر گمراہ ہوتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ﴾ ''جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے ہدایت پاتا ہے'' جو پسندیدہ راستے پر چلا، جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اس کا انجام اس کے اپنے حق میں مفید ہوگا۔(2) ﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا﴾ ''اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے آپ پر گمراہ ہوتا ہے'' جو گمراہ ہوا، سیدھے راستے سے بچ کر چلتا رہا، جس نے محمد ﷺ کا انکار کیا اور اس چیز کا جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے تو وہ اپنی گمراہی کا نقصان کسی اور کو نہیں پہنچائے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔

سوال2: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ ''اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھاتی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھاتی'' اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال کی ذمہ داری انفرادی ہے۔کوئی کسی دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہ ہوگا۔کوئی کسی دوسرے کے اعمال کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ط اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ﴾ ''اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ سے لدی ہوئی جان اپنے بوجھ کے لئے پکارے گی تو اس کے بوجھ میں کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگر چہ وہ قریبی رشتے دار ہو، آپ درحقیقت صرف ان ہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنے ہی لئے پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (فاطر:18) (3) ﴿لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ لا وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط اَلَا سَآءَ مَا

یَــزِرُوْن ﴾ ’’تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے پورے اُٹھائیں اوراُن لوگوں کے بوجھوں میں سے بھی جن کووہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔یادرکھو!بہت بُرا ہے وہ بوجھ جو یہ اُٹھاتے ہیں۔‘‘(النحل:25)(4)﴿وَلَـيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾’’اور یقیناًوہ ضروراپنے بوجھ اُٹھائیں گےاوراپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اورقیامت کے دن اُن سے یقیناًضرور پوچھا جائے گا جووہ گھڑا کرتے تھے۔‘‘(العنکبوت:13)یعنی ہرنفس کی گمراہی اور ہدایت خوداسی کے لیے ہے۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

سوال:3﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾’’اورہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’اورہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں‘‘اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کوعذاب میں نہیں پکڑتے جب تک کسی پرحجت پوری نہ کردیں۔(2)اللہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى﴾’’اوراگر یقیناًہم اس سے پہلے ان کوکسی عذاب میں ہلاک کردیتے تووہ کہتے کہ اے ہمارے ربّ!تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟پھرہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے۔‘‘(طٰہٰ:134)(3)اللہ تبارک وتعالیٰ بڑاعادل ہے وہ اس وقت تک کسی کوعذاب نہیں دے گا جب تک رسالت کی حجت قائم نہ ہو جائے۔اور یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس نے اس حجت کے ساتھ عناد کا مظاہرہ کیا۔رہا وہ شخص جس نے رسالت کی اس حجت کے سامنے سرتسلیم خم کردیا،یااس کے پاس حجت پہنچی ہی نہیں،تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کوعذاب نہیں دے گا۔اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل فترات(یعنی اس زمانے یاعلاقے کے لوگ جن تک نبوت نہیں پہنچی)اورمشرکین کے بچوں کوعذاب نہیں دے گا جب تک کہ ان کی طرف رسول نہ بھیج لے کیونکہ وہ ظلم سے پاک اورمنزہ ہے۔(تفسیرسعدی:1451/2)

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا(16)﴾

’’اورجب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم کسی بستی کو ہلاک کردیں تو اُس کے خوشحال لوگوں کو ہم حکم دیتے ہیں،چنانچہ وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں توبات ان پرثابت ہوجاتی ہے پھرہم اُسے برباد کرکے رکھ دیتے ہیں،بری طرح تباہ وبرباد کرنا۔‘‘(16)

سوال:﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾’’اورجب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم کسی بستی کو ہلاک کردیں تو اُس کے خوشحال لوگوں کو ہم حکم دیتے ہیں،چنانچہ وہ اس میں نافرمانی کرتے

ہیں تو بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اُسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، بری طرح تباہ و برباد کرنا'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً﴾''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم کسی بستی کو ہلاک کردیں'' اللہ رب العزت نے فرمایا جب وہ کسی ظالم بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔(2)﴿اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾''تو اُس کے خوشحال لوگوں کو ہم حکم دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں'' امر سے تقریری یا تکوینی امر مراد ہے جیسا کہ فرمایا:﴿اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾''تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اُسے کٹی ہوئی کر دیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی، ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔'' (سورۃ یونس:24)(مختصر ابن کثیر:1038/1)(3)اللہ تعالیٰ کبھی بھی برائیوں کا حکم نہیں دیتا۔(4)اللہ تعالیٰ اس کے خوش حال لوگوں کو تقریری یا تکوینی حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں اور اس میں ان کی سرکشی بڑھ جاتی ہے۔(5)مترفین سے مراد مال دار طبقہ ہے جو خوش حال ہوتے ہیں اور جن کو معاشرے میں عزت اور قیادت حاصل ہوتی ہے۔(i)مترفین آرام طلب ہوتے ہیں۔کوئی ان کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔(ii)مترفین سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں اور وسائل کی وجہ سے دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں پر قائد بننے کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔(6)﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑوں کو مجرم بنا دیا ہے کہ وہ اس میں مکر و فریب کریں حالانکہ مکر و فریب وہ اپنے ساتھ ہی کرتے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے۔'' (الانعام:123)(7)﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾''تو بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے'' ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔(8)﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ ''پھر ہم اُسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، بری طرح تباہ و برباد کرنا''(i)قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ خوش حال طبقے کے بگاڑ کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔جب خوش حال طبقہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے تو معاشرے کے افراد ان کی تقلید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یوں جب بگاڑ عام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔(ii)نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا، مثلاً عاد، ثمود اور قوم لوط وغیرہ۔یہ وہ قومیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی کیونکہ جب ان کی بغاوت بہت زیادہ ہو گئی اور ان کا کفر بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا بڑا عذاب نازل کر دیا۔(تفسیر سعدی:1451/2)

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا(17)﴾

''اور کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کر دیا؟ اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے۔''(17)

سوال1: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ م بَعْدِ نُوْحٍ﴾ ''اور کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) قریش مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے جو کہ نبی کو نہیں مانتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔ (2) قوم نوح کے بعد کی قوموں کی ہلاکت اسی اصول کے تحت ہوئی کہ اُن قوموں نے ایسے راہ نما بنا لئے تھے جو ان کی غلط راہ نمائی کرتے تھے۔ (3) قوموں کی ہلاکت کا سبب یہ بات بنی کہ ان کے لیڈر انہیں حقیقت پسندی کی بجائے جذباتیت کا درس دیتے رہے۔

سوال2: ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا م بَصِيْرًا﴾ ''اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے'' اے محمد تیرا رب بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لیے، ان کا علم رکھنے کے لیے، ان پر نظر رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اس سے تیری قوم کے مشرکوں کا حال چھپا ہوا نہیں ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ سے زمین میں یا آسمان میں، چھوٹا یا بڑا کوئی ذرہ چھپ نہیں سکتا۔ اس لئے بندوں کو اس سے ظلم کا کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے۔ (3) اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کے خبیر و بصیر ہونے سے انسان کو یہ شعور دلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی خبر رکھتا ہے، اُن کو دیکھتا ہے لہٰذا حساب و کتاب ضرور لے گا۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ج يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (18)﴾

''جو شخص جلدی والی دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے ہم اسی میں جلدی دیں گے جو ہم چاہیں گے، جس کے لیے ہم ارادہ کریں گے، پھر اُس کے لیے ہم نے جہنم بنا رکھی ہے، وہ مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا اس میں داخل ہوگا۔'' (18)

سوال1: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ج يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ ''جو شخص جلدی والی دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے ہم اسی میں جلدی دیں گے جو ہم چاہیں گے، جس کے لیے ہم ارادہ کریں گے، پھر اُس کے لیے ہم نے جہنم بنا رکھی ہے، وہ مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا اس میں داخل ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ ''جو شخص جلدی والی دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے ہم اسی میں جلدی دیں گے جو ہم چاہیں گے، جس کے لیے ہم ارادہ کریں گے'' جو دنیا کا طلب گار ہے اس کی بھی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جو رب

چاہتا ہے۔اس کی خواہش کوبھی اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے پوری کرتا ہے۔زائل ہونے والی دنیا کے لیے وہ جوعمل اورکوشش کرتا ہے اسے آخرت سے محروم کردیتی ہے۔(2)﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾''پھراُس کے لیےہم نے جہنم بنارکھی ہے،وہ مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوااس میں داخل ہوگا۔'' آخرت میں جہنم میں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گےاوراللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں گے کیونکہ انہوں نے فانی کو باقی پرترجیح دی۔(مختصرابن کثیر:1039/1)(3)﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴾''جولوگ دنیا کی زندگی اوراس کی زینت کاارادہ رکھتے ہیں،ہم اُن کےاعمال کااس دنیامیں پورابدلہ دیتے ہیں۔اوراس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔''(ھود:15)رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:جس کا آخرت میں(اچھا) گھرنہیں دنیااسی کا گھر ہےاورجس کا آخرت میں مال نہیں دنیااسی کا مال ہےاوردنیا کا وہی جمع کرتا ہے جوعمل سے کوراہوتا ہے۔(ابن کثیر:302/3)(5) سیدناابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھے انسان کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے،دنیا کی محبت اورزندگی کی لمبی امید۔(بخاری:6420)

سوال2: دنیاچاہنے سے کیامراد ہے؟

جواب: دنیاچاہنے سے مراددنیا کی زندگی کےفوائد ہیں جوانسان کونقد ملتے ہیں۔

سوال3: دنیاچاہنے سےانسان کوکیانقصان ہوتا ہے؟

جواب: دنیاچاہنے سےانسان آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوجاتا ہے۔دنیاطلبی کانتیجہ دائمی طورپرجہنم کاعذاب اوراُس کی رسوائی ہے۔

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا(19) ﴾

''اورجس نے آخرت کاارادہ کیااوراس کے لیےاس کےلائق کوشش کی،جب کہ وہ مؤمن ہوتو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قابلِ قدر ہے۔''(19)

سوال1:﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾''اورجس نے آخرت کاارادہ کیااوراس کے لیےاس کےلائق کوشش کی،جب کہ وہ مؤمن ہوتو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قابلِ قدر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ﴾''اورجس نے آخرت کاارادہ کیا''جوآخرت کا گھراوروہاں کی ہمیشہ رہنےوالی نعمتیں حاصل کرناچاہتا ہے۔(2)جوآخرت پرراضی ہےاوراسے دنیاپرترجیح دیتا ہے۔(3)﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ﴾''اوراس کے لیےاس کےلائق کوشش کی''جس کوشش کی طرف تمام آسمانی کتابوں نے دعوت دی ہےاورجس پروہ آخرت میں ثواب کے لیےامیدرکھتا ہے۔اللہ رب العزت نے فرما

یا: ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ ''اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اُس نے کوشش کی'' (النجم:39) (4) ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''جب کہ وہ مؤمن ہو'' وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ایسا ایمان جس میں شرک کی آمیزش نہیں۔(5) ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا﴾ ''تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قابلِ قدر ہے''یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی عمل۔ ﴿مَّشْكُورًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا عمل مقبول ہوگا۔اس کے ساتھ وہ دنیا کے حصے سے بھی محروم نہیں ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے۔(6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی اکثر یہ دعا ہوا کرتی تھی: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی حسنہ عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ سے بچا۔'' (بخاری:6389) (7) سیدنا سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو تھوڑا سا چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(بخاری6415) (8) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو۔اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے۔(بخاری:6416) (9) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی انتظار نہیں کرتا مگر ایسی مال داری کا جو سرکش بنا دے یا ایسی مفلسی کا جو اطاعت فراموش کرا دے یا ایسے مرض کا جو آدمی کو ناکارہ بنا دے یا ایسے بڑھاپے کا جو عقل کو خبط کر دے یا ایسی موت کا جو جلدی آنے والی ہو، یا دجال کا، اور دجال بدترین غائب ہے جس کا انتظار کیا جاتا ہے یا قیامت کا، اور قیامت نہایت سخت اور کڑوی ہے۔(ترمذی) (10) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یہ نصیحت فرمائی: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ، اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مال داری کو اپنے فقر سے پہلے، اپنی فرصت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔'' (مستدرک حاکم:7846) (11) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں۔صحت اور فرصت۔'' (بخاری) اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کو دو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اُٹھا پاتا اور جب سلب ہو جاتی ہیں تب ان کی قدر پہچانتا ہے۔(12) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو (منزل تک نہ پہنچنے سے) ڈرتا ہے وہ ابتدائی شب میں (سفر کے لئے) چل دیتا ہے اور جو ابتدائے شب میں چل دیتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے۔سن لو کہ متاعِ خداوندی نہایت گراں قیمت ہے۔جان لو متاعِ خداوندی جنت ہے۔'' (ترمذی) (13) ﴿جَاءَتِ الرَّادِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ وَ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ﴾ آئی ہلانے والی، اس کے پیچھے آئی پیچھے آنے والی اور موت ان چیزوں کے ساتھ آئی جو اس میں ہیں۔نبی ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب اپنے اصحاب میں سستی یا غفلت ملاحظہ فرماتے تو بلند آواز سے اعلان فرماتے۔'' (ترمذی) (14) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے

ارشادفرمایا کہ میں ڈرانے والا ہوں اور موت حملہ کرنے والی ہے اور قیامت وعدے کی جگہ ہے۔(ابن ابی الدنیا) (15) سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ اس وقت باہر تشریف لائے جب سورج کی شعاعیں کھجور کی ٹہنیوں تک پہنچ چکی تھیں اور فرمایا دنیا صرف اسی قدر باقی رہ گئی ہے جتنا یہ دن اس مقدار کے مقابلے میں باقی رہ گیا ہے جو گزر چکا ہے۔(ابن ابی الدنیا) (16) ایک حدیث میں ارشادفرمایا کہ دنیا ایک ایسے کپڑے کی طرح ہے جو شروع سے آخر تک پھٹ گیا ہو اور صرف ایک دھاگہ باقی رہ گیا ہو۔ عجب نہیں کہ یہ دھاگہ بھی ٹوٹ جائے۔(ابن ابی الدنیا) (17) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب خطبہ کے دوران قیامت کا ذکر فرماتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی ۔ رخسار مبارک سرخ ہو جاتے ، گویا آپ کسی لشکر سے ڈرارہے ہوں۔ فرماتے کہ صبح بھی گزری اور شامیں بھی گزریں ، میں اور قیامت دونوں اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ۔ یہ ارشاد فرما کر آپ دو انگلیاں ایک دوسرے سے ملا لیتے ۔(مسلم،ابن ابی الدنیا)

سوال2: آخرت کو چاہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: آخرت کو چاہنے سے مراد اس دنیا کے بعد آنے والی دنیا کے فائدے کو اختیار کرنا ہے۔

سوال3: کن لوگوں کی کوششیں قابلِ قدر ہوں گی ؟

جواب: ان لوگوں کی کوششیں قابل قدر ہوں گی (1) جو غیب کے حقائق کو اہمیت دیتے ہیں۔(2) جو حق پرستی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔(3) جو صبر کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾(20)

''اُن کو بھی اور ان کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کو کبھی روکا نہیں گیا۔''(20)

سوال1: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ ''اُن کو بھی اور ان کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کو کبھی روکا نہیں گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1)﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ﴾ اللہ تعالیٰ تو دنیا کے طلب گار کو بھی دیتے ہیں اور آخرت کے طلب گار کو بھی۔ وہ ہر ایک کی مدد فرماتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق یا سعادت و شقاوت کے مطابق اور نیت کے مطابق دین اور دنیا عطا کرتا ہے۔(2)﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾''اور آپ کے رب کی عطا کو کبھی روکا نہیں گیا'' اس کے ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اس کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا انعام کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کسی کے لیے بھی ممنوع نہیں۔

سوال2: دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے نصیب ہوتی ہے؟

جواب: دنیا یا آخرت میں کامیابی اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ مواقع اور انتظامات کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (21)﴾

''دیکھو کیسے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے؟ اور یقیناً آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔'' (21)

سوال1: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''دیکھو کیسے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''دیکھو کیسے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' یعنی کیسے ہم نے کسی کو علم دیا اور کسی سے روک لیا، کسی کو عقل دی کسی کو جاہل چھوڑ دیا، کسی کو آسانی دی کسی کو تنگ کر دیا، کسی کو رزق کی کشادگی دی کسی کا رزق کم کر دیا، فضیلت تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ (2) ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ﴾ ''اور ایک دوسرے پر تمہارے درجات بلند کیے تاکہ وہ ان چیزوں میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔'' (آل عمران:165) (3) ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ ''دنیا کی زندگی میں اُن کی معیشت کو ہم نے اُن کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے ایک دوسرے پر اُن کے درجے بلند کیے ہیں تاکہ ان کا بعض بعض کو تابع بنالے۔'' (الزخرف:32) (4) ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکش ہو جاتے لیکن وہ ایک اندازے سے جو چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، خوب دیکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ:27)

سوال2: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ ''یقیناً آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ﴾ ''اور یقیناً آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے'' آخرت میں درجات کی تقسیم انسان کے اعمال کے اعتبار سے ہوگی، جو جتنے اچھے عمل کا ثبوت دے گا وہ اتنا زیادہ بڑا درجہ اور ثمرات پائے گا۔ (2) دنیا میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف درجات میں رکھا ہے کوئی مال دار ہے کوئی فقیر، کوئی اچھا ہے کوئی برا۔ (3) جب دنیا میں لوگوں کے درجے ہیں تو آخرت کے کیا ہی کہنے؟ کچھ لوگ جہنم میں طوق وسلاسل میں جکڑے ہوں گے اور کچھ جنت میں لطف اٹھا رہے ہوں گے۔ (4) ﴿وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ ''اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے'' پھر جنت والوں میں درجات کا فرق ہوگا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جنت والے (اپنے اوپر کے درجوں کے) بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم

آسمان میں ستاروں کو دیکھتے ہو۔(بخاری:6555)

سوال3: دنیا کسی کو کم ملتی ہے کسی کو زیادہ، ایسا کیوں ہے؟

جواب: دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے رزق کو تقسیم کرتا ہے۔

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا (22)﴾

''آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بنائیں ورنہ آپ مذمت شدہ، بے یارو مددگار ہو کر بیٹھ رہیں گے۔''(22)

سوال1: ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ ''آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بنائیں ورنہ آپ مذمت شدہ، بے یارو مددگار ہو کر بیٹھ رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾''آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بنائیں''یعنی اے محمد ﷺ اپنے رب کی الوہیت اور عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(جامع البیان:63/15)(2)یعنی یہ اعتقاد نہ رکھ کہ مخلوق میں سے کوئی ہستی کسی قسم کی عبادت کی مستحق ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ شرک مذمت اور خذلان کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ،اس کے فرشتوں اوراس کے رسولوں نے شرک سے روکا ہے اورمشرک کی سخت مذمت کی ہے اوراسے اس شرک کی بناپرانتہائی مذموم ناموں سے موسوم اور قبیح اوصاف سے موصوف کیا ہے۔جواس شرک کا مرتکب ہے، وہ بدترین اوصاف اور قبیح ترین صفات سے متصف ہے۔وہ جتنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ترک کرتا ہے،اس کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے دینی اور دنیاوی معاملات میں اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔پس جو کوئی اس کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اوراس کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے جس کے ساتھ وہ تعلق جوڑتا ہے اورمخلوق میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور ہستی کو معبود بنالیتا ہے وہ مذمت وخذلان کا مستحق ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو ایک گردانتا ہے،اس کے لئے اپنے دین کو خالص کرتا ہے اوردوسروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑتا ہے وہ قابل ستائش ہے اوراس کے تمام احوال میں اس کی دست گیری کی جاتی ہے۔(تفسیر سعدی:1453/2)(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہ تھا۔اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہ تھا۔اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اوراس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میرے لیے اولاد بتاتا ہے،میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔(بخاری:4482)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود کیوں نہیں بنایا جا سکتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ انسان کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ اُس کو چھوڑ کر کسی اور کو بڑا نہیں بنایا جا سکتا۔

سوال3: ﴿فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ ''ورنہ آپ مذمت شدہ، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ ''ورنہ آپ مذمت شدہ، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہیں گے'' شرک کرنے والا قابلِ مذمت فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مدد کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ (2) مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جسے فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اسے بند کروانا چاہے اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دعا کرے اللہ تعالیٰ اس کے پاس تونگری بھیج دے گا یا تو جلدی یا دیر سے۔ (تفسیر الاساس:3069)

سوال4: شرک کرنے والا بے یار و مددگار کیوں رہ جائے گا؟

جواب: شرک کرنے والا قابلِ مذمت فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مدد کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔

رکوع نمبر3

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (23)﴾

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔'' (23)

سوال1: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے'' اور تیرے رب نے شرعی حکم دیا ہے۔ (2)(i) فیصلہ ایک حتمی امر ہوتا ہے اور اس پر عمل در آمد ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اس حکم پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے اس طرح انسان کو احساس دلایا ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت چاہیے، اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ (iii) اللہ تعالیٰ انسان سے عقیدے اور عبادت میں توحید چاہتے ہیں اسی لیے ''قضٰی'' کے لفظ سے مزید تاکید کر دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ (3) ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا﴾ ''کہ تم عبادت نہ کرو'' یعنی زمین اور آسمان کے رہنے والوں، زندوں یا مردوں میں سے کسی کی عبادت نہ کرو۔ (تفسیر سعدی:1453/2) (4) ﴿اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ ''اس کے سوا کسی اور کی'' کیونکہ وہ واحد اور یکتا، فرد اور بے نیاز ہے۔ جو ہر صفت کمال کا مالک ہے۔ اس کی ہر صفت کامل ترین ہے اور مخلوق میں کوئی ہستی اس کی کسی صفت

میں کسی بھی پہلو سے مشابہت نہیں کرسکتی وہ منعم ہے، ظاہری اور باطنی نعمتوں سے وہی نوازتا ہے، وہی تمام تکالیف کو دور کرتا ہے، وہ خالق، رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ ان تمام اوصاف میں منفرد اور یکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری ہستی اوصاف میں سے کسی چیز کی بھی مالک نہیں۔(5)(i) ایک اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنا وہ بنیاد ہے جس پر انسانوں کے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔(ii) ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے سے ہی انسان آپس میں جڑتے ہیں۔(iii) ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے سے ہی انسان فکری اور عملی انتشار سے بچ سکتا ہے۔ (6)﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو'' پھر والدین جیسی نعمت کا شکرادا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ ''کہ میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی'' (لقمان:14)(7) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حقوق کو قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ یعنی قول و فعل، ہر لحاظ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کیونکہ والدین ہی بندے کے وجود میں آنے کا سبب ہیں، یہ امور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حق کی تاکید اور ان کے ساتھ بھلائی کے وجوب کا تقاضا کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1454/2)(8) والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک رائیگاں نہیں جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو اس سے ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں''۔(النحل:128)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین سے حسن سلوک کو اتنی توجہ کیوں دی ہے؟

جواب:(1) انسان کے لیے پہلا یونٹ خاندان ہے اور خاندان والدین سے تشکیل پاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم کے بعد والدین سے حسن سلوک کو اتنی توجہ دی گئی ہے۔(2) والدین سے حسن سلوک کے حکم سے والدین کی اطاعت، اُن کے ادب واحترام اور خدمت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔(3) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ والدین کی اطاعت ضروری ہے۔(4) بوڑھے ماں باپ کا اولاد پر کوئی مادی زور نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آزاد فیصلے کے تحت والدین سے حسن سلوک کر سکتے ہیں۔ اس لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا وہیں والدین سے حسن سلوک کرنے کا بھی حکم دیا۔

سوال3: انسان کے لیے والدین سے حسن سلوک مشکل کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب:(1) انسان کی نظریں آگے کی طرف دیکھتی ہیں اور والدین کی طرف توجہ کرنا پیچھے مڑ کر دیکھنا ہے۔(2) انسان کی نظر جہاں توجہ کرتی ہے اس کے جذبات اور اس کی طرف سے اہتمام بھی اسی کے لیے ہوتا ہے۔(3) اکثر انسان پیچھے اپنے والدین کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اولاد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کم لوگ پیچھے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے والدین کے متعلق انسان کے شعور کو بیدار کیا ہے۔(4) بڑھاپے میں انسان مجبور ہوتا ہے جب کہ اولاد روزی کے وسائل پر قابض ہوتی ہے۔ انسان جب اپنے آپ کو خود مختار دیکھتا ہے تو باندھ کر رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔(5) جوانی اور بڑھاپے میں فرق ہے۔ جوانی میں انسان کے جذبات میں جوش ہوتا ہے۔

بوڑھوں نے زمانے کے سرد وگرم کو چکھا ہوتا ہے۔ جوانوں اور بوڑھوں کے درمیان یوں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی۔ اس لیے بھی یہ حسن سلوک مشکل ہو جاتا ہے۔(6) انسان فطری طور پر اپنی اولاد کا درد دل میں رکھتا ہے۔ بچوں کی خاطر انسان جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ بچے والدین سے ساری قوتیں اور طاقتیں نچوڑ کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھولے ہوئے انسان کے لیے والدین کے ساتھ حسن سلوک مشکل ہو جاتا ہے۔

سوال4: ﴿اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا﴾ ''اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا﴾ ''اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں''، یعنی والدین جب ایسی عمر کو پہنچ جائیں جہاں اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں تو وہ حسن سلوک کے مستحق ہو جاتے ہیں۔(2) ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ﴾ ''تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو'' پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ والدین کے حق میں الفاظ کے استعمال میں احتیاط برتی جائے۔(2) والدین کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں ان کی توہین ہو یا ان کے جذبات مجروح ہوں۔(3) یعنی والدین کو اپنی زبان سے اذیت نہ پہنچاؤ۔(4) ﴿وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا﴾ ''اور نہ ہی ان کو جھڑکو''، یعنی والدین پر تنقید نہ کی جائے، اُن کو ڈانٹا نہ جائے، اُن کو جھڑکا نہ جائے۔

سوال5: ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا﴾ ''اور ان سے عزت والی بات کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اور ان سے عزت والی بات کرو''، یعنی والدین کے ساتھ احترام کے ساتھ بات کرو۔(2) ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرو جن کو وہ پسند کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ نہایت ادب اور مہربانی سے پیش آؤ۔ انتہائی نرمی اور اچھے پیرائے میں بات کرو جس سے ان کے دل لذت محسوس کریں اور ان کو اطمینان حاصل ہو۔ یہ حسن سلوک احوال وعادات اور زمانے کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ والدین سے حسن سلوک کرنے کے لیے کیسے تیار کرتے ہیں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں والدین کی عزت بٹھاتے ہیں۔(2) اُن کے سامنے اُف تک کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔(3) اُن کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے روکتے ہیں۔(4) انسان کے دل میں نرمی کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔

سوال7: والدین سے حسن سلوک کی طرف مذاہب عالم میں کیسے توجہ دلائی گئی؟

جواب:(1) ''تو اپنے ماں باپ کو عزت دے، تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔'' (خروج:12,20)(2) پھر دوسری جگہ ہے: ''تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے۔'' (احبار:3,19)(3) انتہا یہ ہے کہ تورات نے قانوناً یہ حکم نافذ کیا کہ ''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے مار ڈالا جائے گا۔ اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر

ہے۔'' (احبار9,20) (4) ''اور جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرے مارڈالا جائے گا۔'' (خروج:7,21) (5) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں انہی احکام کو دہرایا اور اس بات پر زور دیا کہ ان احکام کی صرف لفظی تعمیل نہ کی جائے بلکہ ان کے روح و معنی کا خیال کیا جائے۔فرمایا: ''کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں یا باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے۔ پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب ہے سو خدا کی نذر رہو اور اپنے ماں باپ کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔'' (متی:4-10) (6) نبوت محمدی جس کی بعثت ہی اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے اس نے تورات و انجیل کی طرح نہ صرف والدین کی عزت اور ان سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی بلکہ اس مسئلہ کے ہر گوشہ کی تفصیل کی اور ہر ممکن سوال کا تشفی بخش جواب دیا۔ ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اُس کو جنم دیا اور اُس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اُس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (الاحقاف:15) ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (۱۴) وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۵)﴾ ''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں پھر اُن دونوں کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں اُن دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو اور اُس کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر میری طرف ہی تمہارا پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ (لقمان:14,15) (7) سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''منبر لاؤ۔'' ہم منبر لے آئے جب نبی کریم ﷺ پہلی سیڑھی چڑھے تو فرمایا ''آمین۔'' پھر جب دوسری سیڑھی چڑھے تو فرمایا ''آمین۔'' اسی طرح آپ ﷺ جب تیسری سیڑھی چڑھے تو فرمایا ''آمین۔'' جب رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! آج ہم نے آپ سے ایسی

بات سنی، جواس سے پہلے کبھی نہیں سنی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا'' جناب جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا''اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جس آدمی نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی حاصل نہ کر سکا۔''اس کے جواب میں، میں نے آمین کہی۔ پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جناب جبریل علیہ السلام نے کہا''ہلاکت ہے اس آدمی کے لیے جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔''میں نے اس کے جواب میں آمین کہی۔ پھر جب تیسری سیڑھی چڑھا تو جناب جبریل علیہ السلام نے کہا''جس شخص نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی اس کے لیے بھی ہلاکت ہو۔''میں نے اس کے جواب میں کہا آمین۔''(صحیح الترغیب والترھیب:985)(8)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا پھر تمہارا باپ ہے۔(بخاری:5971)(9)ابو بکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بڑے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ ہم بولے ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کو ناراض کرنا۔''(ترمذی:2301)(10)میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبائر کا ذکر کیا یا (انہوں نے کہا کہ) نبی ﷺ سے کبائر کے متعلق پوچھا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کی (ناحق) جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا پھر فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتا دوں؟ فرمایا کہ جھوٹی بات یا فرمایا کہ جھوٹی شہادت (سب سے بڑا گناہ ہے) شعبہ نے بیان کیا کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جھوٹی گواہی فرمایا تھا۔(صحیح بخاری5977)(11)عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا میں بھی جہاد میں شریک ہو جاؤں۔ن؟ ی ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے ماں باپ موجود ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں موجود ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد کرو۔(بخاری:5972)

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (24) ﴾

''اور ان کے لیے تواضع کا بازو رحم دلی سے جھکائے رکھو اور کہو کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے اُنہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا''۔(24)

سوال1:﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾''اور ان کے لیے تواضع کا بازو رحم دلی سے جھکائے رکھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾''اوران کے لیےتواضع کاباز ورحم دلی سے جھکائے رکھو''یعنی ماں باپ کے ساتھ انکساری سے پیش آؤاوران کے ساتھ تمہارے ہرفعل سےتواضع کااظہار ہو۔(مختصرابن کثیر:104/1)(2)جیسے پرندہ اڑنے کے لیے تیار ہو اورخاص طور پر جب وہ خوشی سے اپنے پر پھڑ پھڑاتا ہے۔رب العزت نے پرواز کے لیے تیارانسان سے کہا کہ تم کدھر نئے جہانوں کی طرف اڑنا چاہتے ہو۔اپنے پر بچھادو یہ تمہارے لیےعزت کا مقام ہے۔یہ تمہیں دنیا میں لانے والے والدین ہیں ان کےتم پراحسانات ہیں۔انہوں نے اپنی جوانیاں گلاکرتمہیں جوان کیا ہے۔اب ان کے لیےنرمی اوررحمت سےتواضع کے بازو بچھادو۔(3)اپنے والدین کے سامنے ہمیشہ تواضع اورشفقت کااظہارکرتے ہوئے جھک رہو۔(4)والدین کےساتھ حسن سلوک اللہ تعالیٰ سےاجر کی امید پر کرو،ان کے ڈرکی بناپرنہیں،نہ مال کےلالچ کی وجہ سے،ایسی کوئی وجہ نہ ہوجس کی وجہ سےاجرنہیں ملتا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اولادکووالدین کےساتھ نرمی اوررحمت کے لیے کیسے آمادہ کیا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے انسان کوایک پرندے کاتصوردلایا ہے جوپرواز کرنے کے لیے بازو پھیلالیتا ہےاورجب نیچےاترتا ہےتوبازو جھکا دیتا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے پرندے کی مثال دے کرانسان کونرمی اوررحمت کے لیےآمادہ کیا ہے کہ اس طرح بچھ جاؤ جیسے پرندہ اپنے بازو بچھالیتا ہے۔(3)اللہ تعالیٰ نے والدین کے لیےاولاد کی وفاشعاری کومجسم کردیا ہےگویاوفاشعاری ایک پرندہ ہےجس نے اپنےپَر والدین کےآگے بچھادیے ہیں۔

سوال3:﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾''اورکہوکہ اے میرے رب!ان دونوں پررحم فرماجیسےاُنہوں نے مجھے بچپن میں پالاتھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یعنی والدین کے لیے دعائے خیر مانگو۔(2)یعنی ان کی زندگی میں اوران کے وفات پاجانے کے بعدان کے لئے رحمت کی دعاکرو۔انہوں نے بچپن میں تمہاری جوتربیت کی ہے یہ اس کابدلہ ہے۔اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تربیت جتنی زیادہ ہوگی والدین کاحق بھی اتناہی زیادہ ہوجائے گا۔اسی طرح والدین کےسواکوئی شخص دینی اوردنیاوی امورمیں کسی کی نیک تربیت کرتا ہےتوتربیت کرنے والےشخص کااس شخص پرحق ہے جس کی اس نے تربیت کی ہے۔(تفسیرسعدی:1454/2)(3)(i)انسان کےاندرجورحمت اورشفقت کے جذبات ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہیں۔اس اعتبار سےاللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت کادائرہ وسیع ہےاس لیےاللہ تعالیٰ ہی سے رحمت کی دعاکرنی چاہیے۔(ii)والدین اپنی اولاد کےساتھ جورحمت کا معاملہ کرتے ہیں اس کا اجراولادنہیں دے سکتی اس لیےاللہ تعالیٰ نے دُعا سکھائی کہ آپ کہہ دوکہ''اے میرے رب اُن پراسی طرح رحمت کرناجس طرح اُنہوں نے رحمت کےساتھ پالاتھا۔''

سوال4:اللہ تعالیٰ نے والدین کے لیےرحمت کی دعاکرتے ہوئےبچپن کی یادکودُعامیں رکھ دیا۔اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:ماضی کی یادیں انسان کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے خوش گوار،محبت بھری بچپن کی یادوں سے ماں باپ کی

محبت اور شفقت یاددلائی ہے اور یہ شعور دلایا ہے کہ محبت اور شفقت کرنے والے اب کس طرح سے تمہاری محبت کے محتاج ہیں۔

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (25)﴾

''تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جوتمہارے دلوں میں ہے۔اگرتم نیک ہوئے تو یقیناً وہ ہمیشہ سے بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے بے حد بخشنے والا ہے۔'' (25)

سوال1: ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ ''تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جوتمہارے دلوں میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جوتمہارے دلوں میں ہے'' انسان کے خیالات اور اس کے اعمال اس کے عقیدے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے احکامات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جو نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے تاکہ انسان خبردار ہوجائے کہ اس کی ہر بات اور ہر کام سے اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ یوں انسان اپنے اعمال کے بارے میں محتاط ہوجاتا ہے۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے اور برے رازوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں بلکہ وہ دلوں کے اندر چھپی ہوئی نیکی اور بدی پر نظر رکھتا ہے۔

سوال2: ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ ''اگرتم نیک ہوئے تو یقیناً وہ ہمیشہ سے بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے بے حد بخشنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ﴾ ''اگرتم نیک ہوئے'' یعنی اگر تمہاری نیت صحیح ہو۔ (فتح القدیر:281/3) (2) اگرتم اپنی نیت میں نیک ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے تم اس کی اطاعت کرتے ہو اور والدین کے جو حقوق تم پر ہیں تم انہیں قائم کرتے ہو۔ (جامع البیان:69/15) (3) یعنی اگر تمہارے ارادے اور مقاصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے دائرے میں اور تمہاری رغبت صرف انہی امور پر مرتکز ہے جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں اور تمہارے دلوں میں غیر اللہ کے ارادے پر اجمان نہ ہوں۔ (تفسیر سعدی:1455/2) (4) ﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ﴾ ''تو یقیناً وہ ہمیشہ سے بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے'' یعنی جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف امید اور خوف سے رجوع کرتا ہے اور والدین کا فرماں بردار ہے۔ (5) ﴿غَفُوْرًا﴾ ''بے حد بخشنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ (6) پس اللہ تعالیٰ جس کے دل میں جھانکتا ہے، وہ جان لیتا ہے کہ اس دل میں، اللہ تعالیٰ کی طرف انابت، اس کی محبت اور ان امور کی محبت جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں کے سوا کچھ بھی نہیں، تب اگر اس بندے سے طبائع بشری کے تقاضے کے مطابق کوئی گناہ سرزد بھی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان عارضی گناہوں کو بخش دیتا ہے، جو مستقل طور پر جڑ نہیں پکڑتے۔ (تفسیر سعدی:1455/2) (7) اللہ تعالیٰ نے نیکی کے راستے کی رکاوٹ کو دور کیا ہے، نیکی کے راستے کی رکاوٹ گناہ گاری کا احساس ہے۔ اُس نے واضح کردیا کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ انسان کسی بھی وقت توبہ کر کے پلٹ سکتا ہے۔ اگر اصلاح کا جذبہ موجود ہے تو توبہ کر کے واپسی ہوسکتی ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کیا جاسکتا

ہے۔

سوال3: ﴿اَوَّ آ بُ﴾ کسے کہتے ہے؟

جواب: ﴿ اَوَّ آ بُ ﴾ ایسے شخص کو کہتے جس سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ جلدی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے اور توبہ واستغفار کرے۔

﴿ وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا.(26)﴾

''اور رشتے دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا۔'' (26)

سوال1: ﴿ وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ ''اور رشتے دار کو اُس کا حق دو'' رشتہ داروں کے حقوق کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ ''اور رشتے دار کو اُس کا حق دو'' یعنی صلہ رحمی کرو۔ (2) رشتے داری کے جو حقوق تم پر ہیں ان کو ادا کرو یعنی واجب اور مسنون حسن سلوک کرو، ان کی عزت کرو، ان کا حق ادا کرو۔ (3) رشتے داروں کے حقوق میں رشتے کی نوعیت حالات اور ضرورت کے مطابق فرق آجاتا ہے۔ (4) قریبی رشتے داروں سے بہترین سلوک کرنا بہت بڑی نیکی ہے اور ان تعلقات کو بگاڑنا یا توڑنا کبیرہ گناہ ہے۔ (5) نبی ﷺ نے فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری، کتاب الادب) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کی کمر پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رک جا۔ صلہ رحمی کے کہا: قطع رحمی سے پناہ طلب کرنے والے کا یہ مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔ کیا تو اس پر راضی نہیں ہو گی کہ جس نے تجھے ملایا میں اسے ملاؤں گا۔ اور جس نے تجھے کاٹا میں بھی کاٹ دوں گا؟ اس نے کہا کیوں نہیں، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ ہی تیرا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہی مقام تیرا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: ''پھر بلاشبہ تم سے توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کر دو گے اور اپنے رشتوں کو توڑ دو گے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے پس انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا کچھ دلوں پر ان کے تالے ہیں۔'' (الصحیحہ: 2741) (7) جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور عمر لمبی ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ (بخاری، کتاب الادب) (8) آپ ﷺ نے فرمایا: بدلے کے طور پر رشتہ ملانے والا، رشتہ ملانے والا نہیں بلکہ رشتہ ملانے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے ملائے۔ (بخاری، کتاب الادب) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، (صورت حال یہ ہے کہ) میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں جب کہ وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے

ہیں۔اور میں (ان کے بارے میں) حکمت ودانائی سے کام لیتا ہوں، جب کہ وہ جہالت سی پیش آتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر بات ایسے ہی ہے جیسے تو کہہ رہا ہے تو تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے جب تک تیری یہ کیفیت رہے گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ تیرے ساتھ ایک مددگار رہے گا۔(الصحیحۃ:2597) (10) آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی گناہ بغاوت، اور قطع رحمی سے زیادہ اس بات کا اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی فوراً سزا دے اور ساتھ ہی ساتھ آخرت میں بھی اس کے عذاب بطور ذخیرہ رکھے۔(ترمذی،ابواب صفۃ القیامۃ) (11) نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿ بُلُّوا اَرْحَامَكُمْ ﴾ ''صلہ رحمی کو تر و تازہ رکھو اگرچہ سلام کے ذریعے ہو۔'' (الصحیحۃ)

سوال2: مال کو خرچ کرنے کے اسلامی اُصول کیا ہیں؟

جواب: (1) انسان مال کو واقعی ضرورت پر خرچ کرے۔(2) انسان اپنے مال پر ضرورت مندوں کا حق سمجھے۔

سوال3: انسان جو کچھ اپنی محنت سے کماتا ہے، جس میں سے خرچ کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے اس پر ضرورت مندوں کا حق کیسے تسلیم کر لیتا ہے؟

جواب: اسلام نے ضرورت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق مال داروں کے مال میں رکھا ہے۔ یہ حق چونکہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس حق کو تسلیم کر لیتا ہے۔

سوال4: انسان مال خرچ کر کے احسان جتلانے سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب (1) انسان جب اپنے مال پر ضرورت مندوں کا حق تسلیم کر لیتا ہے تو احسان جتلانے سے بچ جاتا ہے۔(2) انسان جب مال خرچ کرنے کو عبادت سمجھتا ہے تو احسان جتلانے سے بچ جاتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے ضرورت مندوں میں رشتہ داروں کو پہلے درجہ دیا ہے اس سے انسان کو کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کا پہلے ذکر کر کے یہ شعور دلایا ہے کہ رشتہ داروں کا حق زیادہ ہے۔

سوال6: ﴿وَالْمِسْكِيْنَ﴾ ''اور مسکین'' مساکین کے حقوق کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مساکین اور فقراء کا ہر مال والے پر حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی تقسیم کی آٹھ مدات میں سے دوسرے نمبر پر مساکین کا ذکر فرمایا ہے۔(2) مال والوں پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاندان کے مساکین پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی خرچ کریں۔(3) مساکین کو اتنا ضرور دیں کہ ان کی مسکینی دور ہو جائے۔(4) نبی ﷺ نے مسکین کے بارے میں فرمایا: مسکین وہ نہیں ہے جو در در مانگتا پھرتا ہو اور ایک نوالا یا ایک، دو کھجوریں لے کر واپس جاتا ہو۔صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا: جس کی کمائی اتنی نہیں جو اسے سوال

سے بے پروا کردے نہ لوگ اسے نادار سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دیں اور نہ وہ لوگوں سے مانگتا ہی ہے۔(بخاری،مسلم)

سوال7: ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ ''اور مسافر کو بھی'' مسافروں کے حقوق کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مسافر سے مراد غریب الوطن شخص ہے جو اپنے علاقے سے دور کہیں پھنس گیا ہو۔(2) مسافر خواہ فقیر ہو یا غنی اس کی مدد زکوٰۃ کے مال سے کی جاسکتی ہے اگر وہ اپنے علاقے سے کٹ کر کہیں مصیبت میں پھنس گیا ہو۔(3) نبی ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا ایک وہ جس کے پاس راستے میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافر کو پانی نہ دے۔(بخاری) (4) سیدنا عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ہمیں روانہ کرتے ہیں پھر ہم راستے میں ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی تک نہیں کرتے تو آپ ﷺ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ لوگ دستور کے مطابق تمہاری مہمانی کریں تو فبھا اور اگر نہ کریں تو دستور کے مطابق مہمانی کا حق ان سے وصول کرلو۔(بخاری، کتاب الادب) (5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں جارہے تھے۔اثنائے سفر میں آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا جس کے پاس فاضل سواری ہے وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس کھانا نہیں۔غرضیکہ آپ ﷺ نے مال کی ایک ایک قسم کا جدا جدا ذکر کیا۔حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ اپنے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔(مسلم) (6) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو جو سفر پر روانہ ہورہا تھا، کہا کہ میرے پاس آؤ۔میں تمہیں ایسے ہی رخصت کروں جیسے رسول اللہ ﷺ ہمیں رخصت کیا کرتے تھے پھر انہوں نے کہا: ﴿اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكَ﴾ '' میں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے آخری اعمال اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔''(ترمذی، ابواب الدعوات) (7) ان احادیث سے مسافروں کے حقوق کے بارے میں نتائج اخذ ہوتے ہیں: (i) ہم سفر لوگوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔جس کے پاس کھانے پینے یا دیگر ضروریات کی چیزیں زائد ہوں تو اسے دوسرے مسافروں کو وہ چیزیں دینی چاہئیں جن کے پاس اپنی ضرورت کی وہ چیزیں نہ ہوں۔مثال کے طور پر پانی جو زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ضرورت سے زائد پانی نہ دینا کبیرہ گناہ ہے۔(ii) جن علاقوں میں پانی کثرت سے موجود ہو اور کھانے پینے کے لیے ہوٹل وغیرہ موجود ہوں تو کسی ناجائز طریقے سے مہمانی کے حق کو وصول نہیں کیا جاسکتا۔(3) جب کسی مسافر کے پاس زادِ راہ ختم ہوجائے تو ایسے مسافر کو صدقہ یا زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے۔

سوال8: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ ''اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا'' رب العزت نے خرچ میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔(2) اندھا دھند اور بے جا خرچ کرنے کی ممانعت ہے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ اس کے درمیان

اعتدال پر ہوتا ہے۔ (الفرقان:67)(3) مال اس طریقے سے عطا کیا جائے کہ عطا کرنے والے کو نقصان پہنچے نہ اس مقدار سے زائد ہو جودی جانی چاہیے ورنہ یہ اسراف وتبذیر کے زمرے میں آئے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ (تفسیر سعدی:1456./2)

سوال9: جو مال دار آدمی ضرورت مندوں کے حقوق ادا نہ کرے اسلام اس کو کیا درجہ دیتا ہے؟

جواب: اسلامی نقطہ نظر سے جو ضرورت مندوں کے حقوق ادا نہ کرے اُن پر مال خرچ نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے۔

سوال10: ﴿تَبْذِيرًا﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب: (1) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایسی مد میں خرچ کرنے کو تبذیر قرار دیتے تھے جس میں خرچ کرنے کا حق نہ ہو یعنی ناجائز اُمور میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔ (2) خرچ کرنے میں شرعی حد سے تجاوز کرنا تبذیر ہے۔ (3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سچائی کے راستے میں پورا مال خرچ کرنا بھی تبذیر نہیں ہے اور بغیر حق کے تھوڑا سا خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔

سوال11: فضول خرچی کیسا عمل ہے؟

جواب: فضول خرچی شیطان کا حربہ ہے جس کے ذریعے وہ مال والوں کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ ضرورت مندوں پر خرچ کر سکیں۔

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (27) ﴾

''یقیناً بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے''۔(27)

سوال1: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ ''یقیناً بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیاطین کے بھائی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے بے جا خرچ کرنے سے نفرت دلائی ہے۔ بے جا اور ناحق خرچ کرنا اسراف ہے۔ اگر انسان اپنا سارا مال حق کے ساتھ خرچ کرے تو وہ اسراف نہیں لیکن ناحق پر قلیل بھی خرچ کرے تو اسراف ہے۔ (2) ناحق خرچ کرنے میں نافرمانیوں پر خرچ کرنا اور تخریب کے لیے خرچ کرنا شامل ہے۔ (3) ایک دفعہ تمیمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''میرے پاس کثرت سے مال ہے اور میرا کنبہ بھی بڑا ہے، آپ مجھے مال خرچ کرنے کا طریقہ بتائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مال پر زکوٰۃ ہو تو پہلے اسے نکال دو کیونکہ زکوٰۃ مال کو پاک کر دیتی ہے اور دل میں طہارت پیدا ہوتی ہے پھر رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو اور مانگنے والوں، پڑوسیوں اور محتاجوں کا حق پہچانو۔'' بولا مجھے تو چند الفاظ میں ساری باتیں بتا دیجیے۔ آخر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی، بولا اور مجھے یہ آیت کافی ہے۔ اگر میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ دے دوں تو کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بری الذمہ سمجھا جاؤں گا۔ فرمایا۔ ''ہاں تمہیں اس کا ثواب مل جائے گا پھر اسے جو بدل ڈالے گا اس کا وبال اس پر ہوگا۔'' (مسند احمد) (4) فضول خرچ لوگوں کو شیطان کا بھائی اس لیے قرار دیا

ہے کہ شیطان ہمیشہ برائی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ انسان کو مال روک کر رکھنے اور بخل کی دعوت دیتا ہے اور اگر انسان اس کی بات نہ مانے تو وہ اسراف اور تبذیر کی طرف لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ (5) شیطان انسان کا دوست کیسے بنتا ہے؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴾ ''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' (الزخرف:36) اسی طرح فرمایا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴾ جمع کرو اُن سب لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور اُن کے جوڑوں کو بھی اور اُن کو بھی جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ (الصّٰفّٰت:22) یعنی ان کے شیاطین ساتھیوں کو۔ (6) شیطان اور انسان کا بھائی چارہ، اسراف میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ نے اور نافرمانی کے کام کرنے میں مشابہت کی بنا پر ہوتا ہے۔ (الاساس:3060/6)

سوال2: ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴾ ''اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: شیطان رب کی نافرمانی کرتا ہے اس لیے رب العزت نے فرمایا کہ شیطان رب کا بڑا ناشکرا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تسلیم نہیں کرتا، اس کی اطاعت کی بجائے مخالفت اور نافرمانی پر اتر آتا ہے۔

سوال3: ﴿مُبَذِّرِيْنَ ﴾ یعنی فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کیوں کہا گیا؟

جواب: (1) تبذیر یعنی فضول خرچی اتنا بُرا عمل ہے کہ اس کام کو انجام دینے والا شیطان کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے اسی وجہ سے اُسے شیطان کا بھائی قرار دیا گیا۔ (2) فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی اس لیے بھی قرار دیا گیا کہ وہ باطل، شر اور نافرمانی میں خرچ کرتے ہیں۔ (3) اللہ تعالیٰ کے مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا شکر ادا کرنا ہے اور فضول خرچی کرنے والے چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس لیے وہ ناشکری کرتے ہیں اور شیطان کے بھائی بن جاتے ہیں۔

﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (28) ﴾

''اور اگر تم نے اپنے رب کی کسی رحمت کی تلاش میں جس کی تم اُمید رکھتے ہو ان سے ضرور منہ موڑ نا ہو تو بھی اُن سے وہ بات کہو جس میں آسانی ہو''۔ (28)

سوال1: ﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴾ ''اور اگر تم نے اپنے رب کی کسی رحمت کی تلاش میں جس کی تم اُمید رکھتے ہو ان سے ضرور منہ موڑ نا ہو تو بھی اُن سے وہ بات کہو جس میں آسانی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ﴾ ''اور اگر تم نے ان سے ضرور منہ موڑ نا ہو'' یعنی اگر تم انہیں عطا نہیں کرتے اور جب تمہارے رشتے

دار، مسکین یا مسافر تم سے سوال کرتے ہیں تم انہیں نہیں دیتے۔(2)﴿اِبْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَا ﴾''اپنے رب کی کسی رحمت کی تلاش میں جس کی تم اُمید رکھتے ہو''یعنی تم ایسے وقت کا انتظار کرتے ہو جب اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی دے دے۔(3)﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴾''تو بھی اُن سے وہ بات کہو جس میں آسانی ہو''یعنی نرم زبان میں بات سمجھا دو، سختی نہ کرو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ بداخلاقی سے جواب دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم سے نعمت ہی چھین لے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴾''اور سائل کو مت جھڑکو۔''(الضحیٰ:10)(4)سوال کرنے والوں سے نرم لہجے میں بات کریں اور ممکن ہو تو کوئی اچھا وعدہ کرلیں کہ فلاں وقت تک مدد کروں گا اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو معذرت کرلیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴾''اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کسی طرح کی اذیت پہنچانا ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بے پرواہ، بے حد بردبار ہے۔''(البقرہ:263)(5)رب العزت نے رحمت اور رزق کے انتظار کا حکم دیا ہے۔یہ انتظار عبادت ہے۔اسی طرح ضرورت مندوں سے عطا کرنے کا وعدہ کرنا بھی عبادت ہے۔نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے۔جس نیک کام پر قدرت نہ ہو اس کی بھی نیت رکھنی چاہیے ہوسکتا ہے اس امید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آسانی کردے۔

سوال2:اگر کسی کے پاس رشتے داروں کو دینے کے لیے وافر مال نہیں تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب:اگر کسی کے پاس رشتے داروں کو دینے کے لیے وافر مال نہیں تو اُسے چاہیے کہ(1)وہ اللہ تعالیٰ سے وسیع رزق کا سوال کرے کہ تا کہ اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت دیں تو وہ رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے قابل ہو جائے۔(2)حق داروں کے ساتھ وعدہ کرلے کہ جب اللہ تعالیٰ وسعت دے گا تو ضرور کچھ کرے گا۔(3)حق داروں کے ساتھ نرم بات کرے۔(4)حق داروں کے ساتھ تنگ دلی کا معاملہ نہ کرے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (29)﴾

''اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھو اور نہ اُسے کھول دو، پورا کھولنا کہ ملامت زدہ، تھکے ماندے ہو کر بیٹھ رہو۔''(29)

سوال1:﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾''اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھو اور نہ اُسے کھول دو، پورا کھولنا کہ ملامت زدہ، تھکے ماندے ہو کر بیٹھ رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾''اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھو'' گردن سے ہاتھ باندھنا بخل کے لیے کنایا ہے یعنی ایسے نہ بنو کہ کسی کو کچھ نہ دو۔جیسے یہودیوں نے کہا تھا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔نعوذ باللہ سخی پروردگار سے یہودیوں نے بخیلی منسوب کردی تھی۔(2)اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ بخیل نے اپنے ہاتھ گردن سے باندھ رکھے ہیں۔اس کی گردن اپنے

ہی ہاتھوں کی قید میں ہے۔ یوں وہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہا ہے۔(3)﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ''اور نہ اُسے کھول دو، پورا کھولنا''، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم ایسے معاملات میں خرچ کرنے لگو جہاں خرچ کرنا مناسب نہیں یعنی ناحق خرچ نہ کرو یا جتنا خرچ کرنا چاہئے، اترا کر طاقت سے زائد خرچ کرنے لگو اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے لگ جاؤ کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہ بچے۔(4)﴿فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ ''کہ ملامت زدہ، تھکے ماندے ہو کر بیٹھ رہو'' حسیر ایسے جانور کو کہتے ہیں جو تھک کر بیٹھ جائے۔ اگر آپ بھی ناحق خرچ کرو گے یا زائد خرچ کرو گے تو تھک کر بیٹھ جاؤ گے۔ اپنے کیے پر ملامت کرو گے، خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔ رشتہ داروں کو دینے کا حکم مال داری میں ہے۔(5)رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ صدقہ جس کے بعد آدمی خود محتاج یا صدقہ لینے کے قابل نہ ہو جائے۔'' (بخاری) (6) نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿ما عال من اقتصد﴾ ''جو میانہ روی اختیار کرتا ہے محتاج نہیں ہوتا۔'' (مسند احمد:1/447) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ''بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے بدن پر لوہے کے دو کُرتے ہوں چھاتیوں سے ہنسلی تک۔ جب خرچ کرنے کا عادی (سخی) خرچ کرتا ہے تو اس کے تمام جسم کو (وہ کرتہ) چھپا لیتا ہے یا (راوی نے یہ کہا کہ) تمام جسم پر وہ پھیل جاتا ہے اور اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں اور چلنے میں اس کے پاؤں کا نشان مٹتا جاتا ہے لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کرتے کا ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے۔ بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا''۔ (صحیح بخاری:1443)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا کیا طریقہ کار بتایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے میانہ روی کی تلقین کی ہے۔(2) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان نہ تو بخل کرے کہ اپنے گھر والوں کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے۔(3) اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے بچنے کی تلقین کی ہے کہ اپنی گنجائش دیکھے بغیر بے دریغ خرچ کرتا رہے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اعتدال کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے بخیل شخص کی کیسی تصویر کشی کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ بخیل نے اپنے ہاتھ گردن سے باندھ رکھے ہیں اس کی گردن اپنے ہی ہاتھوں کی قید میں ہے۔ یوں وہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے فضول خرچ انسان کی تصویر کشی کیسے کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ایک شخص ہے جس کے ہاتھ اور بازو کھلے ہوئے ہیں وہ کسی چیز کو اپنے قابو میں نہیں کرتا۔ یوں خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے۔

سوال5: بخل کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے؟

جواب: بخل کے انجام کے طور پر انسان قابل ملامت اور قابل مذمت قرار پاتا ہے۔

﴿ اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿30﴾ ﴾

''یقیناً تمہارا رب جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے، وہ ہمیشہ سے ہی اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔(30)

سوال: ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ﴾ ''یقیناً تمہارا رب جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ﴾ ''یقیناً تمہارا رب جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے'' یعنی روزی رساں اور تنگی فراخی عطا کرنے والا تو رب ہے۔ جس طرح چاہتا ہے حالات بدلتا رہتا ہے۔ جسے چاہے مال میں وسعت عطا فرما دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں بھی اس کی حکمت کارفرما ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون مال داری کا حق دار ہے اور کون تنگ دستی کا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بعض بندوں کو فقیری ہی مناسب ہے، اگر میں انہیں مال دار بنا دوں تو ان کا دین غارت ہو جائے اور میرے بعض بندوں کو مال داری ہی مناسب ہے، اگر انہیں مفلس بنا دوں تو ان کا دین تباہ ہو جائے گا۔ بعض لوگوں کے حق میں مال داری بطور استدراج اور فقیری بطور عذاب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذابوں سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ آمین

سوال: ﴿ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴾ ''وہ ہمیشہ سے ہی اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''خبیر'' وہ ہے جو مخفی امور کا بھی علم رکھتا ہے اور ''بصیر'' وہ ہے جو اپنے بندوں کی مصلحتوں کو دیکھتا ہے کہ کب لوگوں کو وسعت دی جائے اور کب تنگی دی جائے۔ (البحرالمحیط:42/7) (2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو! (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا' اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی اس میں کم نہیں ہوتا اور فرمایا تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے' مسلسل خرچ کئے جا رہا ہے' لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔'' (صحیح بخاری:4684) (3) جو اس کے علم اور اس کی خبر کے مطابق بندوں کے لیے درست ہے وہ ان کے لیے اس کی تدبیر کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

رکوع نمبر 4

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (31)﴾

''اور اپنی اولاد کو مُفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، یقیناً اُن کا قتل ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے''۔(31)

سوال1: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ ''اور اپنی اولاد کو مُفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ رحمت اور شفقت کرنے والا ہے اسی لئے اس نے اولاد کو قتل کرنے سے ماں باپ کو حکماً روک دیا ہے۔ (2) قتل اولاد کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے۔ (3) اولاد جس سے انسان بے حد محبت کرتا ہے اس کو قتل کرنے کا سبب دل کا شفقت سے خالی ہونا ہے کیونکہ بچوں سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ (4) ﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ ''مُفلسی کے ڈر سے'' یعنی فاقے کے ڈر سے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ بیٹیوں کو قتل کرتے تھے۔ (جامع البیان:80/15) (5) فقر کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن رکھنا ہے اور اگر اس کا سبب بیٹیوں پر غیرت ہو تو وہ جہان کو خراب کر دینے کی کوشش ہے۔ پہلا معاملہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حرمت کو پامال کرنے کا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت نہ ہونا ہے اور دونوں ہی قابل مذمت ہیں۔ (تفسیر مراغی:311/5) (6) قتل اولاد کو نسل کو ختم کرنے سے بچانے کے لیے روکا گیا۔ (تفسیر قاسمی:225/10)

سوال2: اسلام نے قتل اولاد کو کس درجے کا گناہ قرار دیا ہے؟

جواب: اسلام نے قتل اولاد کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے باز رکھنے کے لیے انسان کی مائنڈ سیٹنگ کیسے کی ہے؟

جواب 1۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اولاد کا قتل بڑا گناہ ہے۔

سوال4: ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ ''ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی'' اللہ رب العزت نے والدین کو بھوک کے ڈر سے قتل کرنے سے منع کیا اور سب کی کفالت کی ذمہ داری لی ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں بچپن میں بھی اور بڑھاپے میں بھی۔ (3) مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر عدم توکل یا براہ راست حملہ کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہم تمہیں بھی رزق دے رہے ہیں اور جیسے تمہیں دے رہے ہیں ویسے ہی تمہاری اولاد کو بھی دیں گے۔ (تیسیر القرآن:580/2)

سوال5: ﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ ''یقیناً اُن کا قتل ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) آج کل قتل اولاد خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر اس لیے جاری ہے کہ بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت اور صحت اور حسن کی حفاظت کے لیے اولاد کا کم ہونا ہی ضروری ہے۔(2) قتل اولاد عقیدے کی خرابی کی وجہ سے رواج پاتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر یقین نہیں رکھتے وہ رزق کے وسائل کی تنگی سے خوف کھا کر بھی اولاد کو قتل کر دیتے ہیں۔(3) جو لوگ اولاد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی دین سمجھتے ہیں وہ ان کے نام پر اولاد کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:''اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟''فرمایا:''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے۔''میں نے عرض کیا کہ یہ تو واقعی سب سے بڑا گناہ ہے۔ پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟''فرمایا:''یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں گے۔''میں نے پوچھا:''اور اس کے بعد''؟فرمایا:''یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرو۔''(صحیح بخاری:4477)(4)﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾''یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت میں بغیر علم کے قتل کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوئے اس کو حرام کرلیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا تھا یقیناً وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور ہدایت پانے والے نہیں ہوئے۔''(الانعام:140)

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا(32)﴾

''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یقیناً وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے''۔(32)

سوال1:﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یقیناً وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ''زنا کے قریب جانے کی ممانعت، زنا کے مجرد فعل کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے، اس لیے زنا کے قریب جانے کی ممانعت، زنا کے تمام مقدمات اور اس کے اسباب کو شامل ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے آس پاس پھرتا ہے تو ہوسکتا ہے وہ چراگاہ میں جا داخل ہو۔ خاص طور پر جب کہ بات یہ ہے کہ اکثر نفوس کے اندر زنا کا قوی ترین داعیہ ہے۔(تفسیر سعدی:1457/2)(2) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! ﷺ مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی ﷺ نے اسے فرمایا: میرے قریب آجاؤ، وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لیے پسند

نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر نبی ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعاء کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ (مسند احمد:2259) ابن ابی الدنیا میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔ (ابن کثیر:208) (3) ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً﴾ ''یقیناً وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے'' رب العزت نے زنا کی قباحت بیان فرمائی ہے کہ زنا بے حیائی ہے۔ وہ فطرت انسانی کے نزدیک بڑی برائی ہے اور عقل اور شریعت میں بڑی بے حیائی ہے۔ (4) زنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاشرے کو پاک رکھنا چاہتے ہیں اور زنا پاکیزگی کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ زنا عورت اور اس کے گھر والوں کے حق میں بہت بڑی برائی ہے۔ عورت کا زنا شوہر کے لیے بہت بڑی ہتک ہے۔ عورت کے زنا سے شوہر کا بستر خراب ہوتا ہے اور نسب مشکوک ہو جاتا ہے۔ (5) ﴿وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ ''اور بُرا راستہ ہے'' زنا کا راستہ بہت ہی برا راستہ ہے۔ (6) واقعۂ معراج کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''ہم آگے چلے پھر ایک تنور جیسی چیز پر آئے، راوی نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ کہا کرتے تھے کہ اس میں شور کی آواز تھی۔ کہا کہ پھر ہم نے اس میں جھانکا تو اس کے اندر کچھ ننگے مرد اور عورتیں تھیں اور ان کے نیچے آگ کی لپٹ آتی تھی۔ جب آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی تو وہ چلانے لگتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ ننگے مرد اور عورتیں جو آپ ﷺ نے تنور میں دیکھے وہ زنا کار مرد اور عورتیں تھیں۔ (بخاری:7047) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات نہیں کرے گا: ایک بوڑھا بدکار (زنا کرنے والا) دوسرے بال بچے والا مغرور کہ باوجود محتاجی کے اپنے گھمنڈ کی وجہ سے نوکری اور محنت نہ کرے، تیسرے جھوٹا بادشاہ''۔ (نسائی:2576) (8) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص زنا کرتا ہے یا شراب پیتا ہے تو اللہ اس سے ایمان کو اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح انسان اپنے سر سے قمیض اتار لیتا ہے'' (مستدرک حاکم:22/1) (9) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگ ہیں، اللہ جن سے روز قیامت نہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک صاف کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر'' (مسلم:107) (10) ابن ابی رباح یا عطا

بن یسار اللہ عزوجل کے فرمان: ''لھا سبعة ابواب '' ''اس کے سات دروازے ہیں'' کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ان دروازوں میں سے غم، حرارت، کرب و تکلیف اور سب سے بری بو کے لحاظ سے، سب سے برا اور شدید دروازہ وہ ہوگا جو ایسے زانیوں کے لیے ہوگا۔ جنہوں نے اس کی حرمت کا علم ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کیا۔(11) مکحول دمشقی بیان کرتے ہیں: جہنمی انتہائی تعفن والی بدبو محسوس کریں گے تو وہ کہیں گے: ہم نے اس سے زیادہ تعفن والی بدبو پہلے کبھی محسوس نہیں کی تو انہیں بتایا جائے گا کہ یہ زانیوں کی شرم گاہوں کی بدبو ہے۔ (12) ابن زید (عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم) تفسیر کے امام بیان کرتے ہیں: جہنمی، زانیوں کی شرم گاہوں سے اٹھنے والی بدبو سے تکلیف محسوس کریں گے اور دس آیات میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے لکھا: چوری نہ کرنا، نہ زنا کرنا ورنہ میں اپنا چہرہ تجھ سے چھپالوں گا۔ (دیدار الٰہی سے محرومی)۔ جب یہ خطاب اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے تو اس کے علاوہ جو ہے اس کے لیے کیسے ہوگا؟ (13) نبی ﷺ سے مروی ہے: ابلیس اپنے لشکر زمین میں پھیلا دیتا ہے تو انہیں کہتا ہے: تم میں سے جو کسی مسلمان کو گمراہ کرے گا تو میں اس کے سر پر تاج سجاؤں گا۔ پس ان میں سے جو فتنے میں زیادہ ہوتا ہے وہ منزلت کے لحاظ سے اتنا ہی اس کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ایک اس کے پاس آتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے: میں فلاں کے ساتھ لگا رہا حتیٰ کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی۔ تو وہ (شیطان) اسے کہتا ہے: تو نے کچھ بھی نہیں کیا: وہ عنقریب اس کے علاوہ کسی دوسری سے شادی کرلے گا پھر دوسرا آتا ہے، تو کہتا ہے: میں فلاں کے ساتھ لگا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت پیدا کردی۔ وہ جواب میں کہتا ہے: تو نے بھی کچھ نہیں کیا، وہ عنقریب اس سے صلح کرلے گا۔ پھر ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے: میں فلاں شخص کے ساتھ لگا رہا، حتیٰ کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا، تو شیطان کہتا ہے: ہاں تو نے کام کیا پس وہ اسے اپنے قریب کرلیتا ہے اور تاج اس کے سر پر رکھ دیتا ہے۔(14) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان ایک لباس ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے یہ لباس پہنا دیتا ہے، پس جب بندہ زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا لباس ایمان چھین لیتا ہے، اگر وہ شخص توبہ کرلے تو وہ اسے واپس کردیتا ہے۔ (بیہقی) (15) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص شراب نوشی پر مصر رہتے ہوئے وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے نہرِ غوطہ سے پلائے گا، اور وہ ایک نہر ہے جو جہنم میں زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں سے بہتی ہوگی۔'' (مسند احمد) (16) ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں کہ کوئی آدمی ایسی شرم گاہ میں نطفہ ٹپکائے (زنا کرے) جو اس کے لئے حلال نہیں۔'' (احمد) (17) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم میں ایک وادی ہے، اس میں سانپ ہیں، ہر سانپ اونٹ کی گردن سے زیادہ موٹا ہے۔ وہ تارک نماز کو ڈسے گا تو اس کی زہر، اس شخص کے جسم میں ستر سال جوش مارتی (ابلتی) رہے گی۔ پھر اس کا گوشت گل جائے گا۔ اور جہنم میں ایک وادی ہے، اس کا نام ''جب الحزن '' ہے اس میں سانپ اور بچھو ہیں اور ہر بچھو خچر کے برابر ہے۔ اس کے ستر ڈنک ہیں اور ہر ڈنک زہر سے پُر ہے۔ پھر وہ زانی کو ڈنک مارے گا اور اپنا زہر اس کے جسم میں انڈیل دے گا جس کی تکلیف وہ ہزار برس محسوس کرتا رہے گا۔ پھر اس کا گوشت گل جائے گا، اور اس کی شرم گاہ سے پیپ اور لہو بہتا ہوگا۔'' (18) جس شخص نے کسی شادی شدہ

عورت سے زنا کیا تو اس زانیہ اور اس زانی پر قبر میں اس امت کا نصف عذاب ہوگا۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس آدمی (زانی) کی تمام نیکیوں کا فیصلہ اس عورت کے خاوند کے حق میں فرمادے گا بشرطیکہ اسے اس کا علم نہ ہو (کہ اس کی بیوی زانیہ ہے) لیکن اگر اس نے علم ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے دروازے پر لکھ دیا ہے: تو دیوث پر حرام ہے''(19) دیوث اس شخص کو کہتے ہیں، جسے اپنی اہلیہ کے فاحشہ ہونے کا علم ہو اور وہ خاموشی اختیار کرلے اور اسے غیرت نہ آئے۔(20) جس نے کسی ایسی عورت پر اپنا ہاتھ رکھا، جو شہوت کے حوالے سے اس کے لیے حلال نہیں، تو وہ روز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن کی طرف بندھا ہوا ہوگا۔ اگر اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہوگا تو اس کی ران بولے گی اور روز قیامت اس کے خلاف گواہی دے گی اور کہے گی، میں حرام پر سوار ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نگاہ غضب سے اس کی طرف دیکھے گا، اس کے چہرے کا گوشت گر جائے گا اور بڑا ہو جائے گا، اور وہ کہے گا: میں نے نہیں کیا، تو اس کی زبان اس کے خلاف گواہی دے گی، تو وہ کہے گی،: میں نے ایسی گفتگو کی تھی جو حلال نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ کہیں گے میں نے حرام چیز کو پکڑا تھا۔ اس کی آنکھیں کہیں گی: میں نے حرام چیز کو دیکھا تھا۔ اس کے پاؤں کہیں گے: میں ایسی چیز کی طرف چل کر گیا جو حلال نہیں تھی۔ اس کی شرم گاہ کہے گی: میں نے کیا اور محافظ فرشتہ کہے گا: میں نے سنا اور دوسرا کہے گا: میں نے لکھا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دیکھ لیا اور میں نے پردہ پوشی کی، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فرشتو اسے پکڑلو اور میرا عذاب اسے چکھاؤ جو تجھ سے حیا کرنے میں کمی کرتا ہے تو اس پر میرا عذاب سخت ہو جاتا ہے۔(21) ﴿يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾ اس دن جب ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کے اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے جو کام بھی وہ کیا کرتے تھے''۔(النور:24)(22) گناہ کے اعتبار سے سب سے بڑا زنا، ماں، بہن، سوتیلی ماں، اور محارم کے ساتھ زنا کرنا ہے۔ ایک روایت میں ہے، امام حاکم نے جسے صحیح قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی محرم سے زنا کرے تو اس کو قتل کردو۔''(23) براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ماموں کو ایک آدمی کی طرف بھیجا، جس نے اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے شادی کرلی تھی کہ اس کو قتل کردو اور اس سے مال میں سے پانچواں حصہ لے لو۔(کبیرہ:78)

سوال 2: قتل اولاد اور زنا کے درمیان کیا تعلق ہے؟

جواب: قتل اولاد جان کا قتل ہے۔ زِنا بھی دراصل قتل نفس ہے مثلاً (1) اگر زِنا کے نتیجے میں اولاد پیدا ہو جائے تو حمل کو ضائع کروادیا جاتا ہے۔(2) ولد زِنا اگر پیدا ہو جائے تو بھی عموماً قتل کردیا جاتا ہے۔(3) اگر ولد زِنا بچ جائے تو وہ معاشرے میں ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔(4) زِنا پورے معاشرے کے لیے قتل کا سبب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نسب مل جاتا ہے۔(5) زِنا کی وجہ سے خاندانی زندگی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جس معاشرے میں زِنا کا رواج ہو جاتا ہے وہاں خاندانی زندگی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔(6) زِنا کی وجہ سے خاندان اپنی اصل حیثیت میں باقی نہیں رہتے۔ اپنا کردار ادا نہیں کرسکتے۔ بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہوتی، اس میں کمی رہ جاتی ہے۔

سوال3: زنا کو روکنے کے لیے اسلام کیا ضروری اقدامات کرتا ہے؟

جواب: (1) اسلام اس کے لیے کوڑوں کی سزا دیتا ہے۔(2) ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ج وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دین میں نرمی تمہیں دامن گیر نہ ہو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کی سزا کے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ ضرور موجود رہے''۔ (النور:2) (3) اسلام شادی شدہ زانی کو رجم کی سزا دیتا ہے۔(4) اسلام عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجالس پر پابندی عائد کرتا ہے۔(5) اسلام غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنے، اُن سے ملنے اور کلام کرنے پر پابندی عائد کرتا ہے۔(6) اسلام مردوں اور عورتوں کے تنہائی میں ایک جگہ رہنے کی ممانعت کرتا ہے۔(7) اسلام عورتوں کے گھر سے باہر بن سنور کر نکلنے پر پابندی عائد کرتا ہے۔(8) اسلام ایسی چیزوں پر پابندی عائد کرتا ہے جس کے نتیجے میں نکاح میں مشکلات ہو جائیں مثلاً جہیز اور زیادہ مہر۔(9) اسلام عورتوں کو حجاب کا حکم دیتا ہے۔(10) اسلام نوجوان لوگوں کی شادی کی تلقین کرتا ہے۔(11) اسلام شادی کی وجہ سے تنگدست ہو جانے کے خوف کو دُور کرتا ہے۔(12) اسلام زِنا کی سخت سزا مقرر کرتا ہے۔ اسلام میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے ہے لیکن شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کرنے کا حکم ہے۔(13) اسلام ہیجان انگیز اسباب کی ممانعت کرتا ہے۔(14) خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کرتا ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت بھی خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے کہ لوگ اس کی خوشبو پائیں تو وہ عورت زانیہ ہے۔ (نسائی:5126) (15) غیر محرم کے ساتھ ملنے کی ممانعت کرتا ہے۔(i) ارشاد نبوی ﷺ ہے ''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی میں نہ ملے اِلّا یہ کہ اس کا محرم ساتھ ہو نہ ہی عورت محرم کے بغیر سفر کرے۔ (مسلم) (iii) ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے ہر کسی کے اندر اس طرح گردش کر رہا ہے جس طرح خون کرتا ہے۔'' (ترمذی) (16) غیر محرم کو چھونے کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ''غیر محرم عورت کو چھونے سے بہتر ہے کہ وہ مرد اپنے سر میں لوہے کی سیخ چبھو لے'' (طبرانی) (17) ایک دوسرے کا ستر دیکھنے کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''کوئی مرد دوسرے مرد کا، کوئی عورت کسی دوسری عورت کا ستر نہ دیکھے'' (مسلم) (18) اکٹھا سونے کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ یا کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک چادر میں لیٹے، نہ سوئے۔'' (مسلم) (19) غیر محرموں کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت کرتا ہے۔ ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ط وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ

يَـظْهَـرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَـضْـرِبْـنَ بِـاَرْجُـلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُـوْبُـوْٓا اِلَـى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْـمُـؤْمِـنُـوْنَ لَـعَـلَّـكُـمْ تُـفْلِحُوْن ﴾ ''اورآپ مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اوراپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ازخود ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اوراپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں مگراپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے غلاموں کے یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جوشہوت والے نہ ہوں یاان بچوں کے لیے جوعورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں اوروہ اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں کہ ان کی وہ زینت جسے وہ چھپاتی ہیں معلوم ہواوراے مؤمنو!تم سب مل کراللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔''(النور:31)(20)غیر مردوں کو بلاضرورت آواز سنانے کی ممانعت کرتا ہے۔ارشادنبوی ﷺ ہے:''دوران نماز کسی ضرورت کے لئے (مثلاً امام کی بھول وغیرہ)مردسبحان اللہ کہیں لیکن عورتیں تالی بجائیں''(بخاری ومسلم)(21)اسلام گانے بجانے کی ممانعت کرتا ہے''اس امت کے لوگوں پر زمین میں دھنسنے،شکلیں مسخ ہونے اور(آسمان سے)پتھروں کی بارش برسنے کا عذاب آئے گا۔''کسی صحابی نے عرض کیا''یارسول اللہ ﷺ!یہ کب ہوگا؟'آپ ﷺ نے ارشادفرمایا''جب گانے بجانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی،آلات موسیقی عام استعمال ہوں گے اورشرابیں پی جائیں گی۔''(ترمذی)(22)اسلام اخلاق خراب کرنے والے لٹریچر سے روکتا ہے۔﴿ اِنَّ الَّـذِيْـنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ لا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَالـلّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾''بلاشبہ جولوگ پسندکرتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی پھیلے بلاشبہ ان کے لیے دنیا اورآخرت میں دردناک عذاب ہے اوراللہ تعالیٰ جانتا ہےاورتم نہیں جانتے''۔(النور:19)(کتاب النکاح:47۔49)

سوال:جس سوسائٹی میں زِنا عام ہوجا تا ہے وہ بربادی کی طرف کیسے سفرشروع کردیتی ہے؟

جواب:(1)جس معاشرے میں زِناعام ہوتا ہے۔وہ زوال پذیرہوجاتا ہے جیسے امریکہ اوریورپ مادی ترقی کے باوجودزوال کی طرف جا رہے ہیں۔(2)فرانس کے زوال کے آثار واضح ہیں۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (33)﴾

''اورکسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہ کرومگرحق کے ساتھ اورجوکوئی مظلومانہ قتل کیا گیا تویقیناً ہم نے اُس کے ولی کو پورا غلبہ دیا ہے چنانچہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے،یقیناً وہ مدددیا ہوا ہوگا''۔(33)

سوال1: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''اور کسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ﴾ ''اور کسی جان کو قتل نہ کرو'' اللہ رب العزت نے ناحق قتل کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (2) ﴿الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے'' یہ حکم ہر نفس کے لیے ہے جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا﴾ ''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور اس نے لعنت کی ہے اُس پر اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔'' (النساء:93) (3) ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''مگر حق کے ساتھ'' مثلاً مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو قتل کرنا، مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والے مرتد کو قتل کرنا اور باغی کو بغاوت کی حالت میں قتل کرنا جب کہ اس کو قتل کیے بغیر بغاوت پر قابو نہ پایا جاسکتا ہو۔ (تفسیر سعدی:1458/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔'' (الفرقان:68) (5) ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ج كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ز ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ یقیناً جس شخص نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے) قتل کیا یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو زندہ کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا اور بلاشبہ یقیناً اُن کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لائے تھے، پھر بے شک اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں''۔ (المائدہ:32) (6) نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات مہلکات سے بچو'' آپ نے ان میں کسی جان کو، جس کا اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے، ناحق قتل کرنے کا بھی ذکر فرمایا۔ اور ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک مقرر کرے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے'' پھر اس نے کہا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس اندیشے سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔'' (بخاری:4477) (7) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان اپنی تلواریں سونت کر مدمقابل آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے، تو مقتول کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لئے کہ وہ بھی

اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔'' (بخاری:31) (8) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ بن جانا''۔ (بخاری:121) (8) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ اپنے دین کے بارے میں وسعت وکشادگی میں رہتا ہے، جب تک وہ کسی حرام خون (قتل) کا ارتکاب نہ کرلے۔'' (مسند احمد:4/148۔152) (9) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔'' (بخاری:6864) (10) رسول ﷺ نے فرمایا: ''کسی مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں زوال دنیا سے بھی بڑھ کر ہے۔'' (نسائی:83/7) (11) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کبیرہ گناہ ہیں۔'' (بخاری:6675) (12) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی ناحق جان قتل کی جاتی ہے تو اس کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے اور وہ اس کے خون کا ذمہ دار ہے، کیونکہ وہی پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔'' (بخاری:3335) (13) آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی ذمی شخص کو قتل کیا، جسے اللہ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل تھی، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا، لہذا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آئے گی۔ (ترمذی:1403) اگر ذمی کے قتل کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر کسی مسلمان کو کیسے قتل کیا جا سکتا ہے؟ ذمی، یہود و نصاریٰ میں سے وہ شخص ہے جو اسلامی مملکت میں رہنے کا عہد و پیماں کرے۔ تو اس کی جان کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (14) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کے قتل میں، بات کی حد تک بھی معاونت کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس لکھا ہوگا۔'' (ابن ماجہ:2620) (15) بحیثیت انسان کے مرد اور عورت دونوں کی جان کی حرمت مساوی ہے۔ جو شخص مومن (مرد ہو یا عورت) کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے۔'' خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم سب (مردوں اور عورتوں) کے خون اور مال ایک دوسرے پر حرام کر دیئے ہیں۔'' (مسند احمد) (16) عہد نبوی میں ایک یہودی نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے لڑکی کے بدلے میں یہودی کو قتل کروا دیا۔ (بخاری، کتاب الدیات)

سوال2: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴾ ''اور جو کوئی مظلومانہ قتل کیا گیا تو یقیناً ہم نے اُس کے ولی کو پورا غلبہ دیا ہے چنانچہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ﴾ ''اور جو کوئی مظلومانہ قتل کیا گیا'' جس کو ناحق قتل کیا گیا ہو۔ (2) ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾ ''تو یقیناً ہم نے اُس کے ولی کو پورا غلبہ دیا ہے'' یہاں ''ولی'' سے مراد وہ شخص ہے جو مقتول کے ورثاء اور عصبہ میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ یعنی ہم نے مقتول کے ولی کے لئے قاتل سے قصاص لینے کی ظاہری دلیل فراہم کر دی، نیز اسے قدری طور پر بھی قاتل پر اختیار عطا کر دیا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب قصاص کی موجب تمام شرائط یکجا ہوں، مثلاً ارادہ اور تعدی کے ساتھ قتل کرنا اور مقتول

اورقاتل میں برابری وغیرہ۔(تفسیر سعدی:1458/2)(3)رب العزت نے فرمایا﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾''تم پرمقتولوں کابدلہ لینافرض کردیا گیاہے''۔(البقرہ:178)(4)﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ﴾''چنانچہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے''یعنی قتل میں زیادتی نہ کریں۔(الدرالمنثور:327/4)(5)یعنی ولی قاتل کےقتل میں اسراف سے کام نہ لے۔یہاں''اسراف''سے مراد یہ ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کوقتل کرنے میں حد سے تجاوز کرے۔(اس اسراف کی تین صورتیں ہیں۔)(i)ولی قاتل کا مثلہ کرے۔(یعنی اسے ایذا دے دے کر مارے،ناک کاٹے،کان کاٹے،وغیرہ وغیرہ۔)(ii)ولی قاتل کوکسی ایسی چیز کے ذریعے سےقتل کرے جس کے ذریعے سے مقتول کوقتل نہ کیا گیا ہو۔(ii) قاتل کوچھوڑ کر کسی اورکوقتل کردیا جائے۔اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ صرف ولی کوقصاص لینے کاحق ہےاور ولی کی اجازت کے بغیرقصاص نہیں لیاجاسکتا۔اگر ولی قاتل کومعاف کردے تو قصاص ساقط ہوجاتا ہے،نیز اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قاتل اوراس کے مددگاروں کے مقابلے میں مقتول کے ولی کی مدد کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1458/2)(6)﴿إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴾''یقیناًوہ مدد دیاہواہوگا''بے شک مقتول کی مدد کی جائے گی۔(جامع البیان:85/15)

سوال3:قتل نفس کی اجازت کن صورتوں میں ہے؟

جواب:صحیحین میں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:کوئی مسلمان کلمہ شہادت ادا کرتا ہےاور گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودنہیں اورمحمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اُس کاقتل جائزنہیں مگرصرف تین صورتوں میں کہ اُس نے ناحق قتل کیا ہو،وہ شادی شدہ ہواور زِنا کا ارتکاب کرے۔وہ دین کوترک کردےاورمسلمانوں کی جماعت کواُس نے چھوڑ دیا ہو۔

سوال4:مقتول کےورثاءکا کیااختیار ہے؟

جواب:مقتول کےورثاءکا یہ حق ہے چاہیں توبدلہ لےلیں چاہےتو دیت لےلیں چاہےتو معاف کردیں۔

سوال5:مقتول کےورثاءپرکیاپابندی عائدکی گئی ہے؟

جواب:(1)مقتول کےورثاءپر یہ پابندی عائدکی گئی ہے کہ وہ قتل میں اسراف نہ کریں یعنی مقتول کےعلاوہ اوروں کوقتل نہ کریں۔(2)قتل میں اسراف مثلہ کرنا بھی ہےاورقتل کے لیےناجائزآلات استعمال کرنا بھی۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (34) ﴾

''اوریتیم کے مال کےقریب نہ جاؤمگراس طریقے سے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہو،یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کوپہنچ جائے اورعہدکوپورا کرویقیناًعہد کے بارے میں سوال کیاجائےگا''۔(34)

سوال1: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ'' اللہ رب العزت نے یتیم کے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یتیم اور اس کے مال کی حفاظت کریں۔ اس کے مال کے قریب نہ جائیں۔ (2) ﴿اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ''مگر اس طریقے سے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہو'' یتیم اپنے مال کے بارے کم سنی میں کچھ نہیں جانتا۔ نہ وہ تجارتی معاملات کی معرفت رکھتا ہے، نہ کوئی اور انتظام کرسکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یتیم کے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ مال کو تجارت میں لگاؤ اور اسے برباد ہونے سے بچاؤ۔ یتیم کے مال کو برے ارادے سے فضول خرچ نہ کرو۔ اس مال میں اضافے کی خواہش رکھو۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اگر تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ضرور مشقت میں ڈال دیتا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے''۔ (البقرہ:220) (4) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کے ساتھ کھانے پر یتیم بیٹھ جائے شیطان ان کے کھانے کے نزدیک نہیں آتا۔ (طبرانی) (5) سیدنا (عبداللہ) بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ گھر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے جس میں یتیم باعزت (زندگی گزار رہا) ہو۔ (معجم کبیر طبرانی:388/12) (6) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے'' اور آپ ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔ (بخاری:6005) (7) ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ ''یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے'' جب یتیم عاقل و بالغ ہو جائے تو وہ خود اپنے معاملات کا سرپرست بن جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ط وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ ''اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اُن کا مال فضول خرچی سے جلدی کرتے ہوئے نہ کھا جاؤ، اور جو مال دار ہے تو لازم ہے کہ وہ بچے اور جو محتاج ہے تو لازم ہے کہ وہ معروف طریقے سے کھائے۔ چنانچہ جب تم اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ بناؤ، اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔ (النساء:6) عاقل و بالغ سے سرپرستی زائل ہو جاتی ہے۔ (9) نسفی رحمہ اللہ نے کہا: جب وہ اٹھارہ برس کو پہنچ جائے۔ (الاساس:3062/6)

سوال2: یتیم کے مال کے قریب جانے کے لیے احسن کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟

جواب: یتیم کمزور ہوتا ہے اپنے مال کی نہ حفاظت کرسکتا ہے نہ مدافعت اس وجہ سے اسلام یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ مال یتیم کے قریب احسن طریقے سے جائیں۔

سوال3: مال کے قریب احسن طریقے سے جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) وہ طریقہ احسن ہے جس میں یتیم کی خیرخواہی مطلوب ہو۔ (2) وہ طریقہ احسن ہے جس میں یتیم کے مال کی ترقی مطلوب ہو۔

سوال4: مال یتیم کی حفاظت اور تدبیر کب تک جاری رہے گی؟

جواب: مال یتیم کی حفاظت اور تدبیر اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ سن رشد کو نہیں پہنچ جاتا۔

سوال5: سن رشد سے کیا مراد ہے؟

جواب: سن رشد سے مراد وہ عمر ہے جس میں انسان اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

سوال6: ﴿وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا‏ ﴾ ''اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' عہد عام لفظ ہے جو انسان اور رب کے درمیان یا اس کے اور مخلوق کے درمیان ہوتا ہے۔ (البحرالوجیز:455/3) (2) یعنی لوگوں سے جو عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کرو۔ (3) اجتماعی ذمہ داریوں کوادا کرنے کے لیے عام طور پر عہد لیا اور دیا جاتا ہے اسی وجہ سے یہاں ایفائے عہد کا حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم (4) ﴿ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴾ ''یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' اللہ تعالیٰ عہد توڑنے والے سے اس کی بدعہدی کے بارے میں سوال کریں گے۔ (الدرالمنثور:328/4) (5) عہد کو پورا کرنے کا بہت بڑا ثواب اور بدعہدی کا بہت بڑا گناہ ہے۔

سوال7: عہد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسا معاملہ ہے؟

جواب: (1) عہد کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل باز پرس ہے۔ (2) جب دو لوگ عہد کرتے ہیں تو یہ محض اُن کے درمیان کا معاملہ نہیں ہوتا اس میں اللہ تعالیٰ بھی تیسرے فریق کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔

سوال8: عہد کی کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب: (1) عہد سے یوم الست کا میثاق بھی مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے۔ (2) عہد سے مراد انسانوں کے آپس کے معاہدے بھی ہیں۔ (3) اس سے مراد ہے اجتماعی معاہدے بھی ہیں جو کسی جماعت یا معاشرے یا رعایا یا حکومت کی طرف سے ہوسکتے ہیں۔ (4) عہد سے مراد بین الاقوامی معاہدے بھی ہیں۔

سوال9: اسلام نے عہد کی پابندی کی اتنی شدید تاکید کیوں کی ہے؟

جواب: وفائے عہد اصل معیار ہے جس سے کسی فرد یا جماعت کے ٹھوس کردار اور ثابت قدمی کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کون اپنے خمیر کے اعتبار سے پاکیزہ ہے۔

سوال10: جو انسان عہد کی پابندی نہ کرے وہ کیسا انسان ہے؟

جواب: عہد کی پابندی نہ کرنے والا بے قدر و قیمت انسان ہے نہ بندوں کے نزدیک بدعہد کی کوئی قدر ہوتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

سوال11: انسان بدعہدی سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب: عہد توڑنے سے انسان تب بچ سکتا ہے جب وہ دوسرے فریق کو کمزور انسان کی حیثیت سے نہ دیکھے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے جس کی پکڑ سے بچنا کسی صورت ممکن نہیں۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (35)﴾

''اور جب ماپ کرو تو پورا پورا ماپ کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے''۔(35)

سوال1: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ ''اور جب ماپ کرو تو پورا پورا ماپ کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ﴾ ''اور جب ماپ کرو تو پورا پورا ماپ کرو'' یعنی پیمانے پورے بھر کر دو، کم نہ دو۔ (2)﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ ''اور سیدھی ترازو سے تولا کرو'' قتادہ نے فرمایا: عدل کرو۔ (الدرالمنثور:4/329) (3) قسطاس یعنی ترازو اور اردو زبان میں بمعنی عدل ہے۔ قسطاس مستقیم وہ ترازو ہے جس میں پاسنگ بھی نہ ہو اسی سے پورا پورا تول کر دو۔ دنیا میں بھی اس میں بہتری ہے کہ تمہارا کاروبار چمک اٹھے گا اور آخرت میں بھی اس کی وجہ سے تم کو جہنم سے نجات ملے گی۔ اس کا ثواب بہت ہے اور انجام بھی خوش کن ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیوپاریو! تمہیں دو چیزیں مل گئی ہیں جس کی وجہ سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں یعنی ناپ اور تول۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص باوجود قدرت کے صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے حرام چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی دنیا میں آخرت سے پہلے یقیناً اس سے بہتر چیز عطا فرماتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1/1045) (4) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عدل اور ناپ تول کو بغیر کسی کمی کے انصاف کے ساتھ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کے عمومی معنی سے دھوکہ دہی، اندازے سے قیمت لگانے، کسی چیز کی قیمت طے ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص کی طرف سے قیمت لگانے کی ممانعت اور معاملات میں خیرخواہی اور صداقت مستنبط ہوتی ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1459) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (1) الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ (2) وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ

(۳)﴿''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ وہ لوگ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اُنہیں کم دیتے ہیں''۔(المطففین:1-3)(6)زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو ان سے پورا پورا لیتے ہیں، اسی طرح جب وزن کر کے لیتے ہیں۔ اگرچہ، جب وزن کر کے لیتے ہیں کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ناپ اور وزن انہی دو کے ذریعے خرید وفروخت ہوتی ہے، ناپا جاتا ہے اور وزن کیا جاتا ہے۔ پس ان میں سے ایک دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔(7)سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں ابوجہینہ نامی ایک شخص تھا۔ اس کے پاس دو پیمانے تھے۔ ایک لینے کے لئے اور دوسرا دینے کے لئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:(8)ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''پانچ، پانچ کے بدلے ہیں۔''صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ کے رسول وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں فقر ومحتاجی عام کر دیتا ہے۔ جب ان میں محتاجی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں طاعون (یعنی کثرت موت) نازل کر دیتا ہے۔ جب وہ ناپ میں کمی کرتے ہیں تو نباتات اور کھیتیاں نہیں اگتیں اور وہاں قحط سالی آجاتی ہے اور جب وہ زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہاں بارش نہیں ہوتی۔''
﴿آلَا یَظُنُّ اُوْلٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴾''کیا یہ لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ انہیں (قبروں سے) اٹھایا جائے گا''(المطففین:4)
(9)زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ان کو یقین ہوتا کہ وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو پھر وہ ناپ تول میں کمی نہ کرتے۔ مالک بن دینار سے روایت ہے انہوں نے کہا: میرا پڑوسی میرے پاس آیا جب کہ اس کی موت قریب آچکی تھی اور وہ کہہ رہا تھا، آگ کے دو پہاڑ آگ کے دو پہاڑ۔ وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: ابو یحییٰ میرے پاس دو پیمانے تھے میں ایک سے لیتا تھا اور دوسرے سے دیا کرتا تھا۔ مالک بن دینار نے کہا: میں کھڑا ہو کر ایک پیمانے کو دوسرے پر مارنے لگا، تو اس نے کہا: ابو یحییٰ! جب ایک کو دوسرے پر مارا جاتا ہے تو معاملے کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے پس وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا۔ کسی نے کہا: میں ایک مریض کے پاس گیا جس پر موت کا عالم طاری تھا میں اسے کلمہ شہادت کی تلقین کرنے لگا، لیکن اس کی زبان نہیں چل رہی تھی۔ جب اسے افاقہ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا: میرے بھائی! کیا ماجرا ہے کہ میں تمہیں کلمہ شہادت کی تلقین کر رہا تھا، جبکہ تمہاری زبان اسے ادا نہیں کرتی تھی؟ اس نے کہا: میرے بھائی! ترازو کا کانٹا میری زبان پر ہے جو مجھے اسے پڑھنے نہیں دیتا۔ میں نے اسے کہا: اللہ کی قسم! کیا تم وزن کم دیتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! لیکن میں نے کچھ مدت تک اپنے ترازو کی کارکردگی کے درست ہونے کو چیک نہیں کیا تھا۔ پس یہ اس شخص کا حال ہے جسے اپنے ترازو کی کارکردگی کے درست ہونے کا اعتبار اور یقین نہیں، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو وزن میں کمی کرتا ہے؟ نافع بیان کرتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ بائع کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اللہ تعالیٰ سے ڈرو ناپ تول پورا کرو، کیونکہ کم دینے والوں کو کھڑا کیا جائے گا حتیٰ کہ پسینہ ان کے نصف کانوں تک پہنچا ہوگا، اسی طرح تاجر جب بیچتا ہے تو گز کھینچ کر رکھتا ہے، اور جب خریدتا ہے تو اسے ڈھیلا رکھتا ہے۔(کبیرہ گناہ۔351،353)

(10)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ والے ماپ میں سب سے برے تھے۔(یعنی کم تولتے تھے اور کم ماپتے تھے)جیسے دغاباز بنئے اس زمانے میں کرتے تھے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت اتاری ''خرابی ہے کم ماپنے والوں کے لئے'' اخیر تک۔اس کے بعد اچھا ماپنے لگے۔(سنن ابن ماجہ.2223)(11)ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک کچھ لوگ صبح کے وقت خرید وفروخت کرتے نظر آئے،آپ نے ان کو پکارا:اے تاجروں کی جماعت!جب ان لوگوں نے اپنی نگاہیں اونچی اور گردنیں لمبی کرلیں تو آپ نے فرمایا:تاجر قیامت کے دن اس حال میں اٹھائیں جائیں گے کہ وہ فاسق وفاجر ہوں گے،سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں،اور نیکوکار اور سچے ہوں۔(سنن ابن ماجہ:2146)(12)﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾''یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔''﴿ذلک خیر﴾اس کے نہ ہونے سے(بہتر ہے)،﴿واحسن تاویلا﴾یعنی یہ عدل انجام کے اعتبار سے بہتر ہے،بندہ تاوان اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور عدل وانصاف اور ناپ تول پورا کرنے سے برکت نازل ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:1459/2)(13)(i) جو شخص عقیدے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ناپ تول پورا کرتا ہے اس کی ذہنی سطح بلند ہوتی ہے۔(ii)ایسے شخص کا دل پاک ہوتا ہے اور دیانت داری سے اور پاک ہوجاتا ہے۔(iii)ایسے شخص کو زیادہ سکون نصیب ہوتا ہے۔(14)ایسے شخص کو مادی فوائد تو حاصل ہوتے ہیں روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جب کہ محض تجارتی مقاصد کی خاطر دیانت داری سے کام لینے والے کو دُنیا کے مادی فوائد یعنی کاروباری فوائد تو حاصل ہوتے ہیں روحانی فوائد نصیب نہیں ہوتے۔اسلام انسانوں کے مادی اور روحانی فوائد کے لیے راہ نمائی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی سچا دین ہے جو انسانوں کے لیے نفع مند ہے۔

سوال2:ناپ تول پورا کرنے کے فوائد کیا ہیں؟

جواب:(1)ناپ تول پورا کرنے کا سب سے بڑا فائدہ دل کی پاکیزگی ہے۔(2)ناپ تول پورا کرنے سے اجر وثواب ملتا ہے۔(3)ناپ تول پورا کرنے سے لوگوں کے اندر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔(4)ناپ تول پورا کرنے سے معاشرے کی نشوونما صحت مند بنیادوں پر ہوتی ہے۔ (5)ناپ تول پورا کرنے سے کاروبار کو ترقی ملتی ہے۔(6)ناپ تول پورا کرنے سے برکت ملتی ہے۔

سوال3:ناپ تول میں کمی کرنا کس بات کی علامت ہے؟

جواب:(1)ناپ تول میں کمی کرنا کردار کی پستی کی دلیل ہے۔(2)ناپ تول میں کمی نفسیاتی گراوٹ ہے۔(3)ناپ تول میں کمی دھوکہ اور خیانت ہے۔

سوال4:ناپ تول میں کمی کے نقصانات بیان کریں؟

جواب:(1)ناپ تول میں کمی کرنے سے انسان کا اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔(2)ناپ تول کی کمی کرنے سے مارکیٹ میں کاروباری اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔(3)ناپ تول کی کمی کرنے سے کساد بازاری پیدا ہوتی ہے۔(4)ناپ تول میں کمی کرنے سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔(5)ناپ

تول کی کمی کا نقصان پورے معاشرے کو ہوتا ہے۔

سوال5: جو شخص تجارتی مقاصد کے لیے ناپ تول کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ڈر کی وجہ سے دیانت داری سے کام لیتا ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: (1) جو شخص عقیدے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ناپ تول پورا کرتا ہے اس کی ذہنی سطح بلند ہوتی ہے۔(2) ایسے شخص کا دل پاک ہوتا ہے اور دیانت داری سے اور پاک ہو جاتا ہے۔(3) ایسے شخص کو زیادہ سکون نصیب ہوتا ہے۔(4) ایسے شخص کو مادی فوائد تو حاصل ہوتے ہیں روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جب کہ محض تجارتی مقاصد کی خاطر دیانت داری سے کام لینے والے کو دُنیا کے مادی فوائد یعنی کاروباری فوائد تو حاصل ہوتے ہیں روحانی فوائد نصیب نہیں ہوتے۔اسلام انسانوں کے مادی اور روحانی فوائد کے لیے راہ نمائی کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی سچا دین ہے جو انسانوں کے لیے نفع مند ہے۔

سوال6: ناپ تول پورا کرنے کی اتنی تاکید کیوں کی گئی؟

جواب: (1) ناپ تول پر دُنیا کے کاروبار کی بنیاد ہے۔(2) ناپ اور تول پورا کرنا معاملات میں دیانت اور امانت کا حصہ ہے۔

﴿وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (36)﴾

''اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں یقیناً کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال ہوگا''۔(36)

سوال1: ﴿وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں'' (1) اس سے مراد تجسس کرنا، بدگمانی کرنا، کسی کو ٹوہ میں لگنا ہے۔(2) اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی بات میں نہ پڑو جس کا تمہیں یقینی علم نہ ہو۔جب تک اس کی صحت کے بارے میں پختہ یقین نہ ہو چاہے وہ کوئی بات ہو، روایت ہو، کسی واقعے کا بیان ہو، کوئی شرعی یا قانونی مسئلہ ہو۔(3) یعنی اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ تم جو کچھ کہتے ہو یا کرتے ہو، اس کے بارے میں پوری تحقیق کر لیا کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا قول و فعل یوں ہی ختم ہو جائے گا، تمہیں اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوگا۔پس جو بندہ یہ جانتا ہے کہ اس سے اس قول و فعل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس بارے میں اسے جواب دہی کرنی ہوگی کہ اس نے اپنے ان اعضاء کو کہاں کہاں استعمال کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔اس پر لازم ہے کہ وہ اس سوال کا جواب تیار کر لے۔ان امور کا جواب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس نے ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں استعمال نہ کیا ہو، دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ کیا ہو اور ان باتوں سے باز نہ رہا ہو جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1460)(4) رب العزت نے

بغیر علم کے محض گمان سے بات کرنے سے روکا ہے یعنی جو بات تم نہیں جانتے اسے زبان پر نہ لاؤ، نہ اس کا قصد کرو، نہ جھوٹی گواہی دو، بے دیکھے، بے سنے اور بے جانے نہ کہہ دیا کرو کہ میں نے دیکھا، سنا اور جانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کے متعلق باز پرس کرے گا۔(مختصر ابن کثیر:1046/1) ﴿اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ ''بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''۔(الحجرات:12)(5) ﴿اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ﴾ ''بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں''(بخاری:8) رب العزت نے مشرکوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ج وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ ''یہ (بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم و گمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُن کے رب کی جناب سے اُن کے پاس ہدایت آچکی ہے''۔(النجم:23)

سوال2: جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑنے سے کیوں روکا ہے؟

جواب: (1) علم انسان کو اپنے حواس سے ہوتا ہے اور انسان کے تمام حواس، عقل اور اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اس امانت کے بارے میں اُس نے سوال کرنا ہے جس نے یہ قوتیں عطا کی ہیں۔ (2) اسلام انسان کے دل کی درستگی چاہتا ہے تا کہ انسان کا عمل بھی پاک ہو اور بے فائدہ چیزوں میں پڑ کر انسان کی زندگی درست نہیں رہ سکتی اس وجہ سے جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑنے سے روکا ہے۔ (3) بے فائدہ چیزوں کے پیچھے پڑنے سے رُکنا بہترین عمل اور اچھا طریقہ کار ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن سے روکا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے کسی چیز کے پیچھے پڑنے سے کیسے روکا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے آخرت کی جواب دہی کے احساس سے انسان کو ایسی چیزوں کے پیچھے پڑنے سے روک دیا ہے جس کا علم نہ ہو اور اُس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے جس کا علم نہ ہو۔ (2) اللہ تعالیٰ نے آخرت کی جواب دہی کا شعور دلایا ہے۔ جو انسان جواب دہی کا یہ شعور رکھتا ہے وہ بغیر تحقیق کے بات نہیں کرتا۔ وہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے وہی کام لیتا ہے جس کے لیے وہ بنائے گئے ہیں۔ وہ زبان سے وہی بات کرتا ہے جو عمل میں لائے یا جس کی تحقیق ہو چکی ہو۔

سوال3: ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ '' یقیناً کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یقیناً کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال ہوگا'' (1) علم انسان کو اپنے حواس سے ہوتا ہے اور انسان کے تمام حواس عقل اور اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اس امانت کے بارے میں اُس نے سوال کرنا ہے جس نے یہ قوتیں عطا کی

ہیں۔(2)اسلام انسان کے دل کی درستگی چاہتا ہے تا کہ انسان کا عمل بھی پاک ہواور بے فائدہ چیزوں میں پڑ کرانسان کی زندگی درست نہیں رہ سکتی اس وجہ سے جس چیز کا علم نہ ہواس کے پیچھے پڑنے سے روکا ہے۔(3)بے فائدہ چیزوں کے پیچھے پڑنے سے رُکنا بہترین عمل اوراچھا طریقہ کار ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن سے روکا ہے۔(4)اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کے بارے میں سوال کرنا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾''اس دن جب ان کی زبانیں اوران کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے جو کام بھی وہ کیا کرتے تھے''۔(النور:24)(5)﴿وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اورتم سے ضرور اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے''۔(النحل:93)(6)﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (٩٢) عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٩٣)﴾''سوقسم ہے آپ کے رب کی!یقیناً ہم ضروران سب سے پوچھیں گے(93)اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے۔(الحجر:93,92)(7)﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٦٥)﴾''آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اوراُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اوراُن کے پاؤں گواہی دیں گے جو بھی وہ کمایا کرتے تھے۔''(یسین:65) (8)﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾''یہاں تک کہ جونہی وہ آجائیں گے تو اُن کے کان اوراُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی اُس کی جو وہ عمل کیا کرتے تھے''۔(حم السجدہ:20)(9)آنکھ اورکان کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ ہمیں بیشتر معلومات انہیں ذرائع سے حاصل ہوتی ہیں اوردل کا کام ان میں غوروفکر کر کے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا ہے۔گویا ایسے بدظنی رکھنے والوں، بے بنیاد افواہیں پھیلانے والوں اور تحقیق کیے بغیر ہی کسی بات کو قبول کر لینے والوں کے اعضاء سے بھی باز پرس ہوگی۔(تیسیر القرآن :583/2)

سوال4:ہر معاملے میں پوری تحقیق کرنے کے فوائد کو آج سائنس دانوں نے بھی پالیا ہے۔اسلامی طریقے اور سائنسی طریقے میں کیا فرق ہے؟

جواب:(1)سائنسی طریقہ خشک ہے جب کہ اسلامی طریقہ کار میں دل کی درستگی اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت ہے۔انسان کو پوری حکمت سمجھا دی گئی ہے۔اس اعتبار سے اسلامی طریقہ کار حکیمانہ ہے۔(2)سائنسی طریقہ کار کے مقابلے میں اسلامی طریقہ کار بامعنی اور مقدس ہے۔(3)انسان کو اسلامی طریقہ کار سے وہ فوائد تو نصیب ہوتے ہی ہیں۔:جو سائنسی طریقہ کار سے نصیب ہوتے ہیں لیکن اس طرح اُس کے دل کی دنیا کی اصلاح ہوتی ہے۔اسے سکون اوراطمینان نصیب ہوتا ہے۔وہ قلبی اور عملی اعتبار سے پاکیزہ انسان بن جاتا ہے۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (37)﴾

''اورزمین میں اکڑ کر نہ چلو،یقیناً تم زمین کو کبھی نہیں پھاڑ سکو گے اور نہ کبھی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ پاؤ گے۔''(37)

سوال1: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو'' ابن جریج نے کہا: فخر نہ کرو۔ (جامع البیان:84/15) (2) اللہ تعالیٰ غرور کی چال سے منع فرما رہا ہے کیونکہ یہ چال مغروروں کی ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1046/1) (3) جو شخص تواضع کرے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تو اللہ تعالیٰ اسے اُٹھائے گا۔ وہ اپنے خیال میں حقیر ہو گا لیکن لوگوں کی نظروں میں بڑا ہو گا۔ جو تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے گرا دیتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں بڑا ہو گا مگر لوگوں کے نزدیک حقیر ہو گا۔ یہاں تک کہ لوگ اس قدر نفرت کرتے ہیں جس طرح کتے اور خنزیر سے۔ (الاساس:3073/6) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی چلتے ہوئے جا رہا تھا، اُسے اپنے سر کے بالوں اور دونوں چادروں سے اتراہٹ پیدا ہوئی تو اس آدمی کو فوراً زمین میں دھنسا دیا گیا اور قیامت قائم ہونے تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری:5465) (5) ابن ابی الدنیا کی حدیث میں ہے کہ جب میری امت غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے اور فارسیوں اور رومیوں کو اپنی خدمت میں لگائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک کو ایک پر مسلط کر دے گا۔ (ابن کثیر:211/3)

سوال2: انسان کب اکڑ کر چلتا ہے؟

جواب: (1) انسان کے پاس جب کوئی خوبی ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ تکبر میں مبتلا ہوتا ہے تو یہی بڑائی کا احساس چال میں بھی اُتر آتا ہے۔ (2) انسان کے دل اور دماغ سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا شعور نکلتا ہے تو انسان ذات کی بڑائی کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر انسان اکڑتا ہے۔

سوال3: ﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ﴾ ''یقیناً تم زمین کو کبھی نہیں پھاڑ سکو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً تم زمین کو کبھی نہیں پھاڑ سکو گے'' یعنی تم اپنے تکبر اور فخر سے زمین کو نہیں پھاڑ سکتے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے انسان کے فخر اور تکبر کا علاج کیسے کیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑائی کے احساس میں مبتلا انسان کے سامنے اس کی کمزوریاں رکھی ہیں کہ تم ایسی زمین پر ہو جس کو پھاڑ نہیں سکتے۔ جہاں کے پہاڑ تمہاری بلندی کی نفی کرتے ہیں۔ جہاں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار کر رہی ہے لہٰذا اکڑو مت۔ (2) اللہ تعالیٰ انسان کو یہ شعور دلاتے ہیں جو تمہارے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ تمہاری قوت کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں لہٰذا اکڑو مت۔

سوال5: ﴿وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ ''اور نہ کبھی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ پاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) تم اپنے تکبر اور فخر سے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتے۔ (جامع البیان:89/15) (2) اللہ تعالیٰ کو اکڑنا پسند نہیں۔ اس کے مقابلے میں تواضع پسند ہے۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''اور رحمٰن

کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے بات کریں تو کہہ دیتے ہیں سلام ہو''۔(الفرقان:63)
(3)﴿وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴾''اوراپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، بے شک سب سے بُری یقیناً گدھوں کی آواز ہے''۔(لقمان:19)

سوال6:اللہ تعالیٰ کو اکڑ ناپسند نہیں اس کے مقابلے میں کیسا رویہ پسند ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کو تواضع پسند ہے۔﴿وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ھَوۡنًا ﴾''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں''(الفرقان:62)

سوال7:اگر کفار کے سامنے جنگی مظاہرہ ہو تو کیا اس میں کوئی استثناء ہے؟

جواب:اس کلیہ میں بھی ایک استثناء کا مقام ہے اگر کفار کے سامنے مظاہرہ مقصود ہو تو اس وقت اکڑ کر چلنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔جنگ احد میں سب صحابہ کے مقابلہ میں آپ نے اپنی تلوار ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی وہ کافروں کے سامنے اکڑ اکڑ کر چلنے لگے۔یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کو یہ چال پسند نہیں مگر اس وقت پسند ہے۔عمرۂ قضاء کے موقعہ پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو رمل کا حکم دیا۔اس سے بھی یہی مقصود تھا۔فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ نے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کافروں کے سامنے ایسا ہی پر شکوہ مظاہرہ فرمایا۔(تیسیر القرآن 584/2:)

﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنۡدَ رَبِّكَ مَكۡرُوۡهًا﴿38﴾﴾

''یہ سب کام، ان کی بُرائی آپ کے رب کے نزدیک ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔''(38)

سوال1:﴿کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡھًا﴾''یہ سب کام، ان کی بُرائی آپ کے رب کے نزدیک ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿کُلُّ ذٰلِکَ﴾یعنی یہ سارے کام جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ **ولا تجعل مع الله الها** آخر سے لے کر یہاں تک۔
(2)﴿کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡھًا﴾''ان کی بُرائی آپ کے رب کے نزدیک ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن کاموں سے روکا ہے وہ بہت ہی برے کام ہیں۔ان سب کی باز پرس کی جائے گی۔(3)یعنی ان میں سے ہر برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ یہ برائی برا سلوک کرے گی اور ان کو نقصان پہنچائے گی اور اللہ تعالیٰ اس برائی کو ناپسند کرتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1461/2)

سوال2:اسلام مکروہ امور سے کیوں روکتا ہے؟

جواب:(1) اسلام جن اُمور سے روکتا ہے اس کی وجہ بُرا پہلو ہے۔ اُن کاموں میں اچھے پہلو بھی ہو سکتے ہیں مگر بُرائی کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے اسلام اُن کاموں سے روکتا ہے۔(2) اسلام جن کاموں سے روکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اس لیے اُن سے روکتا ہے۔

﴿ ذٰلِکَ مِمَّآ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ وَ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا (39) ﴾

''یہ اس میں سے حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کو وحی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ تجھے ملامت زدہ، دھتکارا ہوا جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔(39)

سوال1: ﴿ذٰلِکَ مِمَّآ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ﴾ ''یہ اس میں سے حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کو وحی کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''یہ اس میں سے حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کو وحی کی ہے'' یعنی یہ تمام حکمت کی باتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجی ہیں۔(2) حکمت کا مطلب ہے ٹھوس حقیقت، دانائی کی بات (i) اللہ تعالیٰ نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ زندگی کے پختہ حقائق ہیں ان کی بنیاد پر انسانی زندگی درست ہوتی ہے۔(ii) اللہ تعالیٰ نے جو باتیں بیان کی ہیں اگر معاشرہ اُن سے خالی ہو تو دنیا میں ہلاکت کے سوا اور کوئی چیز نہیں رہ جاتی۔(3) حکمت محاسن اعمال، مکارم اخلاق کے حکم اور اخلاق رذیلہ اور اعمال قبیحہ سے ممانعت کا نام ہے اور یہ اعمال جو ان آیات کریمہ میں مذکور ہیں، حکمت عالیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کو رب کائنات نے، افضل ترین کتاب، قرآن کریم میں سید المرسلین ﷺ کی طرف وحی کیا تاکہ آپ بہترین امت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیں اور جسے یہ حکمت عطا کر دی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر آیت کریمہ کو غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت پر ختم کیا جیسا کہ غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت سے اس کی ابتدا کی تھی۔(تفسیر سعدی:2/1461)

سوال2: ﴿وَ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ'' اللہ تعالیٰ نے جیسے غیر اللہ کی عبادت سے روکنے سے ابتدا کی تھی ویسے ہی اختتام پر بھی غیر اللہ کی عبادت سے روکا ہے۔(2) ﴿فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ﴾ ''ورنہ تجھے جہنم میں ڈال دیا جائے گا'' یعنی تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہو گے کیونکہ مشرک پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو حرام کر دیا ہے۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔(3) ﴿مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا﴾ ''ملامت زدہ، دھتکارا ہوا'' یعنی تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف

سے لعنت ہوگی اور تم ہر طرح کی بھلائی سے محروم رہو گے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے نصیحتوں کا آغاز بھی توحید سے کیا اختتام بھی توحید سے، حکمت واضح کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی توحید ہی دین کی بنیاد ہے یہی تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ سے درست تعلق زندگی کی درستگی کا راز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق درست نہ ہو تو کوئی چیز زندگی کے نظام کو درست نہیں کر سکتی۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا انجام کیا ہے؟

جواب: جہنم میں ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم کر کے ڈال دیا۔

﴿اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا(40)﴾

''کیا پھر تمہارے ربّ نے تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں؟ بلاشبہ تم یقیناً بہت بڑی بات کہتے ہو۔'' (40)

سوال1: ﴿اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴾ ''کیا پھر تمہارے ربّ نے تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں بلاشبہ تم یقیناً بہت بڑی بات کہتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ﴾ ''کیا پھر تمہارے ربّ نے تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں'' رب العزت نے مشرکوں کی تردید کی ہے جن کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (2) (i) سوالیہ انداز اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب یہ بتانا مقصود ہو کہ آپ کی بات بہت بُری ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھی سوال کیا ہے کہ تم بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہو اس کے باوجود فرشتوں کو بیٹیاں قرار دیتے ہو۔ (iii) یہ سوال اس لیے بھی کیا گیا کہ جو لڑکے اور لڑکیاں دیتا ہے کیسے ممکن ہے کہ وہ دوسروں کو لڑکے دے اور اپنے لیے لڑکیاں رکھے؟ (3) ﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴾ ''بلاشبہ تم یقیناً بہت بڑی بات کہتے ہو'' تمہاری یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہو۔ (4) تمہارے اس قول میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں تمہاری سوچ کا نقص ظاہر ہے کیونکہ اولاد اس کی ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اس کی کچھ مخلوق اس سے بے نیاز ہو۔ (5) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (۸۸) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱) وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۹۳) لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا (۹۴) وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ ''اور

اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے''۔(مریم:88-95)(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا نہیں کروں گا حالانکہ میرے لیے دوبارہ پیدا کرنا اس کے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں ایک ہوں۔ بے نیاز ہوں نہ میرے لیے کوئی اولاد ہے۔ اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔(بخاری:4974)(7) اللہ تعالیٰ کی اولاد بنانے والوں نے اس کے بارے میں ایسی اولاد کا فیصلہ کیا ہے کہ اگر تمہارے پیدا ہو جائیں تو تم ایسے زمین میں دفن کر دیتے ہو۔(8) حق یہ ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں اولاد دی۔ وہ بہت بلند ہے اس سے جو لوگ اس کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ پاک ہے وہ جو نہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ جو کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے، اس جیسا کوئی نہیں۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے شرک کو جھوٹی بات قرار دیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ یہ ایک مکمل حقیقت ہے۔ اس کے بارے میں جو بھی خلاف واقعہ بات کہی جائے گی وہ بے جوڑ ہوگی۔ اس لیے کہ شرک خلاف واقعہ ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے جھوٹی بات قرار دیا۔

رکوع نمبر:5

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (41)﴾

''اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور انہیں وہ نفرت کے سوا زیادہ نہیں کرتا''۔(41)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا﴾ ''اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا﴾ ''اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں'' رب العزت نے اس قرآن میں اپنے بندوں کو بشارتیں دے کر، ڈراوے بیان کر کے، مختلف احکام واضح کیے ہیں اور طرح طرح کے دلائل دیے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت حق ہے۔(2) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نصیحت کی ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے لیے

لائحہ عمل بنائیں۔ وہ ان چیزوں کو اپنائیں جو انھیں نفع دیتی ہیں اور ان کو چھوڑ دیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔

سوال2: ﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ ''اورانہیں وہ نفرت کے سوازیادہ نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

(1) اللہ تعالیٰ کی وعظ ونصیحت اور دلائل دینے کے باوجود اکثر لوگ حق سے بغض اور باطل سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس قرآن سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ سنتے ہیں اور نہ اپنے لیے ضروری خیال کرتے ہیں، نہ ان کی پرواہ کرتے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ کی جانب سے کی گئی نصیحتیں لوگوں کی نفرت میں اضافہ کرتی ہیں اور وہ حق سے دور ہو جاتے ہیں۔(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (٨٢)﴾ ''اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔(بنی اسرائیل:82)(3) قرآن سے نفرت میں اضافے کا سبب یہ تھا کہ انکار کرنے والوں کو ڈر تھا کہ اگر اُنہوں نے قرآن کو سُن لیا تو وہ اپنے غلط عقیدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ شرکیہ عقائد کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ اُن کی نفرت میں اضافہ اس لیے ہوتا تھا کہ انہیں لگتا تھا قرآن کے مقابلے میں اُن کے عقائد ٹھہر نہیں سکیں گے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مختلف طریقوں سے کیا حقیقت بیان کی؟

جواب: قرآن حکیم نے عقیدہ توحید کو مختلف طرح سے بیان کیا ہے اس کے لیے بے شمار دلائل دیئے ہیں۔

سوال4: قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کس کس طریقے سے توحید کو بیان کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دلائل سے، مثالوں سے، ترغیب وترہیب سے، وعظ ونصیحت سے توحید کو سمجھانے کی کوشش کی تا کہ شرک میں مبتلا لوگوں کو حقیقت سمجھ آ جائے۔

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا (42) ﴾

''آپ کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب وہ عرش والے کی طرف ضرور کوئی راستہ تلاش کرتے۔''(42)

سوال: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴾ ''آپ کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب وہ عرش والے کی طرف ضرور کوئی راستہ تلاش کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) قرآن حکیم میں سب سے زیادہ جس موضوع پر دلائل دیے گئے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کا حکم دیا اور شرک سے روکا ہے۔(2) ان دلائل میں سے ایک دلیل یہاں بیان فرمائی ہے۔(3) ﴿قُلْ﴾ ''آپ

کہہ دیں'' یعنی اے نبی ﷺ آپ مشرکوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کوئی اور اس کا شریک ہے۔جن شریکوں کی وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں۔(4)﴿ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾''اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں'' یعنی اگر وہ یہ سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی معبود ہیں جو ہمیں اس کے قریب کر دیں گے اور ہماری سفارش کریں گے۔(5)﴿اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴾ ''تب وہ عرش والے کی طرف ضرور کوئی راستہ تلاش کرتے'' یعنی جن کو تم شریک سمجھتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتے، اس کی طرف رجوع کرتے، اس کے قرب کے لیے کوئی راستہ تلاش کرتے۔ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔تو جو شخص اپنے آپ کو رب کی عبادت کا محتاج سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو کیسے معبود قرار دے سکتا ہے؟؟ کیا یہ سب سے بڑی حماقت، سب سے بڑا ظلم نہیں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناؤ پھر یہ سمجھو کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے؟ اور تمہارے حق میں سفارش کریں گے؟ (6) رب العزت نے فرمایا:﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ ﴾''یہی لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (قربت کا ذریعہ) تلاش کرتے ہیں، کہ کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ سے ہی ڈرا جاتا ہے۔(بنی اسرائیل:57) (7) رب العزت نے فرمایا:﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴾ ''وہ کہیں گے:'' پاک ہے آپ کی ذات، ہمارے لیے یہ مناسب ہی نہ تھا کہ ہم آپ کے سوا دوسروں کو سرپرست بنائیں لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کا سامان دیا یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے اور وہ لوگ تباہ و برباد ہونے والے تھے۔(الفرقان:18) (8) اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر غالب آنے کے لئے کوشش کرتے اور کوئی راستہ تلاش کرتے۔ پس یا تو وہ اس پر غالب آجاتے اور جو غالب آجاتا وہی رب اور الٰہ ہوتا لیکن جیسا کہ انہیں علم ہے اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے خودساختہ معبود جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، مقہور و مجبور اور مغلوب ہیں انہیں کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں، ان کا یہ حال ہوتے ہوئے پھر ان کو انہوں نے معبود کیوں بنایا ہے؟ تب اس معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مشابہ ہے۔﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ ﴾''اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود ضرور اس کو لے جاتا جو اس نے پیدا کیا اور ان میں سے ایک دوسرے پر ضرور چڑھ دوڑتا، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔(المومنون:91) (سعدی:1463/2) (9) رب العزت نے فرمایا:﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾''اگر ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود

ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد برپا ہو جاتا سو عرش کا رب اللہ تعالیٰ پاک ہے اُن سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔'' (الانبیاء:22)

﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا (43)﴾

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بے حد بلند ہے اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں بہت زیادہ بلند ہونا۔'' (43)

سوال: ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا﴾ ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بے حد بلند ہے اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں بہت زیادہ بلند ہونا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی﴾ ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بے حد بلند ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر پہلو سے مقدس ہے، وہ پاک ہے۔ اس کے اوصاف عالی شان ہیں۔ (2) ﴿عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ﴾ ''اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے الزامات سے، ان کے شرک سے اور ہمسر بنا لینے سے پاک ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بلند ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے شریک ہیں۔ (4) ﴿عُلُوًّا كَبِيۡرًا﴾ ''بہت زیادہ بلند ہونا'' پس وہ عالی قدر اور عظیم الشان ہے اور اس کی کبریائی ظاہر ہے۔ اس کی کبریائی برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ جو کوئی اس بات کا قائل ہے وہ صاف گمراہ اور بہت بڑا ظالم ہے۔ اس کی عظمت کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات نہایت عاجز اور اس کی کبریائی کے سامنے بہت حقیر ہیں۔ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان کے اوپر ہے، سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ۖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ (٦٧)﴾ ''اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے حالانکہ زمین ساری کی ساری قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (الزمر:67) (تفسیر سعدی:2/1463،1464)

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا (44)﴾

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔'' (44)

سوال1: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ﴾ ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی

تسبیح کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾''ساتوں آسمان اورزمین اور جوان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں'' آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق اس بات کی ضرورت مند ہے کہ ان کا کوئی معبود ہو جس سے وہ محبت کریں، جس کا وہ قرب حاصل کریں، جس کی وہ پناہ لیں۔(2)اس اعتبار سے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ان کی احتیاج کسی وقت بھی ختم نہیں ہوتی۔

سوال2:﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾''اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾درخت، نباتات، جمادات، زندہ اور مردہ مخلوقات سب اس کے محتاج ہیں۔(2)﴿اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِه ﴾''مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے'' وہ زبان حال اور زبان قال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔(3)رب العزت نے سیدنا داوٗد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (١٨)﴾''بے شک ہم نے اُس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ وہ صبح و شام تسبیح کرتے تھے۔''(ص:18)(4)بعض صحابہ نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے تو اُنہوں نے کھانے کی تسبیح سُنی۔(بخاری:3385)(5)ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ چیونٹیاں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں۔(مسلم)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ایک چیونٹی نے ایک نبی (عزیر یا موسیٰ کو کاٹ لیا تھا) تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کے سارے گھر جلا دیئے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اگر تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا تو تم نے ایک ایسی خلقت کو جلا کر خاک کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی تھی۔(صحیح بخاری:3019)(6)مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے جس میں ریشمی کف اور ریشمی کھنڈیاں تھیں، نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اس شخص کا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چرواہوں کے لڑکوں کو اونچا کرے اور سرداروں کے لڑکوں کو ذلیل کرے، آپ کو غصہ آ گیا اور اس کا دامن گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تجھے میں جانوروں کا لباس پہنے ہوئے تو نہیں دیکھتا؟ پھر نبی ﷺ واپس چلے آئے اور بیٹھ کر فرمانے لگے کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں بطور وصیت کے دو حکم دیتا ہوں اور دو ممانعت ایک تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے سے منع کرتا ہوں اور دوسرے تکبر سے روکتا ہوں اور پہلا حکم تو میں تمہیں یہ کرتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ کہتے رہو اس لئے کہ اگر آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں ترازو کے پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے میں صرف یہی کلمہ ہو تو بھی یہی کلمہ وزنی رہے گا سو اگر تمام آسمان اور زمین ایک حلقہ بنا دیئے جائیں اور ان پر اس کو رکھ دیا جائے اور وہ انہیں پاش پاش کر دے۔ دوسرا حکم میرا سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا ہے کہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کی وجہ سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے، ابن جریر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے لڑکے کو کیا حکم دیا کہ پیارے بچے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ کہا کرو۔ یہ کل مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی سے مخلوق کو رزق

دیا جاتا ہے۔(ابن کثیر:214/3)(7)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایک لکڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا تو آپ خطبہ کے لئے اس پر تشریف گئے ۔اس پر اس لکڑی نے باریک آواز سے رونا شروع کر دیا آخر آپ اس کے قریب تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر پھیرا۔(بخاری:3583)(8)طبرانی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے جبریل اور میکائیل مسجد اقصیٰ تک شب معراج میں لے گئے ، جبریل علیہ السلام آپ کے دائیں تھے اور میکائیل علیہ السلام آپ کے بائیں ، آپ کو ساتویں آسمان تک اڑا لے گئے ۔وہاں سے آپ ﷺ لوٹے ، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے بلند آسمانوں میں تسبیح کی آوازیں سنیں پھر فرمایا: دنیا کی ہر چیز تسبیح خواں ہے مگر اس کی تسبیح انسان کی سمجھ سے باہر ہے کیونکہ انسان ان کی زبانوں سے نا آشنا ہے، حیوانات، نباتات اور جمادات سب ہی تسبیح خواں ہیں ۔(ابن کثیر:213/3)(9)ایک مرتبہ سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خوان آیا تو ابو یزید قاشی نے کہا کہ اے ابوسعید کیا یہ خوان بھی تسبیح گو ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مطلب یہ ہے کہ جب تک لکڑی کی صورت میں تھا تسبیح گو تھا۔ جب کٹ کر سوکھ گیا تسبیح جاتی رہی ۔(ابن کثیر:214/3)(10)انسان جب غور وفکر کرتا ہے کہ زمین کی ہر چیز ہر درخت ، پتہ ، دریا ، سمندر ، پھل ، پھول ، جانور ، ہوائیں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے، اُس کے آگے جھکی ہوئی ہے تو اُس کے شعور کے اندر ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے ۔اُسے محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز حرکت میں ہے وہ جس چیز کو دیکھے ، چھوئے ، روندے ہر چیز تسبیح خواں ہے ۔ یہ احساس انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ڈبو دیتا ہے ۔انسان کو ہر چیز باشعور نظر آنے لگتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو محسوس کر کے شعوری طور پر جھک جاتا ہے اور کائنات کے ساتھ شریک عمل ہو جاتا ہے ۔(11)﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ ''لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے'' یعنی تم مخلوقات کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تم ان کی زبان سے ناواقف ہو مگر اللہ تعالیٰ جو ساری مخلوقات کا خالق ہے جو عالم الغیوب ہے، سب کی تسبیح کو جانتا ہے۔

سوال3: انسان کائنات کی تسبیح کو کیوں نہیں سمجھتا؟

جواب: انسان کائنات کی ہر چیز کی تسبیح کو نہیں سمجھتا کیونکہ (1)انسان کائنات کے اسرار ورموز پر غور وفکر نہیں کرتا۔(2)انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قوانین پر غور وفکر نہیں کرتا۔(3)انسان کی روح کو مادّیت نے چھپا رکھا ہے اس لیے وہ کائنات کی تسبیح کی لطافت کو محسوس نہیں کرتا۔

سوال4: ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ حلیم ہے وہ نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ جو اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہیں جس سے آسمان پھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، ان کو بھی وہ حلیم مہلت دیتا ہے، انھیں بھی رزق دیتا ہے، ان سے درگزر کرتا ہے، انھیں توبہ کے لیے بلاتا ہے۔(2)﴿غَفُوْرًا﴾ ''نہایت بخشنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کی مغفرت بہت وسیع ہے وہ گناہ گاروں کو اپنے در پر بلاتا ہے تا کہ وہ شرک سے توبہ کریں اور وہ ان کے گناہ بخش دے۔(3)اگر اللہ تعالیٰ کا حلم

اور مغفرت نہ ہوتی تو زمین وآسمان گر پڑتے اور زمین پر کوئی جاندار زندہ نہ بچتا۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی صفت حلیم اور غفور کو اس مقام پر لانے کی کیا حکمت ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی صفت حلیم اور غفور کو یہاں اس لیے لایا گیا ہے کہ انسان خطار کار ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی اتنی بھی پہچان نہیں جتنی کائنات کی دوسری مخلوقات کو اسی لیے وہ شرک کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مہلت نہ دے، مغفرت نہ کرے تو سب برباد ہوجائیں۔ (2) اللہ تعالیٰ حلیم ہے، باربار نصیحت کرتا ہے، ڈراتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ غفور ہے وہ انسان کی غلطیوں اور جہالتوں سے درگزر کرتا ہے۔

سوال: انسان کیسے کائنات کی ہر چیز کی تسبیح کو کیسے سمجھنے لگ جاتا ہے؟

جواب6: انسان جب اپنے دل کو بُرائیوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کی روح شفاف ہوجاتی ہے پھر وہ ہر چیز کی تسبیح سننے لگ جاتا ہے۔ اُس کا رابطہ رب سے ہوجاتا ہے تو وہ کائنات کی ہر مخلوق کے رب سے تعلق کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔

سوال7: انسان کے شعور پر یہ بات کس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے؟

جواب: انسان جب غور وفکر کرتا ہے کہ زمین کی ہر چیز، ہر درخت، پتہ، دریا، سمندر، پھل پھول، جانور، ہوائیں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے، اُس کے آگے جھکی ہوئی ہے تو اُس کے شعور کے اندر ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ اُسے محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز حرکت میں ہے وہ جس چیز کو دیکھے، چھوئے، روندے ہر چیز تسبیح خواں ہے۔ یہ احساس انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ڈبو دیتا ہے۔ انسان کو ہر چیز باشعور نظر آنے لگتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو محسوس کر کے شعوری طور پر جھک جاتا ہے اور کائنات کے ساتھ شریک عمل ہوجاتا ہے۔

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا(45)﴾

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور اُن کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ بنا دیتے ہیں''۔(45)

سوال: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور اُن کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ بنا دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے حق کو جھٹلانے والوں کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ (2) ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ﴾ ''جب تم قرآن پڑھتے ہو'' جو بھلائی کی دعوت دیتا ہے، جس میں ہدایت ہے، جس میں ان کی زندگی کا علم ہے۔ (3) ﴿جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ ''تو ہم آپ کے اور اُن کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ بنا دیتے ہیں'' جس کی وجہ سے وہ قرآن کے فہم اور اس کے حقائق کو سمجھنے اور اس کی

اطاعت کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ان کے دلوں اور ان کے درمیان ایک آڑ حائل کر دیتے ہیں۔اس بات کا اعتراف مشرکین قریش بھی کرتے ہیں۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، پھر تم عمل کرو، یقیناً ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔'' (فصلت:5) (4) ابن منذر نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مشرکین قریش کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ان کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے تو وہ کہتے کہ یہ ہمیں مائل کرنا چاہتے ہیں۔جس کی طرف یہ ہمیں بلا رہے ہیں اس سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ان ہی کے اقوال روایت کر دیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ. الخ﴾ یعنی جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن عباس:187/2) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا۔یقیناً ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے اور اگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔'' (الکہف:57) (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (١٠٨)﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں''۔ (النحل:108) (7) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (٢٣)﴾ ''پھر کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟'' (جاثیہ:23)

﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (46)﴾

''اور ہم نے ان کے دلوں پر کئی پردے بنا دیے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا، اُسی ایک کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اپنی پیٹھوں پر بدکتے ہوئے پھر جاتے ہیں۔'' (46)

سوال1: ﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں پر کئی پردے بنا دیے

ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اوران کے کانوں میں بوجھ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اور ہم نے ان کے دلوں پرکئی پردے بنادیے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اوران کے کانوں میں بوجھ ہے'' اللہ رب العزت نے مشرکوں کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں۔(2) مشرک اس طرح ضرور سنتے ہیں تاکہ ان پر حجت قائم ہوجائے۔(3) جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ اپنے ذہن میں سچائی کی حقیقت کا خودساختہ معیار بنالیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو جب قرآن سنایا جاتا ہے جس میں اُن کے خیالات کی تردید ہورہی ہوتو قرآن کی باتیں ایسے سننے والوں کے لیے ناقابل فہم بن جاتی ہیں۔یہ نفسیاتی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ جس چیز کووہ سچا مانتے ہیں، جوچیز اُسے غلط قرار دے وہ سچی کیسے ہوسکتی ہے؟ (4)﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾''اوران کے کانوں میں بوجھ ہے''''وقر'' سے مراد ایسا بوجھ ہے، ایسا ڈاٹ ہے جوقرآن سننے کے راستے میں رکاوٹ ہو۔(5)ان کے کان قرآن نہیں سن سکتے یعنی سن لیں تو فائدہ نہ اٹھائیں، سیدھے راستے پر نہ آسکیں۔(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴾ ''اوراُنہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہواور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اورتمہارے درمیان ایک حجاب ہے، پھرتم عمل کرو، یقیناً ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔''(فصلت:5)

سوال2:﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾''اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا،اُسی ایک کا ذکر کرتے ہیں تووہ اپنی پیٹھوں پر بدکتے ہوئے پھر جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴾''اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا،اُسی ایک کا ذکر کرتے ہیں''یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی توحید کی آیات تلاوت کرتے ہیں اورانہیں شرک سے روکتے ہیں اورتوحید کی طرف بلاتے ہیں۔(2)﴿وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾''تووہ اپنی پیٹھوں پر بدکتے ہوئے پھر جاتے ہیں''مشرکوں پرآیات توحید کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن سے بغض رکھنے کی وجہ سے اورشرک سے محبت کی وجہ سے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۴۵)﴾''اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل تنگ پڑتے ہیں جوآخرت پرایمان نہیں رکھتے اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تب وہ خوش وخرم ہوجاتے ہیں۔''(الزمر:45)

سوال3:مشرکوں کا اللہ تعالیٰ کی توحید سے نفرت کا کیا سبب تھا؟

جواب:اللہ تعالیٰ کی واحدانیت سے نفرت کا سبب اجتماعی نظام تھا جو جاہلی رسوم ورواج اور بُت پرستی پر قائم تھا اور جس میں قریش کواقتدار حاصل تھا۔انہیں یہ ڈر لگتا تھا کہ قرآن کے پختہ نظریات کے مقابلے میں اُن کا نظام بچ نہیں سکے گا اورنظام نہ بچا تو اُن کی قیادت وسیادت

نہیں بچ سکے گی۔

سوال4: ﴿اَکِنَّۃٌ﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب:اَکِنَّۃٌ کِنَا نٌ کی جمع ہے۔ایسے پردے کو کہتے ہیں جو دِلوں پر پڑ جائے۔

سوال5:''وقر'' سے کون سا بوجھ مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ایسا بوجھ ہے ایسا ڈاٹ ہے جو قرآن سننے کے راستے میں رکاوٹ ہو۔

سوال6:قرآن سن کر قبول نہ کرنے والوں کی کیسی تصویر کشی کی گئی ہے؟

جواب: جو لوگ قرآن سن کر نہیں سمجھتے ان کے دلوں کو دِکھایا گیا ہے کہ گویا دبیز پردے پڑے ہیں۔ یہ ایسا شخص ہے جس کے دل پر پردہ پڑا ہے،کانوں میں بوجھ ہے اور اچانک وہ نفرت سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ دراصل اپنے رب سے بھاگنے والے کی تصویر ہے۔

﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِہٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا(47)﴾

''ہم خوب جاننے والے ہیں اس نیت کو جس کے ساتھ وہ اسے غور سے سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں، جب ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیچھے چلتے مگر ایک آدمی کے جس پر جادو کیا گیا ہے۔''(47)

سوال1: ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِہٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾''ہم خوب جاننے والے ہیں اس نیت کو جس کے ساتھ وہ اسے غور سے سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں، جب ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیچھے چلتے مگر ایک آدمی کے جس پر جادو کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِہٖ ﴾''ہم خوب جاننے والے ہیں اس نیت کو جس کے ساتھ وہ اسے غور سے سنتے ہیں''ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے دو بیٹے تھے اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل تھے۔(الدرالمنثور:338/4)(2) نبی ﷺ جب قرآن پڑھتے تھے تو رب العزت مشرکوں کو سنتے وقت فائدہ اٹھانے سے روک دیتے تھے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کے ارادے برے ہیں۔وہ اس لئے قرآن سنتے تھے کہ کوئی چھوٹی سی بات ہاتھ آئے تو اس شوشے کی وجہ سے وہ سب میں عیب جوئی کرسکیں۔(3)﴿ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی ﴾''جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں''جب نبی ﷺ قرآن

کی تلاوت کرتے تھے تو اس سے فائدے اٹھانے سے مشرک کیسے محروم رکھے گئے۔وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرنا چاہتے ہو جو مسحور ہے۔(4)یعنی ہم نے ان کو قرآن کے استماع کے وقت اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ہے کیونکہ ہم ان کے برے ارادوں کا علم رکھتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ کوئی چھوٹی سی بات ہی ہاتھ آئے تا کہ اس کے ذریعے سے اس میں عیب جوئی کریں۔(تفسیر سعدی:1465/2)(5)﴿ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾''جب ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیچھے چلتے مگر ایک آدمی کے جس پر جادو کیا گیا ہے''مسحور سے مشرکوں کی مراد یہ ہے کہ یہ شخص آسیب زدہ ہے اور جو کلام یہ پیش کرتا ہے اسے کوئی جن پڑھا جاتا ہے۔کوئی آپ کو شاعر،کوئی آپ کو کاہن،کوئی دیوانہ،کوئی آسیب زدہ کہا کرتا تھا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بد بخت آپ کے لئے لقب تجویز کر رہے ہیں اور گمراہ ہو رہے ہیں۔(ابن کثیر)(6)کفار مکہ قرآن حکیم سُنتے تھے،متاثر ہوتے تھے پھر خفیہ مشورے اور سازشیں کرتے تھے پھر پختہ عہد کرتے تھے،نہیں سُنیں گے پھر جب اُن کی فطرت اُنہیں سُننے اور ماننے کے لیے مجبور کرتی تھی تو قرآن سنتے تھے لیکن ہٹ دھرمی اور مکاری سے اپنے تاثرات چھپاتے تھے اور آپ ﷺ کو جادوگر قرار دیتے تھے۔

سوال2:اہل مکہ رسول اللہ ﷺ پر جادوگری کا الزام کیسے عائد کرتے تھے کوئی مثال دیں؟

جواب:سیرت محمد بنِ اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب،ابوجہل بن ہشام،اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ نبی کریم ﷺ کی زبانی سننے کے لئے نکلے۔آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔یہ لوگ چپ چاپ چھپ کر ارد گرد آ کر بیٹھ گئے۔ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔رات کو سنتے رہے۔فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے۔اتفاقاً سب کی آپس میں ملاقات ہو گئی۔ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہو جائیں گے لیکن رات کو پھر یہ تینوں آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزاری۔صبح واپس چلے،راستے میں مل گئے،پھر سے کل کی باتیں دہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا۔تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا آؤ اب عہد کر لیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول وقرار کر کے جدا ہوئے۔صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا:ابوحنظلہ مجھے بتاؤ تمہاری اپنی رائے محمد(ﷺ)کے بارے میں کیا ہے؟اس نے کہا:ابوثعلبہ قرآن کی جو آیتیں میں نے سنی ہیں اس میں سے بہت سی آیتوں کا مطلب تو میں جان گیا لیکن بہت سے آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں۔اخنس نے کہا واللہ میرا بھی یہی حال ہے۔یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا۔اس سے بھی یہی سوال کیا،اس نے کہا:سنئے شرافت وسرداری کے بارے میں ہمارا بنوعبدمناف سے مدت سے جھگڑا چلا آتا ہے۔انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلانا شروع کر دیا۔انہوں نے سواریاں دیں تو ہم نے بھی سواریوں کے جانور دینا شروع کر دیے۔انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کئے اور ان انعامات میں ہم نے بھی ان کے پیچھے رہنا پسند کیا۔اب جب کہ تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے،اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جا نہ سکے تو جھٹ سے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبوت ہے،ہم میں ایک شخص ہے جس کے پاس آسمانی وحی آتی ہے۔اب بتاؤ اس

کوہم کیسے مان لیں واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اسے سچا کہیں گے۔اسی وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا(48)﴾

''آپ دیکھیں انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں؟ چنانچہ وہ بھٹک گئے،سواب وہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے''(48)

سوال:﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾''آپ دیکھیں انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں؟ چنانچہ وہ بھٹک گئے،سواب وہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اُنْظُرْ﴾''آپ دیکھیں''اے محمد ﷺ اپنی دل کی آنکھ سے دیکھو۔(2)﴿كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾''انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں؟''وہ آپ کے لئے کیسے مثال بیان کرتے ہیں۔کبھی ساحر،کبھی شاعر،کبھی مجنون قرار دیتے ہیں۔(جامع البیان:97/15)(3)یہ حق سے ہٹی ہوئی مثالیں ہیں۔(4)﴿فَضَلُّوْا﴾''چنانچہ وہ بھٹک گئے''یعنی اس بارے میں وہ گمراہ ہو گئے یا یہ ضرب الامثال ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں کیونکہ انہوں نے اپنے معاملات کی بنیاد ان مثالوں پر رکھی اور کسی فاسد چیز پر رکھی ہوئی بنیاد اس سے زیادہ فاسد ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:1466/2)(5)﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾''سواب وہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے''یعنی انہیں کسی طور پر بھی راستہ نہیں مل سکتا،اس لئے ان کے نصیب میں محض گمراہی اور صرف ظلم ہے۔یعنی انہیں کبھی سیدھا راستہ نہیں مل سکتا۔ان کے مقدر میں ہی گمراہی ہے۔(6)اس آیت میں وعید بھی ہے اور نبی ﷺ کے لئے تسلی بھی۔(تفسیر مراغی:322/5)

﴿وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا(49)﴾

''اورانہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اُٹھائے جانے والے ہیں؟''(49)

سوال1:﴿وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾''اورانہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اُٹھائے جانے والے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَقَالُوْٓا﴾''اورانہوں نے کہا''رب العزت نے موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہ رکھنے والوں،اس کو بعید سمجھنے والوں کی تردید کی ہے۔وہ نبی ﷺ سے سوال کرتے تھے۔(2)﴿ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا﴾''کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے''یعنی جب ہم مٹی ہو جائیں گے۔(3)﴿ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾''تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اُٹھائے جانے والے ہیں؟''یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔ان کے زعم کے مطابق یہ بہت محال ہے۔پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کر کے اوراس کی آیات کو جھٹلا کر سخت جہالت کا ثبوت دیا ہے،خالق کائنات کی قدرت کو اپنی کمزور اور عاجز قدرت پر قیاس کیا ہے۔جب انہوں

نے دیکھا کہ ایسا کرنا ان کے بس میں نہیں اور وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھی اس پر قیاس کر لیا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق میں سے کچھ لوگوں کو جہالت کی مثال بنایا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت عقلمند ہیں، حالانکہ ان کی جہالت سب سے واضح، سب سے نمایاں، دلائل و براہین کے اعتبار سے سب سے روشن اور سب سے بلند ہے تاکہ وہ اپنے بندوں کو دکھائے کہ یہاں سوائے اس کی توفیق اور اعانت یا ہلاکت اور ضلالت کے کچھ بھی نہیں۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ''اے ہمارے ربّ! آپ ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمانا۔ یقیناً آپ سب سے بڑھ کر عطا کرنے والے ہیں۔'' (سورہ آل عمران: 8) (تفسیر سعدی: 2/1466.1467)

(4) ﴿يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (١٠) ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (١١) قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (١٢)﴾ ''وہ کہتے ہیں: ''کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' انہوں نے کہا: ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے۔'' (النازعات: 10۔12) (5) ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (٧٨) قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (٧٩)﴾ ''اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔'' (یٰسٓ: 79,78)

سوال 2: منکرین رسالت یہ باتیں کیوں کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں تو کیا نئے سرے سے اُٹھائے جائیں گے؟

جواب: (1) منکرین رسالت اس لیے یہ باتیں کرتے تھے کہ اصل حقیقت کو نہیں سوچتے تھے کہ ایک وقت تھا جب وہ نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ پہلی تخلیق دوسری تخلیق کے مقابلے میں مشکل ہوتی ہے۔ (2) منکرین رسالت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تو صرف ارادہ کرنے کی بات ہے۔

﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا (50)﴾

''آپ کہہ دیں تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ'' (50)

سوال: ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا﴾ ''آپ کہہ دیں تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''آپ کہہ دیں'' رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ موت کے بعد کی زندگی کو جھٹلانے والوں سے کہہ دیں۔ (2) ﴿كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا﴾ ''تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس لیے دی کہ (i) مٹی اور ہڈیوں سے لوہا زیادہ سخت ہے اور اس میں زندگی کے آثار پیدا کرنے مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت ہے وہ اس میں زندگی کے آثار پیدا کر سکتا ہے۔

(ii) پتھروں اورلوہے میں کوئی احساس نہیں ہوتا،اللہ تعالیٰ نے اُن کی بے لچک سوچ کی طرف اشارہ کیا ہے اوریقین دلایا ہے کہ دوبارہ زندگی ممکن ہے۔یعنی تم پتھر بن جاؤ یا زمین یا آسمان ،اللہ تعالیٰ کے لئے تمہیں زندہ کرنا مشکل کام نہیں۔جب وہ کسی معدوم چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وجود میں لے آتا ہے۔جو چاہو بن جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور زندہ کرے گا۔(ابن کثیر:1051/1)

﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ج فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ط قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ج فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ط قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا(51)﴾

''یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو۔تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا،تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو۔''(51)

سوال1:﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ج فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ط قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾''یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو۔تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُم﴾''یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو''یعنی موت۔اگر تم موت ہو جاؤ تو بھی وہ تمہیں زندگی دے گا۔(جامع البیان:98/15)(2)یعنی اپنے زعم کے مطابق اس بات سے محفوظ ہو جاؤ کہ تم قدرت الٰہی کی گرفت میں آؤ یا اس کی مشیت تمہارے بارے میں نافذ ہو۔پس تم کسی بھی حالت میں اور کسی بھی وصف میں منتقل ہو کر اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے اور اس زندگی میں اور موت کے بعد تم اپنے بارے میں کسی تدبیر کا اختیار نہیں رکھتے۔اس لئے تدبیر اور تصرف اس ہستی کے لئے چھوڑ دو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز پر محیط ہے۔(تفسیر سعدی:1467/2)(3)﴿فَسَيَقُوْلُوْن﴾''تو جلد ہی وہ کہیں گے''یعنی آپ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں دلائل دیں تو وہ جلد ہی کہیں گے۔(4)﴿مَنْ يُّعِيْدُنَا﴾''کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟''یعنی جب ہم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی کوئی سخت چیز بن جائیں گے تو ہمیں کون زندہ کرے گا۔(5)﴿قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾''آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا''یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا جب تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے،وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔جیسا کہ فرمایا:﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾''جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے لکھے ہوئے کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں،جیسا کہ ہم نے پہلی تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم اس کا اِعادہ کریں گے،یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے،یقیناً ہم کرنے ہی والے ہیں۔''(الانبیاء:104)(6)﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ط وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اِعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

سوال2: ﴿ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ط قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴾''تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ ﴾''تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے'' وہ آپ کی بات پر تعجب اور انکار کرتے ہوئے سر ہلائیں گے۔(2)﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ﴾''اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟'' یعنی ایسا کب ہوگا؟ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اٹھانے کا وقت کب ہوگا؟ یہ ان کا اقرار نہیں بلکہ اپنے خیال میں دلیل کے میدان میں بے بس کرنے کے لئے ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟'' (یٰس:48)(3)﴿ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴾''آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو'' اس لئے اس کے وقت کے تعین کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا فائدہ اور اس کا دارو مدار تو اس کے اقرار، اس کی تحقیق اور اس کے اثبات میں ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسے ضرور آنا ہے اس اعتبار سے وہ قریب ہی ہے۔(تفسیر سعدی:1467/2)﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ج وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ط اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍ م بَعِيْدٍ ﴾''اُسے وہی لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو لوگ ایمان لائے وہ اُس سے ڈرنے والے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ حق ہے۔ سن لو! یقیناً جو لوگ قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑتے ہیں یقیناً وہ دُور کی گمراہی میں ہیں۔'' (الشوریٰ:18)(4)﴿وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا ﴾''اور ہم اُسے قریب دیکھتے ہیں'' (المعارج:6)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے بعثت کے وقت کے بارے کیا بتایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ وقت قریب ہے، وقت کے تعین کے بارے میں نہیں بتایا۔

﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿52﴾ ﴾

''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے۔'' (52)

سوال1: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ ﴾''جس دن وہ تمہیں پکارے گا''یعنی موت کے بعد جب تمہارا رب تمہیں آواز دے کر بلائے گا۔جب صور پھونکا جائے گا تو رب کی آواز سنتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔(2)﴿ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾''تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے''تم آواز سنتے ہی قبروں سے نکل آؤ گے۔اپنے رب کی مخالفت نہ کر سکو گے۔اس کے حکم کو ٹال نہ سکو گے۔(3)بِحَمْدِهٖ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل پر قابل ستائش ہے۔جب وہ اپنے بندوں کو قیامت کے روز اکٹھا کرے تو ان کو جزا دے گا۔(تفسیر سعدی:1468/2) (4)رب العزت نے فرمایا:﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ط ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ق صلے مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے ایک ہی بار پکارے گا تب تم اچانک نکل آؤ گے''۔(الروم:25)(5)حدیث میں ہے کہ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی، گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں۔سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں،کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے،کوئی کسی کو بے عزت نہ کرے۔(مسند احمد)

سوال2:﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا﴾''اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾''اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے۔''یعنی قیامت کے نہایت سرعت کے ساتھ واقع ہونے کی بنا پر اور جو نعمتیں تمہیں حاصل رہی ہیں۔گویا کہ یہ سب کچھ واقع ہوا ہی نہیں۔پس وہ لوگ جو قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتے تھے:﴿مَتٰی هُوَ ﴾وہ قیامت کے ورود کے وقت بہت نادم ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا:﴿ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾''یہ وہی دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''(تفسیر سعدی:1468/2)(المطففین:17)(2)رب العزت نے فرمایا:﴿كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾''جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح۔''(النازعات:46)(3)﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ط كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴾''اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔''(الروم:55)(4)﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ (١١٢) قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ (١١٣) قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟''وہ کہیں گے:''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں،پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو،کاش واقعی تم بات کو جانتے ہوتے!''(المؤمنون:112-114) (5)﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴾''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی ٹھہرے ہو۔''(طٰہٰ:104)

رکوع نمبر6

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (53)﴾

''اور میرے بندوں سے آپ کہہ دیں کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہترین ہو، یقیناً شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ یقیناً شیطان ہمیشہ سے ہی انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (53)

سوال1: ﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ ''اور میرے بندوں سے آپ کہہ دیں کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہترین ہو' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ ''اور میرے بندوں سے آپ کہہ دیں کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہترین ہو' اللہ رب العزت نے محسن انسانیت کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں سے کہہ دیں کہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے اچھے الفاظ، نرم لہجے، نہایت ادب اور شائستگی اور تہذیب کا خیال رکھیں ورنہ شیطان درشت لہجے، کڑوے الفاظ اور کھردرے انداز کی وجہ سے لڑائی کروادے گا۔ (2) اللہ رب العزت کا بندوں پر احسان ہے کہ اس نے بہترین اخلاق کا حکم دیا ہے جو دنیا اور آخرت کی سعادت کا باعث بنتے ہیں۔ (3) یہ حکم اس کلام کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا ذریعہ ہے مثلاً تلاوت اور قراءت قرآن، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ذکر الٰہی، حصول علم اور لوگوں کے ساتھ ان کے مقام اور مرتبے کے مطابق بات کرنا۔ (4) یہ حکم ان دو امور کے بارے میں بھی ہے جو عمدہ ہوں اور ان کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو بہتر کو ترجیح دینا۔ (5) احسن کلام اور اچھی بات ہمیشہ اچھے اخلاق اور نیک اعمال کی طرف لے جاتی ہے۔ (6) جسے زبان پر اختیار ہوتا ہے اسے تمام معاملات پر اختیار ہوتا ہے۔ (7) ابن سیرین نے کہا: لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ (تفسیر الدر المنثور: 340/4) (8) ابن جریج نے کہا: برائی سے درگزر کریں۔ (تفسیر الدر المنثور: 340/4) (9) برائی سے بات کرنے کی بجائے کہیں: **یرحمک اللہ، یغفر اللہ لک**۔ (تفسیر الدر المنثور: 340/4) (10) ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ ''اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور ان سے اس طریقے سے بحث کریں جو زیادہ اچھا ہو۔'' (النحل: 125) (11) ''وقولہ: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ ''اور تم اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر انتہائی احسن انداز سے۔'' (العنکبوت: 46)

سوال2: آپس کی گفتگو میں محتاط رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیسے نصیحت کی ہے؟

جواب: (1) آپس کی گفتگو میں زبان کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے۔ (2) اچھے کلمات بولنے چاہیں۔ (3) قول احسن کا پابند رہنا

چاہیے۔(4)دعوت دینے والوں کو کتنی ہی غصہ دِلانے والی بات کہی جائے، داعی کو ضد میں نہیں آنا چاہیے۔(5)شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے۔

سوال3: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ط اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾"یقیناً شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔یقیناً شیطان ہمیشہ سے ہی انسان کا کھلا دشمن ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ﴾"یقیناً شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے" شیطان انسان کا دشمن ہے۔وہ بندوں کے دنیا اور آخرت کے معاملات میں فساد ڈالنا چاہتا ہے۔(2)ہمام نے فرمایا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،کوئی شخص اپنے کسی دینی بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا ممکن ہے شیطان اسے اس کے ہاتھ سے چھڑوا دے اور پھر وہ کسی مسلمان کو مار کر اس کی وجہ سے جہنم کے گڑھے میں گر پڑے۔(بخاری:7072)(3)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے (کسی ظالم کے) سپرد کرے۔اور جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت اور حاجت پوری کرے گا۔(صحیح بخاری:6951)(4)﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾"یقیناً شیطان ہمیشہ سے ہی انسان کا کھلا دشمن ہے" اس سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں میں شیطان کی دعوت قبول نہ کریں۔آپس کے معاملات میں محبت،نرمی اور فیاضی اختیار کریں۔(5)﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (١٦)﴾"جیسے شیطان کی مثال ہے جب اُس نے انسان سے کہا:"کفر کر!" پھر جب اس نے کفر کیا تو اس نے کہا:"میں تجھ سے لاتعلق ہوں،یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"(الحشر:16)

(6)﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ "پھر میں لازماً اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُن کے دائیں سے اور اُن کے بائیں سے اُن پر آؤں گا اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔"(الاعراف:17)

سوال4: دعوت دینے والے محتاط نہ رہیں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: دعوت دینے والے گفتگو میں محتاط نہ رہیں تو ضد اور نفرت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو شیطان کے لیے بڑی سازگار ہوتی ہے۔

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ط اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا(54)﴾

"تمہارا رب ہی تمہیں زیادہ جاننے والا ہے،اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے،یا اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو اُن پر کوئی ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔"(54)

سوال1: ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ﴾ ''تمہارارب ہی تمہیں زیادہ جاننے والا ہے، اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ﴾ ''تمہارارب ہی تمہیں زیادہ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا علم بے قید ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کا علم جامع ہے جس کے ساتھ وہ لوگوں سے رحمت بھرا برتاؤ کرتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات کو کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ ہی اُن کے بارے میں ہر طرح کا علم رکھتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کا علم اپنی مخلوق کے بارے میں کامل ہے۔ (4) ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۱۴)﴾ '' کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ نہایت باریک بیں، خوب باخبر ہے۔'' (الملک:14) (5) یعنی وہ جانتا ہے کون مومن ہے اور کون ایمان نہیں رکھتا۔ (زادالمسیر :35/5) (6) اس لئے وہ تمہارے لئے وہی چاہتا ہے جس میں تمہاری بھلائی ہے اور تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں تمہاری کوئی مصلحت ہے بسااوقات تم ایک چیز کا ارادہ کرتے ہو مگر بھلائی اس کے برعکس کسی اور چیز میں ہوتی ہے۔ (تفسیر سعدی:1469/2) (7) ﴿اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ﴾ ''اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے'' یعنی وہ اپنی رحمت سے تمہاری طرف توجہ کرے یہاں تک کہ تم اس کی ذات کا اور آخرت کا کفر کرنے سے لوٹ آؤ۔ (جامع البیان:102/15) (8) ﴿اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ﴾ ''اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے'' یعنی تم ایمان سے پھر جاؤ، پھر اپنے شرک پر وفات پاؤ پھر وہ قیامت کے دن تمہارے کفر پر تمہیں عذاب دے گا۔ (جامع البیان:102/15) (9) پس وہ جسے چاہتا ہے اسباب رحمت کی توفیق عطا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسباب رحمت سے محروم ہو کر عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1469/2)

سوال2: یہاں تم پر رحم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) یہاں مومنوں پر رحم کرنا مراد ہو تو رحم کے معنی یہ ہیں کہ وہ کافروں پر تمہیں قوت عطا فرمائے گا۔ (2) یہاں مشرکین پر رحم کرنا مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دے گا۔

سوال3: تمہیں عذاب دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب1۔ یہاں عذاب سے مراد شرک پر موت ہے جس کی وجہ سے عذاب ملے گا۔ 2۔ یہاں عذاب سے مراد کافروں پر مسلمانوں کا غلبہ بھی ہے۔

سوال4: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ ''اور ہم نے آپ کو اُن پر کوئی ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم نے آپ کو اُن پر کوئی ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا'' اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو لوگوں پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے معاملات کی تدبیر کریں اور ان کو جزا دیں۔ وکیل اور کارساز تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور آپ تو صرف صراط

مستقیم کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں۔(تفسیر سعدی:1469/2)(2)اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کافر اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں تو آپ نگران نہیں ہیں کہ آپ سے باز پرس ہو۔(3)اس سے یہ بھی مراد ہے کہ یہ آپ کا فرض نہیں ہے کہ لازماً کافروں کو کفر کی دلدل سے نکالیں۔(4)ہم نے تو آپ کو جھنجھوڑ کر جگا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔اب جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ جنتی ہے، ورنہ جہنمی۔(مختصر ابن کثیر1053/1)

﴿ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعۡضٍ‌ وَّاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا‏(55) ﴾

''اور آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور بلا شبہ یقیناً ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔''(55)

سوال1:﴿وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡض﴾ ''اور آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں'' یعنی اے محمد ﷺ آپ کا رب آسمانوں اور زمین والوں کو خوب جانتا ہے۔وہ آسمان اور زمین والوں کی فرماں برداری اور نافرمانی میں مرتبوں کو خوب جانتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر:1053/1)(2)''اور آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں''اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہی اُن کی تعداد، اُن کی ضروریات اور اُن کے حالات سے بہتر واقفیت رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا علم اپنی مخلوقات کے بارے میں کامل ہے۔(3)یعنی وہ تمام مخلوق کو جانتا ہے۔پس ان میں سے جو کوئی جس چیز کا مستحق ہے اور اس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے اسے وہی عطا کرتا ہے اور وہ تمام حسی اور معنی خصائل میں ان کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1469/2)

سوال2:﴿ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعۡضٍ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے'' اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطا کی۔رب العزت نے فرمایا: ﴿تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ﴾ ''یہ سب رسول ہیں ان کے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ان میں سے کچھ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کو اُس نے درجات میں بلند کیا۔''(البقرہ:253) یہ آیت مسلم اور بخاری کی حدیث کے خلاف نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو''اس سے محض عصبیت کی بنا پر فضیلت دینا مراد ہے۔اس سے مراد وہ فضیلت نہیں جو دلیل سے ثابت ہو۔اگر کوئی مضبوط دلیل کسی چیز کے ثبوت پر

موجود ہوتو پھر اس کی پیروی کرنا ضروری ہے۔(2) نبی ﷺ اوالوالعزم پیغمبروں میں افضل ہیں پھر آپ ﷺ کے بعد ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سوال3: انبیاء کی فضیلت کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟

جواب: انبیاء علیہ السلام کی فضیلت کی حقیقت اور اس کے اسباب کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔(1) بعض رسولوں کو دوسروں کے مقابلے میں وسیع دائرۂ کار دیا گیا مثلاً کبھی کوئی ایک قبیلے، ایک قوم، ایک نسل کا رسول ہوتا اور کبھی اپنے وقت کی تمام اقوام کا رسول ہوتا تھا۔(2) رسولوں کے درمیان مرتبے کا فرق رسول یا اس کی قوم کو عطا کی جانے والی خصوصیات کی بناء پر ہوتا۔(3) رسول کو دیئے جانے والے پیغام، اس کی ہمہ گیری اور جامعیت کی وجہ سے بھی رسولوں کا مرتبہ فرق رہا۔

سوال4: انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے کیوں روکا گیا؟

جواب: (1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے (دوسرے انبیاء علیہم السلام پر) فضیلت نہ دو۔'' (فضل القرآن، احسن البیان) (2) اختلاف کے وقت ایک نبی کو فضیلت دینا دراصل دوسرے نبی کی شان کو گھٹانا ہے۔(3) فضیلت دینا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور انسان کا کام مان لینا ہے۔(4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مسلمانوں کی جماعت کے ایک آدمی اور یہودیوں میں سے ایک شخص کا جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو ساری دنیا میں برگزیدہ بنایا! قسم کھاتے ہوئے انھوں نے یہ کہا۔ اس پر یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو ساری دنیا میں برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے یہودی پر ہاتھ اٹھا کر تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے اور مسلمان کے جھگڑے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے اسی موقع پر فرمایا کہ ''مجھے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دیا کرو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش کر دیے جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا، پھر دیکھوں گا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے یا انھیں اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے والوں میں ہی نہیں رکھا تھا۔'' (صحیح بخاری:3408)

سوال5: ﴿وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ ''اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی'' زبور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ کسی کو کتاب فضیلت کی بناء پر عطا کی جاتی ہے اس لیے یہاں زبور کا تذکرہ کیا گیا۔(2) صحیح بخاری میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: سیدنا داؤد علیہ السلام پر قرآن اتنا آسان کر دیا گیا تھا کہ جانور پر زین کسی جائے اتنی سی دیر میں آپ قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر:3/219)

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا (56)﴾

''آپ کہہ دیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو اُنہیں پکار دیکھو چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا۔'' (56)

سوال1: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ ''آپ کہہ دیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو اُنہیں پکار دیکھو چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلِ﴾ ''آپ کہہ دیں''یعنی مشرکوں سے ان کے عقیدے کی صحت کے بارے میں دلیل کا مطالبہ کرتے ہوئے کہہ دیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کرتے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا عقیدہ درست ہے تو (2) ﴿ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ ''جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو اُنہیں پکار دیکھو''یعنی جن کے بارے میں تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ معبود ہیں۔ (3) یعنی تم ان کی طرف توجہ کرکے دیکھو وہ تمہارے کام آسکتے ہیں، تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں یا تمہیں نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ (4) ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ﴾ ''چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں''یعنی یہ خود ساختہ معبود، فقر اور سختی وغیرہ کو بالکل دور نہیں کر سکتے۔ (5) ﴿وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ ''اور نہ ہی بدلنے کا'' اور نہ یہ باطل معبود کسی سختی کو کسی ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہی کر سکتے ہیں۔ پس جب ان باطل معبودوں کے یہ اوصاف ہیں تو تم اللہ کے سوا انہیں کس لئے پکارتے ہو؟ یہ کسی کمال کے مالک ہیں نہ افعال نافعہ کے۔ تب ان بے بس اور بے اختیار ہستیوں کو معبود بنانا عقل و دین کی کمی اور رائے کی سفاہت ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جب انسان سفاہت میں پڑے رہنے کی وجہ سے اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے گمراہ آباء واجداد سے اخذ کرتا ہے تو اسی سفاہت کو انتہائی درست رائے اور عقل مندی سمجھنے لگتا ہے اور اس کے برعکس اللہ واحد کے لئے جو تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرنے والا ہے اخلاص کو سفاہت خیال کرتا ہے۔ یہ کتنا تعجب خیز معاملہ ہے، جیسا کہ مشرکین کا قول ہے: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ صلے اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (۵)﴾ ''کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا دیا ہے اور بلاشبہ یہ یقیناً بڑی عجیب بات ہے۔ (ص:5) (تفسیر سعدی: 1470/2) (6) ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو قادر مطلق ہے، جو مخلوق پر پورا اختیار رکھتا ہے اور کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ (7) فرشتے، مسیح عَلَیْہِ السَّلَام اور عزیر خود اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔

سوال2: انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کن معبودوں کو پکارتا ہے؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ کے ماسوا فرشتوں، بزرگوں، بتوں، مجسموں، نبیوں اور جنوں کو معبود بناتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے شرک کے رد کے لیے کیا دلیل دی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب کے سوا کوئی نہیں جو مصیبت کو ٹال سکے یا مصیبت کا رُخ موڑ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مصیبت دُور کر سکتا ہے کیونکہ وہ بندے کا، اس کی قسمت کا مالک ہے۔

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ وَیَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَہٗ وَیَخَافُوۡنَ عَذَابَہٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحۡذُوۡرًا (57)﴾

''یہی لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (قُربت کا ذریعہ) تلاش کرتے ہیں، کہ کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ سے ہی ڈرا جاتا ہے۔'' (57)

سوال 1: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ وَیَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَہٗ وَیَخَافُوۡنَ عَذَابَہٗ﴾ ''یہی لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (قُربت کا ذریعہ) تلاش کرتے ہیں، کہ کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں'' سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عرب کے اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنات کی عبادت کرتے تھے۔ پھر وہ جن مسلمان ہو گئے اور اُن کے پُجاری اس بات سے بے خبر رہے۔ (صحیح مسلم: 3030) (2) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ﴿اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ﴾ کا شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے لیکن وہ جن بعد میں مسلمان ہو گئے اور یہ مشرکان ہی کی پرستش کرتے ہوئے جاہلی شریعت پر قائم رہے۔ (صحیح بخاری: 4714) (3) ﴿یَدۡعُوۡنَ﴾ ''وہ پکارتے ہیں'' یعنی انبیا، صالحین اور فرشتوں کو۔ (4) ﴿یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ﴾ ''وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (قُربت کا ذریعہ) تلاش کرتے ہیں'' یعنی مشرک جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو ان کی عبادت کے بارے میں نہیں جانتے۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اس کے قرب کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ (5) وسیلہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ''و-س-ل'' ہے جس کے معنی عربی زبان میں رضا اور رغبت سے کسی کا قرب حاصل کرنا مذکور ہے۔ (6) اصطلاحی طور پر وسیلہ سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جن کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں دو جگہ لفظ وسیلہ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (المائدہ: 35) اور دوسرا اس مقام پر۔ (7) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ''جب تم مؤذن کی آواز سنوتو ان ہی الفاظ کو دہراؤ پھر میرے اوپر درود بھیجو' کیونکہ جومیرے اوپر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میرے لیے مقام وسیلہ کی دعا کرو۔وسیلہ ایک بلند مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے صرف ایک ہی بندے کے لیے مناسب ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔تو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگی۔'' (مسلم:849)(8) ﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ ''اوراس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اوروہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں'' یعنی وہ رحمت کے امیدوار ہیں اور عذاب کے خوف کی وجہ سے ہراس کام سے رکتے ہیں جو عذاب کا موجب بن جائے۔(9) عبادت کی تکمیل امید اور خوف سے ہی ہوتی ہے۔خوف کی وجہ سے انسان گناہوں سے باز رہتا ہے اور امید سے نیکیاں کرتا ہے۔(10) سیدنا سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ رجاء اور خوف یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار بھی رہنا اور ڈرتے بھی رہنا یہ انسان کے دو مختلف حال ہیں۔جب یہ دونوں برابر درجے میں رہیں تو انسان صحیح راستے پر چلتا رہتا ہے اوراگران میں سے کوئی ایک مغلوب ہوجائے تو اسی مقدار سے انسان کے احوال میں خرابی آجاتی ہے۔(قرطبی)(11) خوف، امید اور محبت، یہ تین امور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقربین کا وصف قرار دیا ہے، ہر بھلائی کی اساس ہیں۔جس نے ان تینوں امور کی تکمیل کرلی، اس کے تمام امور مکمل ہوگئے اوراگرقلب ان امور سے خالی ہے تو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہوجائے گا اور برائیاں اس کو گھیرلیں گی اور اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کی علامت یہ بتائی ہے کہ بندہ ہراس کام میں جدوجہد کرتا ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اوراپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص، خیرخواہی اور حتی المقدوران کو بہترین طریقے سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرکے اس کے قرب کے حصول کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ان تمام امور کے بغیر اگرکوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1471)

سوال2: ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ ''یقیناً آپ کے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ سے ہی ڈراجاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً آپ کے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ سے ہی ڈراجاتا ہے'' آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرنا چاہیے۔اس لیے ان اسباب سے بچنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بننے والے ہیں۔

﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (58)﴾

''اور کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم قیامت کے دن سے پہلے اسے ہلاک کرنے والے ہیں یا اُسے سخت عذاب دینے والے ہیں، بہت سخت عذاب یہ ہمیشہ سے کتاب اللہ میں لکھا ہوا ہے۔'' (58)

سوال1: ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ ''اور کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم قیامت کے دن سے پہلے اسے ہلاک کرنے والے ہیں یا اُسے سخت عذاب دینے والے ہیں، بہت سخت عذاب'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم قیامت کے دن سے پہلے اسے ہلاک کرنے والے ہیں یا اُسے سخت عذاب دینے والے ہیں، بہت سخت عذاب''یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والی کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے قیامت کے دن سے پہلے ہلاکت یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سوال2: قوموں اور بستیوں کے لیے فنا کا کیا قانون ہے؟

جواب: قوموں اور بستیوں کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کا طے شدہ قانون ہے خواہ کوئی قوم کتنی طاقت وراور مضبوط ہو بہر حال ایک دن ختم ہو جائے گی۔

سوال3: ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ ''یہ ہمیشہ سے کتاب اللہ میں لکھا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ ''یہ ہمیشہ سے کتاب اللہ میں لکھا ہوا ہے''لوح محفوظ کا بیان اس آیت میں ہے کہ کافروں کی ہر بستی پر تباہی آنے والی ہے کہ اس کے تمام باشندے عذاب سے تباہ کر دیے جائیں گے، قتل کا عذاب بھیجا جائے گا یا جس عذاب کو اللہ تعالیٰ چاہے بھیج دے۔(2) ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا (٨)﴾ ''اور کتنی ہی بستیوں نے اپنے رب اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے اُن کا محاسبہ کیا، بہت سخت محاسبہ کرنا اور ہم نے اُنہیں سزا دی، ایسی سزا جو جانی پہچانی نہ تھی۔'' (الطلاق:8) (3) عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ قلم ہے۔ پھر اس کو فرمایا: لکھو۔ اس نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھو اندازہ ہر چیز کا جو ہوئی اور ہونے والی ہے ابد تک یعنی قیامت تک۔'' (ترمذی:2155)

سوال4: تباہی اور عذاب کن وجوہات کی بنا پر آتے ہیں؟

جواب: (1) تباہی اور عذاب نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ ''اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا تھا، چنانچہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے ان کے معبود جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے جب تیرے رب کا حکم آ گیا اور اُن کے لیے بربادی کے سوا اُنہوں نے کسی چیز کا اضافہ نہ کیا۔'' (ہود:101) (3) ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ

اَمۡـرِهَـا وَ كَـانَ عَـاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ﴾ ''توانہوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام خسارہ ہی ہوا'' (الطلاق:9)(4)اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا فیصلہ ہے جس نے لازماً واقع ہونا ہے لہٰذا اس سے پہلے کہ عذاب آئے جھٹلانے والوں کو اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور رسولوں کی تصدیق کرنی چاہیے۔

﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا﴿59﴾﴾

''اور ہمیں نہیں روکا کہ ہم معجزات بھیجیں مگر یہ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اُن کو جھٹلا دیا تھا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا واضح معجزہ دیا چنانچہ انہوں نے اس پر بھی ظلم کیا اور ہم خوف دِلانے کے لیے ہی معجزات بھیجتے ہیں۔'' (59)

سوال1: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴾ ''اور ہمیں نہیں روکا کہ ہم معجزات بھیجیں مگر یہ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اُن کو جھٹلا دیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہمیں نہیں روکا کہ ہم معجزات بھیجیں مگر یہ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اُن کو جھٹلا دیا تھا'' مشرکوں نے نبی ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں۔(2) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکہ کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں تا کہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مطالبات پورے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر اس کے بعد ایمان نہ لائے تو ہلاکت یقینی ہے پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ نبی ﷺ نے اس بات کو پسند کیا کہ اُن کے مطالبے کو پورا نہ کیا جائے تا کہ وہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔(مسند احمد:258/1)(3) یہاں اللہ رب العزت نے واضح فرمایا کہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے ان کے مطالبات پر معجزات نازل نہیں فرمائے کیونکہ اگر وہ اس کے بعد ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جائے گا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ''ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا وہ لوگ ایمان لائیں گے؟'' (الانبیاء:6)

سوال2 : معجزات نازل کرنے کا کیا مقصد ہوتا ہے؟

جواب: (1) معجزات رسولوں کی سچائی کے ثبوت کے لیے دیئے جاتے ہیں۔(2) معجزات کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

سوال3: ﴿ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ﴾ ''اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا واضح معجزہ دیا چنانچہ انہوں نے اس پر بھی ظلم

کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے ثمود کی طرف جو معجزہ بھیجا وہ ایک معین چٹان سے عظیم اونٹنی کا پیدا ہونا ہے۔اس کے لئے پانی کا ایک دن مقرر تھا۔جس دن وہ پانی پیتی تھی اس دن کسی اور کو پانی نہیں ملتا تھا۔ثمودیوں نے اس پر ظلم کیا،اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اوراونٹنی کو قتل کردیا۔اس کی پاداش میں ان پر وہ عذاب آیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ملتا ہے۔﴿ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ﴾''توانہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا:''تین دن تک تم اپنے گھروں میں خوب فائدہ اُٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔''(ہود:65) (2)اسی طرح اگران پر بھی معجزات آتے تو وہ اس پر بھی ایمان نہ لاتے۔

سوال4:﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴾''اورہم خوف دِلانے کے لیے ہی معجزات بھیجتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورہم خوف دِلانے کے لیے ہی معجزات بھیجتے ہیں'اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آیات کا مقصد ڈرانا ہی تھا تاکہ لوگ اپنی برائیوں سے بازآجائیں۔(2)سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفے میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہوجانا چاہیے۔(جامع البیان:109/15)(تفسیر منیر:119/8)(3)سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے آپ نے فرمایا:تم نے ضرورکوئی نئی بات کی ہے،دیکھو اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں دوں گا۔(4)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ان میں گرہن کسی کی موت وحیات کی وجہ سے نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔(بخاری:1048)

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا(60)﴾

''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب نے بلاشبہ لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور ہم نے کوئی خواب جو آپ کو دکھایا اسے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش اور قرآن میں لعنت زدہ درخت بھی۔ہم انہیں ڈراتے ہیں تو یہ ڈرانا ان کو بہت بڑی سرکشی کے سوا زیادہ نہیں کرتا۔''(60)

سوال1:﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ﴾''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب نے بلاشبہ لوگوں کو گھیر رکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب نے بلاشبہ لوگوں کو گھیر رکھا ہے'' نبی ﷺ کو تبلیغ کی ترغیب دی گئی ہے اور آپ

ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری کی بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(2)لوگوں کوگھیر نے کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کوان سے محفوظ کر دیا جائے۔(3)﴿وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ﴾''اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کررہے تھے کہ وہ آپ کو قید کردیں، یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں اور وہ خفیہ تدبیریں کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ (بھی) خفیہ تدبیر کررہا تھا اور اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' (الانفال:30) (4)یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت سے لوگوں کوگھیر رکھا ہے۔پس ان کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں جہاں یہ چھپ سکیں اور کوئی پناہ گاہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر پناہ لے سکیں اور یہ چیز عقل مند کے لئے ان امور سے باز رہنے کے لئے کافی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جس نے تمام لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔(تفسیر سعدی:1472/2)

سوال2:''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کوگھیر لیا ہے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد اہل مکہ یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو میں ہیں۔آپ ﷺ بےخوف ہوکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا ئیں وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔(2)اس سے مراد یہ بھی ہے کہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہے جو وہ چاہیں گے وہ نہیں ہوگا۔ہوگا وہی جو رب چاہے گا۔(3)اس سے مراد آئندہ بدر کے میدان میں حاصل ہونے والی فتح بھی ہوسکتی ہے اور فتح مکہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے لوگوں کوگھیر رکھا ہے اور سب قابو میں آنے والے ہیں۔

سوال3:﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ﴾''اور ہم نے کوئی خواب جو آپ کو دکھایا اسے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش اور قرآن میں لعنت زدہ درخت بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾''اور ہم نے کوئی خواب جو آپ کو دکھایا اسے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش''اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شب معراج ہے۔(2)یعنی آپ ﷺ کو معراج میں جو منظر دکھایا گیا تھا وہ لوگوں کے لئے آزمائش تھی۔(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ رؤیا آنکھوں دیکھا واقعہ تھا جو رحمت عالم ﷺ کو پیش آیا، یعنی خواب نہ تھا۔(4)ابویعلی نے سیدہ ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات کو معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ ﷺ کی ہنسی اڑانے لگے اور نبی ﷺ سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ ﷺ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کردیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کردی۔اس پر ولید بن مغیرہ بولا یہ شخص جادوگر ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل کی۔(مظہری:57/7)(5)﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ﴾''اور قرآن میں لعنت زدہ درخت بھی'' قرآن مجید میں جس درخت کی برائی کی گئی وہ زقوم ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (۴۳) طَعَامُ الْاَثِیْمِ (۴۴)﴾''یقیناً زقوم کا درخت۔گناہ گار کا کھانا

ہے۔'' (الدخان:43,44)

سوال4: ﴿ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴾ ''ہم انہیں ڈراتے ہیں تو یہ ڈرانا ان کو بہت بڑی سرکشی کے سوا زیادہ نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''ہم انہیں ڈراتے ہیں تو یہ ڈرانا ان کو بہت بڑی سرکشی کے سوا زیادہ نہیں کرتا'' تخویف ان کی سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے اور شر کی محبت اور خیر سے بغض رکھنے اور خیر کی عدم پیروی کے بارے میں یہ بلیغ ترین پیرایہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1473/2) (2) معجزات کی وجہ سے دل کے اندر کی حالت نہیں بدلتی۔ چونکہ ان کے دِلوں کے اندر دشمنی اور انکار ہے اس وجہ سے ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

رکوع نمبر 7

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا (61) ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟'' (61)

سوال1: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا'' اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ اے رسول ﷺ اپنی قوم کے سامنے ابلیس کی آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کی اولاد سے دشمنی کا ذکر کرو۔ یہ قدیم دشمنی ہے اور اس وقت سے ہے جب آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو پیدا کیا گیا۔ (تفسیر مراغی: 334/5) (2) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے سے حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا اور ابلیس نے غرور کر کے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اس نے خود کو بڑا اور آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو حقیر جانا۔

سوال2: آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرنے کے واقعے سے ہمیں اطاعت اور نافرمانی کی حقیقت کے بارے میں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: (1) آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرنے کا واقعہ یہ بتاتا ہے کہ ماننے والے کیسے ہوتے ہیں اور نہ ماننے والے کیسے ہوتے ہیں؟ (2) فرشتوں نے آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیکھا اور اس کی اطاعت کر لی۔ (3) ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانا۔ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا تو اُسے محسوس ہوا کہ سجدہ کرنے سے میں چھوٹا ہو جاؤں گا اور آدم عَلَیْہِ السَّلَام بڑا۔ اس لیے وہ سجدہ کرنے میں ناکام ہو گیا۔ (4) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھتے ہیں اُن کے لیے تب حق کو ماننا مشکل ہو جاتا ہے جب اپنی ذات چھوٹی ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

سوال3: ﴿ قَالَ ءَ اَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ﴾''اس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب(1) ﴿ قَالَ ﴾''اس نے کہا''ابلیس نے اپنی بڑائی کو مادہ پیدائش میں دیکھا تو کہا۔(2) ﴿ءَ اَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ﴾''کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟''اس نے اپنے تئیں یہ گمان کیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتر ہے کیونکہ اسے آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔(3) ﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴾''اللہ تعالیٰ نے پوچھا:''تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟''اُس نے کہا:''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''(الاعراف:12)(4) قتادہ نے ان آیات کے بارے میں کہا: ابلیس کا آدم علیہ السلام سے اس چیز پر حسد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی اور اس نے کہا کہ میں آگ سے اور یہ مٹی سے بنا ہے اس طرح تکبر جیسے گناہ کا آغاز ہوا۔(ابن ابی حاتم:7/2336)

سوال4: کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کا ماننا کس طرح ممکن ہوتا ہے؟

جواب: جس وقت کوئی حکم کو حق کے اعتبار سے دیکھتا ہے تو وہ حق کو سمجھ کر مان لیتا ہے۔

سوال5: کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا کیسے مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھتے ہیں اُن کے لیے تب حق کو ماننا مشکل ہو جاتا ہے جب اپنی ذات چھوٹی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

﴿قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا(62)﴾

''اُس نے کہا: کیا تو نے دیکھا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے گا تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی پوری نسل کو ہر صورت جڑ سے اُکھاڑ پھینکوں گا۔''(62)

سوال1: ﴿قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴾''اُس نے کہا: کیا تو نے دیکھا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے گا تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی پوری نسل کو ہر صورت جڑ سے اُکھاڑ پھینکوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1) ﴿قَالَ ﴾''اُس نے کہا''ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر ڈھٹائی سے کہا۔(2) ﴿اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ

عَلَیَّ ﴾ ''کیا تو نے دیکھا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟'' ابلیس نے حسد سے کہا۔(3) ﴿لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ ﴾ ''یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے گا تو اس کی پوری نسل کو ہر صورت جڑ سے اُکھاڑ پھینکوں گا'' اگر آپ نے مجھے قیامت تک ڈھیل دے دی تو میں اس کی نسل کو گمراہ کر کے تباہ کر دوں گا۔ میں انہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دوں گا۔ (4) احتنک الفرس بمعنی گھوڑے کے منہ میں رسی یا لگام دینا اور المحنک اس آدمی کو کہتے ہیں جسے زمانے نے تجربہ کار بنا دیا ہو۔(منجد) گویا احتنک کے معنی کسی پر عقل اور تجربہ سے قابو پانا ہے اور شیطان کا دعویٰ یہ تھا کہ آدم اچھی طرح میرا دیکھا بھالا ہے اور میں اس پر اور اس کی اولاد پر قابو پا سکتا ہوں۔(تیسیر القرآن 2/594) (5) ﴿ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ ''بہت تھوڑے لوگوں کے سوا'' یعنی اولاد آدم علیہ السلام میں سے تھوڑے سے لوگ ہوں گے جو شیطان سے دشمنی رکھیں گے اور اس کی بات نہیں مانیں گے۔

سوال 2: احتناک کسے کہتے ہیں؟

جواب: احتناک گھٹی کو کہتے ہیں۔ عربوں کے یہاں گھٹی دینے کے لیے کھجوروں کو دانتوں کے نیچے پیس کر ملیدہ بنا کر بچے کے تالو پر لگا دیا جاتا تھا۔ یہاں شیطان کے احتناک سے مراد انسانی نسل کی جڑ کاٹنا ہے۔ اُن کی شخصیات کو، اُن کی فطرت کو کچل ڈالنا ہے۔

سوال 3: شیطان کے اغراض و مقاصد اور اس کے طریقہ واردات کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) شیطان کی انسانی دشمنی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو جہنم میں دھکیل کر جنت سے محروم کر دے۔ رب العزت نے اسی بارے میں آگاہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴾ ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم دشمن بنالو اُسے، یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تا کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہو جائیں۔'' (فاطر:6) (2) اس بنیادی مقصد کے ساتھ اس کے ذیلی مقاصد بھی ہیں جو اصل مقصد کی تکمیل کے لیے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کفر اور شرک میں مبتلا کرنا یعنی انسانوں کو غیر اللہ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت سے انکار کی دعوت دینا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: (i) ﴿ کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''جیسے شیطان کی مثال ہے جب اُس نے انسان سے کہا: ''کفر کر!'' پھر جب اس نے کفر کیا تو اس نے کہا: ''میں تجھ سے لاتعلق ہوں، یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔'' (الحشر:16) (ii) عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا۔ نبی ﷺ نے خطبہ میں فرمایا: لوگو! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ بات بتاؤں جس سے تم آگاہ نہیں ہو اور وہ بات اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی کہ میں نے جو کچھ اپنے بندے کو عطا کیا وہ اس کے لیے حلال ہے اور میں نے تمام بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا تھا، لیکن شیطانوں نے آکر انہیں اپنے دین سے پھیر دیا اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کرنے کا حکم دیا کہ جن کے لیے میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔'' (مسلم) ☆ گناہوں میں مبتلا کرنا: اگر وہ لوگوں کو کافر نہ بنا سکے تو ناامید نہیں ہوتا۔ ان سے چھوٹے گناہ کروا کے ان

کے دلوں میں دشمنی کی کاشت جاری رکھتا ہے۔(i) نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگو سنو شیطان اس بات سے قطعی ناامید ہے کہ اس شہر میں اس کی عبادت ہوگی مگر کچھ اعمال جن کو تم معمولی اور حقیر سمجھتے ہو، ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی سے خوش ہوگا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ) (ii) ''شیطان اس بات سے ناامید ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں گے۔ لیکن ان کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے کے سلسلے میں وہ ناامید نہیں۔'' (بخاری) (iii) شیطان لوگوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ج فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ﴾ ''بلاشبہ شیطان یہی ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟'' (المائدہ:91) (iv) شیطان برائی کا حکم دیتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَالۡفَحۡشَآءِ وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ ''وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔'' (البقرۃ:169) ☆ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکنا: شیطان جہاں برائی کا حکم دیتا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر کام سے روکنے کی کوشش کرتا ہے (i) نبی ﷺ نے فرمایا: ''شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اس کے اسلام کی راہ میں بیٹھتا اور کہتا ہے: ''کیا تم اسلام کی خاطر اپنا اور اپنے باپ داداؤں کا دین چھوڑ و گے؟'' بندہ اس کی بات ٹھکرا کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی ہجرت کی راہ میں بیٹھتا اور کہتا ہے: ''کیا تم ہجرت کی خاطر اپنا وطن، اپنا ماحول چھوڑ دو گے؟'' مہاجر کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو لمبی رسی میں کھونٹے سے بندھا ہوا ہو۔'' بندہ اس کی بات ٹھکرا کر ہجرت کے لئے چل پڑتا ہے۔ پھر وہ اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھتا اور کہتا ہے: ''جہاد کرو گے تو اس میں نفس اور مال کی پریشانی تو ہے ہی، اگر لڑائی ہوئی اور تم مار دیئے گئے تو تمہاری بیوی (کسی) دوسرے سے شادی کرلے گی اور تمہاری دھن دولت بھی ٹھکانے لگ جائے گی!'' بندہ اس کی بات ٹھکرا کر جہاد کے لیے نکل جاتا ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اگر اس کا قتل ہو تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اگر وہ ڈوب جائے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔ (صحیح الجامع 72/2) (ii) ابلیس کے اس عزم کا اظہار ان آیات سے بھی ہوتا ہے، رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (۱۶) ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ط وَلَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ (۱۷)﴾ ''ابلیس نے کہا: ''پھر اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے یقیناً میں اُن کے لیے آپ کے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھوں گا۔ پھر میں لازماً اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُن کے دائیں سے اور اُن کے بائیں سے اُن پر آؤں گا اور آپ اُن میں سے کثر کو شکر گزار نہ پائیں گے''۔ (الاعراف:17,16) ☆ عبادت اور اطاعت میں خرابی پیدا کرنا: اگر ابلیس لوگوں کو اطاعت سے نہ روک سکے تو وہ عبادت اور اطاعت کے کاموں کو خراب کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اجر وثواب سے محروم کر دے۔ (i) ایک صحابی رضی اللہ عنہ

نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ نماز خراب کرنے کے لیے شیطان میرے اور نماز کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور میری قراءت کو مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ شیطان ہے جس کو ''خنزب'' کہا جاتا ہے۔ اگر تمہیں اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور بائیں جانب تین بار تھوکو، تو صحابی کہتے ہیں کہ ''میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز ختم کر دی۔'' (مسلم:2203) (ii) جب بندہ نماز شروع کرتا ہے تو شیطان اس کے دل و دماغ پر سوار ہو کر اس کے دل میں ہزاروں خیالات ڈالتا اور اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر کے دنیا کے مسائل میں الجھا دیتا ہے۔ (iii) جب شیطان کو اذان کی آواز آتی ہے تو وہ گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تا کہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اذان ہونے پر وہ واپس آجاتا ہے اور پھر سے وسوسہ پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر اقامت کی آواز سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے تا کہ اس کی آواز نہ سن سکے، اقامت ختم ہونے پر وہ واپس ہو جاتا ہے اور پھر سے وسوسہ پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔'' (مسلم) (iv) ایک رایت میں ہے کہ ''جب اقامت ختم ہوتی ہے تو آتا ہے اور انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے: ''فلاں بات یاد کرو ،فلاں چیز یاد کرو۔'' اس کو ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو پہلے یاد نہیں تھیں، اس میں الجھ کر آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔'' (مسلم وبخاری) ☆ رحمٰن کی ہر مخالفت شیطان کی اطاعت ہے: رب العزت نے فرمایا: (i) ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ج وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (۱۱۷) لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (۱۱۸) ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور وہ سرکش شیطان کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے اور اس (شیطان) نے کہا کہ یقیناً میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ ضرور لے لوں گا۔'' (النساء:118,117) (ii) شیطان بے حیائی کے کام کروانے کے لیے مفلسی کا وعدہ دیتا ہے: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''شیطان تمہیں مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور تمہیں شرمناک بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ:268) ☆ جسمانی اور ذہنی ایذا رسائی: جس طرح شیطان انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ مسلمان کو جسمانی اور ذہنی طور پر پریشان کرنا چاہتا ہے۔ (الف) نبی ﷺ پر حملہ: (i) شیطان نے نبی ﷺ پر حملہ کیا تھا اور آپ ﷺ کے چہرے پر پھینکنے کے لیے آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا۔ (ii) شیطانی خواب: شیطان پریشان کرنے کے لیے خواب دکھاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''انسان نیند کی حالت میں جو خواب دیکھتا ہے وہ تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک رحمانی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے، دوسرا شیطانی جو انسان کو رنجیدہ کرنے کے لیے شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا نفسانی جس میں انسان اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے۔'' (صحیح الجامع:184/3, 185) (iii) ''اگر کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسے چاہئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور خواب لوگوں سے بیان کرے۔ اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور خواب کسی سے بیان نہ کرے کیونکہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔'' (بخاری) ☆ گھروں میں آتش زدگی: شیطان

یہ کام حیوانات کے ذریعے کرواتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم لوگ سونے چلو تو چراغ بجھا دو کیونکہ شیطان اس طرح کے حیوانوں (چوہوں) کو ایسی چیزوں (چراغ) کی طرف لاتا اور تمہارے مکانوں میں آگ لگا دیتا ہے۔'' (ابوداود، صحیح ابن حبان) ☆ موت کے وقت شیطان کا انسان کو جھنجھوڑنا۔ نبی ﷺ موت کے وقت شیطان کے وسوسہ سے پناہ مانگنے کے لیے دعا کرتے تھے۔ ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِیْ وَالْھَدْمِ ،وَالْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَوْتِ لَدِیْغًا﴾ ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گر کر ہلاک ہونے، عمارت میں دبنے، ڈوبنے اور جلنے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں موت کے وقت شیطان کے جھنجھوڑنے سے اور اس بات سے کہ میں تیری راہ میں پشت دکھا کر مروں، اور پناہ چاہتا ہوں کہ کسی جانور کے ڈسنے سے میری موت واقع ہو'' (صحیح الجامع:405/1) ☆ پیدائش کے وقت شیطان کا بچے کو تکلیف دینا'' شیطان ہر بنی آدم کو اس کی پیدائش کے وقت تکلیف دیتا ہے جس سے بچہ چیخ اٹھتا ہے، مگر مریم اور اس کا بیٹا اس سے محفوظ رہے۔'' (بخاری) ☆ طاعون کی بیماری جنون سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا خاتمہ میدان جہاد کے نیزوں اور طاعون کی بیماری سے ہوگا وہ جنّوں کے کچوکے کا نتیجہ ہے۔ دونوں حالتوں میں شہادت نصیب ہوگی۔'' (صحیح الجامع:90/4) ☆ استحاضہ شیطان کی رگڑ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے استحاضہ (وہ خون جو حیض کی مقررہ مدت کے بعد کسی بیماری کی وجہ سے جاری رہے) والی عورت سے فرمایا تھا: یہ شیطان کی رگڑ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (صحیح الجامع:196/3) ☆ انسان کے کھانے، پانی اور گھر میں شیطان کا حصہ۔ (i) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ کسی کھانے میں شرکت کرتے تو اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک کہ نبی ﷺ خود شروع کرنے کے لیے اپنا دست مبارک نہ بڑھا دیتے۔ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھانے میں شریک ہوئے، تب ہی ایک لونڈی تیزی سے آئی جیسے کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہو اور کھانے میں ہاتھ بڑھانے لگی۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر ایک دیہاتی اسی کیفیت کے ساتھ آیا۔ نبی ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھانے کے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰہِ﴾ نہ کہا جائے تو شیطان اس کھانے کو حلال سمجھتا ہے۔ شیطان کھانا حلال کرنے کے لیے اس لونڈی کو ساتھ لایا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اس دیہاتی کو لے آیا تا کہ اس کے ذریعہ سے (کھانے کو) حلال کرے۔ میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس شیطان کا ہاتھ لونڈی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔'' (مسلم) (ii) ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دروازہ بند کرو۔ شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا، مشکیزے کا منہ بند کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو، برتن ڈھانپ دو اور اللہ تعالیٰ کا نام لو اور چراغ بجھا دو'' (iii) ''جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے اس کے ساتھ شیطان کھاتا ہے، جو بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اس کے ساتھ شیطان پیتا ہے'' (مسند احمد) ☆ آسیب زدگی: علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ: ''انسان کے جسم میں جن کا داخل ہونا باتفاق ائمہ اہل سنت و جماعت ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ '' جو لوگ

سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھوکر دیوانہ بنا دیا ہو' (البقرۃ:275) (مجموعہ فتاویٰ، جلد 24، صفحہ 276) (3) شیطان کے پھندے میں وہ پھنستا ہے جو حق کو نظرانداز کرتا ہے اور حق کو تسلیم کرنے کی صورت میں اپنی ذات کو چھوٹا محسوس کرتا ہے۔

سوال4: انسان شیطان کے پھندوں سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب: (1) انسان اگر شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے لے تو انسان کے لیے بچاؤ کا راستہ بن جاتا ہے۔ (2) انسان اپنی غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر آئندہ کبھی وہ غلطی نہ کرنے کا ارادہ کر کے شیطان کے پھندوں سے بچ سکتا ہے۔

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (63)﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! پھر ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تم سب کا پورا پورا بدلہ یقیناً جہنم ہی ہے۔'' (63)

سوال1: ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! پھر ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تم سب کا پورا پورا بدلہ یقیناً جہنم ہی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اذْهَبْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا!'' ابلیس نے رب العزت سے مہلت مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (۳۷) اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (۳۸)﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک تو مہلت دیئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ ایسے وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔'' (الحجر:38,37) (2) ﴿فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ﴾ ''پھر ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا'' یعنی جس نے بھی اپنے رب کو چھوڑ کر تجھے اپنا سرپرست بنالیا۔ پھر جو تیری پیروی کرے گا، کے الفاظ بتاتے ہیں کہ انسان کو اس دُنیا میں آزادی حاصل ہے چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور چاہے تو شیطان کی سجھائی ہوئی راہ پر۔ (3) یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ شیطان کو دُنیا میں آزادی حاصل ہے کہ انسان کے اُوپر محنت کر کے اُسے اپنا ساتھی بنالے۔ (4) ﴿فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ ''تم سب کا پورا پورا بدلہ یقیناً جہنم ہی ہے'' تمہارے لیے اور تمہارے پیروکاروں کے لیے جہنم کا ایندھن بننا مقدر ہے۔ وہ تمہارے اعمال کی پوری پوری جزا ہے۔ تمہاری نافرمانیوں کا پورا پورا بدلہ ہے۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ اَقُوْلُ (۸۴) لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (۸۵)﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں۔ کہ میں تجھ سے اور اُن تمام لوگوں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا جنہوں نے اُن میں سے تیری پیروی کی ہے۔'' (ص:85,84)

سوال2: انسان شیطان کی پیروی کیسے کرتا ہے؟

جواب۔(1) شیطان انسان کے اندر وسوسوں کے توسط سے داخل ہو جاتا ہے۔اس طرح انسان کے اندر سیدھا راستہ گم کرنے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔(2) شیطانی خیالات کی وجہ سے انسان کے اندر ہدایت حاصل کرنے کی استعداد کم ہو جاتی ہے۔(3) شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک نہیں کہتا۔(4) شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی آیات سے اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے منہ موڑ لیتا ہے۔(5) شیطان بے حقیقت چیزوں کو خوش نما بنا کر انسان کے سامنے بڑی حقیقت کے طور پیش کرتا ہے۔(6) شیطان اپنی آواز سے اور خوب صورت الفاظ سے لوگوں کو پکارتا ہے۔(7) شیطان مال اور اولاد میں انسان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا(64)﴾

''اور بہکا دے ان میں سے جن کو تو اپنی آواز سے بہکا سکے اور ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے چڑھا لا اور اُن کے مال اور اُن کی اولاد میں اُن کے ساتھ شریک ہو جا اور اُن سے وعدے کر اور شیطان اُنہیں دھوکے کے سوا کوئی وعدہ نہیں دیتا۔'' (64)

سوال1: ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ﴾ ''اور بہکا دے ان میں سے جن کو تو اپنی آواز سے بہکا سکے اور ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے چڑھا لا اور اُن کے مال اور اُن کی اولاد میں اُن کے ساتھ شریک ہو جا اور اُن سے وعدے کر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ﴾ ''اور بہکا دے ان میں سے جن کو تو اپنی آواز سے بہکا سکے'' شیطان کی آواز سے مراد لہو و لعب کی چیزیں، گانے کی آواز اور باجے ہیں۔(2) مجاہد نے فرمایا کہ لہو اور گانا۔(3) یعنی اپنی رنگ برنگ آوازوں سے جیسے چاہے بہکا لے۔اس سے گانے باجے اور دیگر لہو و لعب کی چیزیں مراد ہیں۔جو آواز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلائے وہی شیطانی آواز ہے۔(مختصر ابن کثیر:1057/1)(4) شیطان کی آواز سے مراد ہر وہ پکار ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتی ہو اور یہ آواز عموماً شیطان کے چیلوں چانٹوں سے ہی آتی ہے۔پھر اس شیطانی آواز میں ہر قسم کا گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، گانا بجانا، موسیقی، راگ رنگ اور مزامیر طرب و نشاط کی محفلیں سب کچھ آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے انسان کو غافل بنا کر رکھتی ہیں اور اس کی اصل فطرت پر پردہ ڈالے رکھتی ہیں۔(تیسیر القرآن:594/2)(5) اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو معصیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔(6) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔(ابن کثیر:223/3)(7) ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِکَ وَرَجِلِکَ﴾ ''اور ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے چڑھا لا'' (i) اس سے تکوینی امر مراد ہے۔جیسے رب العزت نے

فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾﴾ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں پر شیاطین بھیج دیے ہیں جو انہیں اُبھار رہے ہیں، خوب اُبھارنا۔'' (مریم:83) (ii) جو گناہوں کے لیے پیدل چل کر یا سواری پر جائے وہ شیطانی لشکر ہے۔ کچھ جن اور کچھ انسان شیطان کے سوار اور پیادے ہیں جو اسے مانتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:1057/1) (iii) ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سوار ہو کر یا پیدل بھاگ دوڑ کرتا ہے، شیطان کے سواروں اور پیادوں میں داخل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کھلے دشمن کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے جو اپنے قول وفعل کے ذریعے سے ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1474،1475/2) (4) شیطان کے سوار اور پیادوں سے مراد شیطان کے لشکر ہیں۔ یہ انسانوں اور جنوں میں سے شیطان کے پیروکار ہیں۔ جو اُس کے حکم سے نکلتے ہیں اور انسانوں کو بہکاتے ہیں۔ اُنہیں رب کے سیدھے راستے پر آنے نہیں دیتے۔ (5) نسل انسانی سے جنگ کرنے کے لیے ابلیس ہی نقشہ مرتب کرتا اور قیادت کا کردار انجام دیتا ہے۔ مرکز سے مختلف علاقوں میں فوجی دستے اور ٹکڑیاں روانہ کی جاتی ہیں۔ مشاورتی اجلاس منعقد ہوتے ہیں جن میں شیطان اپنی فوجوں سے ان کی کارگزاری کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا ہے۔ جن لوگوں نے انسانوں کو خوب گمراہ کیا، ان کو خوب سراہتا ہے۔ (6) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر وہاں سے لوگوں کے پاس فوجی دستے روانہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک سب سے معزز فوجی وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ گر ہو، ایک فوجی آکر کہتا ہے: ''میں فلاں کے پیچھے پڑا تھا اور اس سے ایسا ایسا کہلوا کر چھوڑا۔'' ابلیس کہتا ہے: ''میاں تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' پھر دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے: ''میں نے فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کے اہل وعیال کے درمیان پھوٹ نہ ڈال دی۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''تب شیطان اسے اپنے قریب کر لیتا اور کہتا ہے: ''شاباش! تم کام کے ہو۔'' (مسلم) (7) نبی ﷺ نے ابن صائد سے کہا: ''تمہیں کیا نظر آتا ہے؟'' اس نے کہا: ''سمندر کی سطح پر ایک تخت نظر آتا ہے جس کے اردگرد بہت سارے سانپ ہیں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابن صائد نے صحیح کہا۔ وہ ابلیس کا تخت ہے۔'' (مسند احمد) (8) لوگوں کو گمراہ کرنے کے میدان میں شیطان کو طویل تجربہ حاصل ہے۔ اسی لیے وہ بڑی فنکاری کے ساتھ منصوبہ سازی کرتا اور ڈورے ڈالتا ہے۔ جس دن انسانیت کا آغاز ہوا اسی دن سے شیطان زندہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾﴾ ''اُس نے کہا: ''اے میرے رب! پھر مجھے تو اُس دن تک مہلت دے جب وہ اُٹھائے جائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک تو مہلت دیئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ ایسے وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔'' (الحجر:36-38) (9) جس شرانگیزی کے لیے اس نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے اس میں وہ تندہی اور جانفشانی سے کام کر رہا ہے، اسے نہ تھکن محسوس ہوتی ہے نہ سستی۔ حدیث میں ہے: ''شیطان نے کہا: ''تیری عزت وجلال کی قسم! جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح رہے گی میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا۔'' رب نے فرمایا: ''میری عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے بخشش طلب کریں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا۔'' (صحیح

الجامع:72/2)(10) ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ " اُن کے مال اوراُن کی اولاد میں اُن کے ساتھ شریک ہوجا" مال میں شیطان کی شراکت سے مراد ہےحرام ذریعے سے مال کمانا اورخرچ کرنا، جانوروں کوبتوں کے نام وقف کرنا مثلاًعربوں کے یہاں بحیرہ، سائبہ اوروصیلہ وغیرہ جانور بتوں کے نام پرآزاد کیے جاتے تھے۔مال میں شیطان کی شراکت سے مرادحرام طریقے سے دولت کمانا،حرام راستے پردولت لٹانا، گناہ اورزیادتی کے کاموں میں دولت لٹانا بھی ہے۔(11)(i)اولاد میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد کوبتوں کے نام پر وقف کردیا جائے۔(ii)اولاد کے غیراسلامی نام رکھنا مثلاً پیراں دتہ،غلام نبی وغیرہ۔(iii)اولاد کی غیراسلامی طریقے سے تربیت کرنا۔(iv)اولاد کے بُرے اخلاق وکردار پرمطمئن رہنا۔(v)اولاد کوغربت کے خوف سے ہلاک کرنا۔(vi)اولاد کوغیراسلامی تہذیب کا نمائندہ بنانا۔(12)اس میں ہروہ معصیت شامل ہے جوان کے مال اوراولاد سے متعلق ہے،مثلاً زکوٰۃ ،کفارات،حقوق واجبہ ادانہ کرنا،اولاد کی بھلائی اختیارکرنے اورشرکوترک کرنے کی تربیت نہ کرنا،ناحق مال لینایا مال کوناحق خرچ کرنااورروزگار میں حرام ذریعے اختیارکرناوغیرہ بلکہ بہت سے مفسرین ذکرکرتے ہیں کہ کھانا کھاتے ،پانی پیتے اور جماع کرتے وقت بسم اللہ سے ابتدانہ کرنا،مال اوراولاد میں شیطان کوشریک کرنے میں داخل ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ان مذکورہ کاموں میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تواس میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔(صحیح بخاری،:5376)(تفسیر سعدی:1474/2،1475)(13)یعنی تم ان کے ساتھ سچا سچا کرجھوٹے وعدے کروجن کی کوئی حقیقت نہیں۔

سوال2:﴿ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾''اورشیطان انہیں دھوکے کےسواکوئی وعدہ نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورشیطان انہیں دھوکے کےسواکوئی وعدہ نہیں دیتا'' شیطان ان کے ساتھ جووعدہ کرتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔یعنی وہ ان کے سامنے نافرمانیوں اورعقائد کی خرابیوں کوسجا کرپیش کرتا ہےاوراجرکا وعدہ کرتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲۶۸)﴾"شیطان تمہیں مفلسی کا خوف دلاتا ہےاور تمہیں شرمناک بخل کا حکم دیتا ہےاوراللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سےبخشش اورفضل کا وعدہ دیتا ہےاوراللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا،سب کچھ جاننے والا ہے۔''(البقرۃ:268)(2)﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ط وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ج فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ط اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ط اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲۲)﴾''اورشیطان کہے گا،جب کام کا فیصلہ کردیا جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نےتم سے جووعدہ کیا،وہ سچا وعدہ تھااور میں نےتم سے جووعدہ کیا تھا سومیں نےتم سےخلاف ورزی کی اورمیرا تم پرکوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نےتمہیں بلایا توتم نے میرا کہا مان لیا،چنانچہ مجھے ملامت نہ کرواورخود ہی کوملامت کرو۔میں تمہاری فریادرسی کرنے والانہیں ہوں اورتم میری فریادرسی کرنے والےنہیں ہو،یقیناً میں بالکل انکارکرتا ہوں کہ اس سے پہلےتم نے مجھے شریک بنایا تھا،ظالموں کے لیے یقیناًدردناک عذاب ہے۔''(ابراھیم:22)

سوال3:غروراورفریب سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد غلط کام کو اتنا خوب بصورت بنا کر دِکھانا ہے کہ وہ اچھا لگے اور بالکل ٹھیک لگے۔

سوال:اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ واردات کو کس طرح پیش کیا ہے؟

جواب4:اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ واردات کو مجسم انداز میں پیش کیا ہے۔یہ ایک کھلی جنگ کا نقشہ ہے جس میں گھوڑے ہیں، پیدل لشکر ہیں، آوازیں ہیں جس میں روایتی جنگوں کی طرح ہر قسم کے ہتھیار ہیں، جنگی چالیں ہیں۔گھیرے میں لینا اور وار کرنا ہے۔یوں ابلیس اور آدم کے درمیان جاری جنگ کے لیے انسانی شعور کو جھنجھوڑا گیا ہے۔

﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا (65)﴾

''میرے بندوں پر بلاشبہ تجھے کوئی غلبہ نہیں اور آپ کا رب ہی کارساز کافی ہے۔''(65)

سوال1:﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ﴾''میرے بندوں پر بلاشبہ تجھے کوئی غلبہ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب(1)﴿اِنَّ عِبَادِیۡ﴾''میرے بندوں پر بلاشبہ''اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے اُن بندوں کو اعزاز بخشا ہے جن پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا ہے۔(2)﴿لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ﴾''تجھے کوئی غلبہ نہیں''اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ شیطان انسان کے مقابلے میں زیادہ تر ہے۔اس کے لشکر، سوار اور پیادے کثیر ہیں اور وہ انسان کو ہر طرح سے گھیر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ایسے قلعوں میں محفوظ ہوتے ہیں جہاں شیطان اپنی طاقتوں کے باوجود عاجز آجاتا ہے۔

سوال2: شیطان کا داؤ کن لوگوں پر چلتا ہے؟

جواب: شیطان کا داؤ صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو ضعیف الاعتقاد اور پہلے ہی شیطانی عمل پر لبیک کہنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں اور جن کے لیے حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں کے کئی دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ایک دروازے سے مقصد حل نہ ہو تو دوسرے دروازے پر چلے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر لیتے ہیں۔ایسے لوگ فوراً شیطان کی چالوں میں پھنس جاتے ہیں۔

سوال3: شیطان سے بچاؤ کے قلعے کون سے ہیں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا﴿اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ﴾ پڑھنا۔(2)﴿لَاحَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھنا۔(3)اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں کے ساتھ جڑ کر رہنا جو اپنی اور اپنے معاشرے کی اصلاح کا کام کر رہے ہوں۔(4)اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ خصوصی تعلق قائم کرنا۔اُسے سیکھنے، سکھانے، اس پر غور و فکر کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا۔(5)سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ''ایک آدمی کی مثال ہے کہ اس کے پیچھے بڑی تیزی سے دشمن لگا ہوا ہے، تو جب وہ کسی مضبوط قلعے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس نے دشمن سے اپنے آپ کو بچالیا، اب اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے صرف ذکرالٰہی کے ذریعے سے بچا پاتا ہے۔'' (ترمذی2863)

سوال4: ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴾ ''اور آپ کا رب ہی کارساز کافی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1) ''اور آپ کا رب ہی کارساز کافی ہے'': جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔(2) جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کا کارساز بن جاتا ہے۔(3) جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کا دوست بن جاتا ہے۔(4) نبی ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو مومن اپنے شیطان کو اس طرح لاغر کر دیتا ہے جس طرح کوئی شخص سفر میں اپنا اونٹ دبلا کر دیتا ہے یا اونٹ کی طرح اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔(مسند احمد)

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَـكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (66) ﴾

''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تا کہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو، یقیناً وہ ہمیشہ سے تم پر رحم کرنے والا ہے۔''(66)

سوال1: ﴿ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَـكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ ''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تا کہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو، یقیناً وہ ہمیشہ سے تم پر رحم کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَـكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ ﴾ ''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کو گہرے تاریک سمندروں میں چلتی کشتی یا جہاز میں پہنچا دیا ہے جو سمندر میں ایک نکتے کی طرح ہوتا ہے۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کے رحم و کرم پر لوگ خوف کے مارے کشتی سے چمٹے ہوئے ہیں۔ رُکی ہوئی سانسیں، اُڑے ہوئے چہرے، بیٹھے ہوئے دل۔ ایسے جیسے سخت طوفان میں اُڑتا ہوا ایک پتہ۔ اس طلاطم میں انسان کے اندر سے super Power کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا تعارف کرواتا ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تا کہ تم اُس کا فضل تلاش کرو اور تمہارا رب رحم کرنے والا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی مہربانی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اس نے بندوں کے لیے کشتیوں کو مسخر کر دیا۔(3) کشتی سازی کی صنعت اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعے عطا فرمائی۔(4) اسی نے ٹھاٹھیں مارتا سمندر انسانوں کے لیے مسخر کر دیا جس کی پشت پر کشتیاں اور جہاز تیرتے ہیں تا کہ لوگ ان پر سوار ہوں اور مال کے نقل و حمل کا فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر بے پناہ رحمت ہے کہ وہ انہیں ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے جن سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔(5) ﴿ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''تا کہ تم اس کے فضل

میں سے تلاش کرو‘ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز انسان کے قبضے میں کر دیئے تاکہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر کے تجارتی فائدہ حاصل کر سکیں۔(6)﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ ”یقیناً وہ ہمیشہ سے تم پر رحم کرنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بندوں پر نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رحمت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت ہے کہ اُس نے سمندروں کو انسان کے لیے مطیع کر دیا۔(2) اللہ تعالیٰ نے سمندروں کے ذریعے بحری تجارت کے اسباب پیدا کر دیے۔(3) اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں انسانوں کے لیے نفع مند چیزیں رکھ دیں۔

﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (67)﴾

”اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ جاتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بڑا ناشکرا ہے۔“(67)

سوال 1: ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ ”اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1)﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ﴾ ”اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے“ یعنی جب سمندر میں تمہیں تکلیف پیش آتی ہے۔(2) یعنی جب کشتی دوران سفر مشکلات کا شکار ہوتی ہے۔ کشتی کے ہچکولوں سے انسان کو اپنی موت یقینی نظر آتی ہے۔(3)﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں“ جب سمندر میں موجوں کی وجہ سے وہ ہلاکت سے ڈرتے ہیں تو دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں۔(4) کشتی کے ہچکولے تمام باطل معبودوں کو بھلا دیتے ہیں۔(5) ہمہ گیر خطرہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور انسان صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس سے دُعائیں کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

سوال 2: ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ ”پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ جاتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بڑا ناشکرا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ﴾ ”پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ جاتے ہو“ جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور کر کے انہیں سمندر کی ہلاکت میں سے بچا لیتا ہے تو وہ بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔(2)(i) انسان خوف

کے لمحات کو بھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی بھول جاتا ہے۔(ii) سمندر کے خطرات میں انسان کی فطرت سے جو پردے ہٹ جاتے ہیں وہ دوبارہ دل پر آجاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں۔اس طرح اپنے رب سے منہ موڑ لیتے ہیں۔(3) انسان عافیت کی حالت میں اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔(4) ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴾ ''اور انسان ہمیشہ سے بڑا ناشکرا ہے'' بے شک انسان ایک اللہ کو پکارنے سے اعراض کرتے ہیں۔وہ رب کی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں بلکہ ان کو مانتے بھی نہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق بخشے۔(مختصر ابن کثیر 1059/1) (5) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سخت ناسپاس ہے۔(6) انسان کی طبیعت میں ہی ناشکری داخل ہے۔

﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿68﴾﴾

''تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے؟ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ گے؟''(68)

سوال:﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴾ ''تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے؟ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ ﴾ ''تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب دھنسا دے'' یعنی کیا تم سمندر سے خشکی پر آکر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ گئے ہو؟ کیا وہ تمہیں خشکی کے کسی حصے میں دھنسا نہیں سکتا؟ (2)﴿ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ﴾ ''یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے؟'' (i) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ خشکی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے جب چاہے تمہیں دھنسا سکتا ہے۔پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج سکتا ہے۔(ii) سمندر اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں وہ چاہے تو سمندری طوفان تم پر چڑھا سکتا ہے پھر تم کیسے امن میں آسکتے ہو؟ (iii) کوئی آتش فشاں پھٹ پڑے، لاوے اور پتھروں کی بارش برسا دے اور سب ہلاک ہو جائیں پھر تم کوئی مددگار اور کارساز نہ پاؤ گے جو تمہیں بچا سکے۔(iv) جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو یا فرد کو قابو کرلے تو پھر کون اُسے بچا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے اور انسان بے اختیار ہے۔(6) رب العزت نے فرمایا:﴿ حِكْمَةٌ م بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾﴾ ''کامل دانائی کی بات ہے، پھر بھی تنبیہات انہیں فائدہ نہیں دیتیں۔''(القمر:5) (7)﴿ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ط فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿١٧﴾﴾ ''کیا تم اُس سے بے خوف ہو گئے کہ جو آسمان میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے؟ تو اچانک وہ ہچکولے کھانے لگے۔کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو

آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے؟ پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا؟'' (الملک:17,16)(8)﴿ ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴾ '''' پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ گے'' تم اپنے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو تم پر سے ہٹا دے اور تمہیں اس آفت سے بچا لے۔

﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا(69) ﴾

''یا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوسری بار اس میں لے جائے؟ پھر تم پر توڑ دینے والی آندھی بھیج دے پھر وہ تمہیں غرق کر دے اس کی وجہ سے جو تم نے کفر کیا، پھر تم اپنے لیے اس پر ہمارے خلاف پیچھا کرنے والا کوئی نہ پاؤ گے۔'' (69)

سوال: ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوسری بار اس میں لے جائے؟ پھر تم پر توڑ دینے والی آندھی بھیج دے پھر وہ تمہیں غرق کر دے اس کی وجہ سے جو تم نے کفر کیا، پھر تم اپنے لیے اس پر ہمارے خلاف پیچھا کرنے والا کوئی نہ پاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے'' یعنی کیا تم اس سے محفوظ ہو؟ (2) ﴿ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوسری بار اس میں لے جائے؟'' اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ تم کیسے بے خوف ہو گئے ہو کہ دوبارہ سمندری سفر پر نہ جاؤ گے۔ (3) ﴿ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ ﴾ ''پھر تم پر توڑ دینے والی آندھی بھیج دے'' اور تمہیں ایسی سخت ہوا سے ہلاک نہ کیا جائے گا جو جہاں سے گزرے ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے؟ (4) ﴿ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ ''پھر وہ تمہیں غرق کر دے اس کی وجہ سے جو تم نے کفر کیا'' یعنی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ سمندری سفر پر لے جائے اور تم پر ایسا طوفان بھیجے جو تمہاری کشتی کو تمہاری ناشکری کی وجہ سے غرق کر دے؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴾ ''اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔'' (الشمس:15) (5) ﴿ ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴾ ''پھر تم اپنے لیے اس پر ہمارے خلاف پیچھا کرنے والا کوئی نہ پاؤ گے'' یہ بتاؤ ایسی صورت حال میں وہ کون سا معبود، کون سا حمایتی ہے جو تمہاری طرف داری کرتے ہوئے ہم سے باز پرس کر سکے؟ یعنی اس سلسلے میں تمہیں کوئی ایسا مددگار نہ ملے گا جو تمہارے جانے کے بعد تمہارا انتقام لے۔ اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا تعاقب کر سکے؟ کون ہے جو تاوان کا مطالبہ کر سکے؟ اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (70)﴾

''اور بلا شبہ ہم نے یقیناً اولادِ آدم کوعزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور ہم نے جن کو پیدا کیا ان میں سے ،بہت سوں پر انہیں فضیلت دی ، بڑی فضیلت دینا''۔(70)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ ''اور بلا شبہ ہم نے یقیناً اولادِ آدم کوعزت دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور بلا شبہ ہم نے یقیناً اولادِ آدم کوعزت دی ہے''اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کوعزت وتکریم دی۔انہیں اچھی صورت عطا کی۔معتدل قد وقامت اور عقل عطا کی۔پھر انہیں زبانوں اور صنعتوں کی معرفت دی اور وسائل معاش میں عمدہ غور وفکر کی صلاحیت دی اور زمین پر غلبہ دیا اور اوپر اور نیچے والے جہانوں کو ان کے لیے مسخر کیا۔(تفسیر مراغی:5/340،339)(2)رب العزت نے فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (٤)﴾ ''پھر ہم نے اُس کولوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا''(التین:4)(3)اللہ تعالیٰ کا بے پناہ احسان ہے کہ انسان دونوں پاؤں پر سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے، ہاتھوں سے اٹھا کر کھاتا ہے،کان، آنکھ اور دل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔اچھی بری چیزوں میں تمیز کر سکتا ہے۔چیزوں کے خواص سے واقف اور ان کے نقصانات پہچانتا ہے۔دینی اور دنیاوی امور کے نفع ونقصان کو سمجھتا ہے۔(4)اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے انبیاء بھیج کر، کتابیں نازل کر کے عزت عطا کیا اور انسانوں میں سے ایسے افراد پیدا کیے جن کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں۔(5)(i)اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ شکل وصورت عطا کی جو کسی مخلوق کو عطا نہیں کی۔(ii)اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور اور ارادہ عطا کیا۔(iii)ساری مخلوقات پر دوسرے کسی نہ کسی اعتبار سے اختیار رکھتے ہیں اور انسان دوسروں پر اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے۔دریا بے اختیار ہیں نشیب کی طرف بہتے ہیں انسان اپنے اختیار سے بلندیوں کا سفر کرتا ہے اور پہاڑ کے اُلٹے رُخ چل سکتا ہے۔(iv)انسان کے لیے دُنیا میں سب سے اچھا رزق رکھا گیا۔درخت انسان کے لیے غذا تیار کرتے ہیں۔جانور اپنی غذا کو دُودھ اور گوشت کی شکل میں انسان کے لیے تیار کرتے ہیں۔انسان اپنی عقل سے اپنے آرام کے لیے چیزیں تیار کرتا ہے۔انسان اسی عقل سے دوسری مخلوقات کو تابع کر لیتا ہے۔

سوال2: ﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ''اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ﴾ ''اور ہم نے انہیں خشکی میں سوار کیا''یعنی ہم نے انہیں زمینی سواریاں دیں جیسے جانور اور گاڑیاں اور فضائی طیارے۔(2) ﴿وَالْبَحْرِ﴾ ''اور سمندر میں'' سمندر میں کشتیاں اور بحری جہازوں پر سوار کیا۔(3)(i)اللہ تعالیٰ کے انتظامات کی وجہ سے خشکی اور تری میں سواریوں کا ملنا ممکن ہوا۔(ii)اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کے لیے معاون بنا دیا۔اسی وجہ سے سرکش قوتیں

انسان کے تابع ہو جاتی ہیں۔اسی وجہ سے خشکی اور تری میں انسان کی حکومت قائم ہے۔(iii) اللہ تعالیٰ نے خشکی میں گھوڑے، گدھے، خچر، اُونٹ اور دیگر گاڑیاں، ریلیں، بسیں، ہوائی جہاز وغیرہ سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا اور سمندر میں کشتیاں، جہاز وغیرہ عطا کیے۔

سوال3: ﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ ''اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا'' یعنی انہیں نباتات اور حیوانات میں سے پاک غذائیں مہیا کیں۔(2) یعنی ہم نے انہیں ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور بیویاں عطا کیں، چنانچہ ہر وہ پاک چیز جس کے ساتھ ان کی ضروریات وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کو مشرف فرمایا اور اس کا حصول ان کے لئے نہایت آسان کر دیا۔(تفسیر سعدی:1477/2) (3) یعنی انسان کو نفیس پھل اور غلے، گوشت اور دودھ عطا کیے۔ ذائقے اور نعمتیں دیں، رنگ رنگ کے کھانے اور طرح طرح کے لباس دیے۔

سوال4: ﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ ''اور ہم نے جن کو پیدا کیا ان میں سے بہت سوں پر انہیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1) ''اور ہم نے جن کو پیدا کیا ان میں سے بہت سوں پر انہیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا'' یعنی ہم نے انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت عطا کی۔(2) یعنی ہم نے انہیں بہت سے مناقب کے ذریعے سے خصوصی اعزاز بخشا اور انہیں بہت سے فضائل عطا کئے جو مختلف اقسام کی دیگر مخلوقات کو عطا نہیں کئے۔ پھر وہ اس ہستی کا شکر نہیں کرتے جس نے نعمتیں عطا کیں، تکالیف دور کیں؟ یہ نعمتیں انہیں اللہ تعالیٰ سے محجوب نہ کریں کہ وہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر اپنے رب کی عبادت سے غافل ہو جائیں بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان نعمتوں کو اپنے رب کی نافرمانی میں استعمال کیا۔(سعدی:1478/2)

رکوع نمبر:8

﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (71)﴾

''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بُلائیں گے پھر جس کو اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو یہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔(71)

سوال1: ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِم﴾ ''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بُلائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِم﴾ ''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بُلائیں گے'' (1) امام سے مراد پیشوا

اورلیڈر ہیں۔ یہاں اس سے مراد پیغمبر بھی ہے۔(2)اس سے مراد آسمانی کتاب ہے جوانبیاء علیہم السلام کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔(3)امام سے مرادنامہ اعمال ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہر شخص آئے گا تو اس کا نامہ اعمال اُس کے ساتھ ہوگا۔اس رائے کوامام ابن کثیراورامام شوکانی نے ترجیح دی ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (٤٧) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾''اور ہر اُمت کے لیےایک رسول ہےتوجب کسی اُمت کارسول آجاتا ہےتو اُن کے درمیان انصاف سے فیصلہ کردیا جاتا ہےاوراُن پرظلم نہیں کیا جاتا۔''(یونس:47)(4)رب العزت نے فرمایا:﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ط قف كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾''اورآپ ہر اُمت کوگھٹنوں کے بل گراہوادیکھیں گے۔ ہر اُمت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی آج تمہیں وہی جزادی جائے گی جوتم عمل کیا کرتے تھے''(الجاثیہ:47)

(5) قیامت کے روزمخلوق کا جوحال ہوگااللہ تعالیٰ اس کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو(اپنی عدالت میں)بلائے گاان کے ساتھ ان کےامام اوررشدوہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والے راہنمایعنی انبیاءومرسلین اوران کے نائبین بھی ہوں گے۔پس ہرامت اللہ تعالیٰ کےحضور پیش ہوگی اوراس امت کووہی رسول،اللہ تعالیٰ کےحضور پیش کرے گا جس نے دنیامیں اسے دعوت توحیدپیش کی تھی۔ان کے اعمال اس کتاب کے سامنے پیش کئے جائیں گے، جسے لےکررسول اس امت میں مبعوث ہواتھا کہ آیاان کےاعمال اس کتاب کے موافق ہیں یانہیں۔تب یہ لوگ دوقسم کے گروہوں میں منقسم ہوجائیں گے۔(تفسیر سعدی:1478/2)(6)﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾''اورہم نے اُنہیں ایسے راہنمابنادیاجوآگ کی طرف بلاتے تھے،اورقیامت کےدن اُن کی مددنہیں کی جائے گی''(القصص:41)(7)﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾''پھرکیاحال ہوگاجب ہم ہر اُمت میں سےایک گواہ لائیں گےاورآپ کوان پرگواہ لائیں گے''(النساء:41)

سوال2:﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾''پھرجس کواس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو یہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گےاوران پرکھجورکی گٹھلی کے دھاگے برابرظلم نہیں کیاجائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ﴾''پھرجس کواس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی''حسن نے فرمایا: کتاب سے مرادوہ کتاب ہےجس میں ان کےاعمال ہیں۔(جامع البیان:126/15)(2)جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا:﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (١٩) اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (٢٠) فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (٢١) فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (٢٣) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا م بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (٢٤)﴾''سوجس کواُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیاتووہ کہے گا:''لو!میرا نامۂ اعمال پڑھو۔یقیناًمیں یقین رکھتا تھا کہ بلاشبہ میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں۔''

پھر وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔عالی مقام جنت میں۔جس کے پھل قریب ہوں گے۔مزے سے کھاؤ پیوا پنے ان اعمال کے بدلے میں جوتم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے۔'' (الحاقۃ:24۔19)(3)اس شخص کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنا ہادی اور راہ نما بنایا کیونکہ اس قرآن پر عمل کرنے والوں کی نیکیاں بڑھتی ہیں۔(4)﴿فَاُولٰٓـئِکَ یَقْرَءُوْنَ کِتٰبَھُم﴾''تو یہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے'' جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا وہ خوشی اور شوق سے اپنی نیکیوں کو پڑھے گا۔(5)﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾''اوران پرکھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا'' اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کریں گے۔جولوگ نیک اعمال کریں گےان کے اعمال دس گنا بڑھا دیے جائیں گے کیونکہ ایک نیکی کا دس گنا اجر ملنے والا ہے الحمدللہ اور ایک برائی کا بدلہ ایک گنا ہی ہے۔(6)فتیل اُس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتی ہے۔(7)اللہ تعالیٰ نے کھجور کی گٹھلی کے اندر تک انسان کے ذہن کو پہنچایا ہے۔پھر اُس کے دھاگے کی طرف توجہ دلا کر کہا ہے کہ دیکھو اس کی وجہ سے کسی کا نقصان ہونے والا نہیں لیکن اتنا بھی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا(72) ﴾

''اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہی آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور وہ راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا''۔(72)

سوال1:﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا﴾''اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہی آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور وہ راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ﴾''اور جو اس دنیا میں ہے'' جو اس دنیا میں اندھا رہا۔(2)﴿اَعْمٰی﴾''اندھا'' یہاں اندھے سے مراد ایسا شخص ہے جو دُنیا میں حق دیکھنے اور قبول کرنے سے محروم رہے۔(3)جولوگ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اور کائنات کی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانیں وہ اندھے ہیں۔(4)﴿فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾''وہی آخرت میں بھی اندھا ہوگا'' آخرت میں اندھا ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے محرومی ہے یعنی اسے جنت کا راستہ نظر ہی نہیں آئے گا۔دنیا میں اندھے پن کا علاج ممکن تھا کیونکہ اختیاری تھا لیکن آخرت میں اضطراری ہوگا۔وہ دنیا کے اندھے پن کے نتیجے میں ہوگا۔ایسا شخص جنت سے دور ہی کہیں بھٹکتا پھرے گا۔اسے صرف دوزخ کے عذاب ہی نظر آئیں گے۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (۱۲۴) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا (۱۲۵)﴾''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔'' وہ کہے گا:''اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا۔''(طٰہٰ:125،124)(6)﴿وَاَضَلُّ سَبِیْلًا﴾''اور وہ راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا'' کیونکہ عمل کی جزا بھی

اس کی جنس سے ہوتی ہے،یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے۔اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہرامت کواس کے دین اور کتاب کی طرف بلایا جائے گا کہ آیا اس نے اس کتاب کے مطابق عمل کیا یانہیں؟ان کا کسی ایسے نبی کی شریعت کے مطابق مواخذہ نہیں کیا جائے گا جس کی اتباع کا ان کوحکم نہیں دیا گیا تھا اوراللہ تعالیٰ کسی شخص کوصرف اسی وقت عذاب دیتا ہے جب اس پر حجت قائم کردی گئی ہواوراس نے اس کی مخالفت کی ہواورنیک لوگوں کوان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اورانہیں بہت زیادہ فرحت وسرورحاصل ہوگااوراس کے برعکس برے لوگوں کوان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گےاوروہ غم زدہ ہوں گےاوروہ شدت حزن وغم اور ہلاکت کی وجہ سے اپنے اعمال ناموں کو پڑھنے پرقادرنہ ہوں گے۔(تفسیر سعدی:1479/2)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اندھے کی مثال دے کر کیا سمجھایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اندھے کی مثال دے کر یہ سمجھایا ہے کہ جس شخص کونظر نہ آئے وہ اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے۔کوئی ہاتھ پکڑ کر چلادے تو چل پڑتا ہے۔ورنہ اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھانے کے لیے رہ جاتا ہے۔یہی حال اُس شخص کا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے طریقوں کے بارے میں لاعلم ہےکوئی جیسے چلادے چل پڑتا ہے۔ورنہ زندگی میں ٹھوکریں کھاتا کھاتا جب رب کے پاس پہنچتا ہےتو وہاں بھی اندھاہی اُٹھایاجاتا ہےتو کیا زندگی اس انجام کے لیے ملی تھی؟

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ق صلے وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (73)﴾

''اور بلاشبہ قریب تھاوہ آپ کوضرور بہکادیں اس سے جوہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ ہمارےاوپراس کےعلاوہ کوئی بات گھڑلائیں اورتب وہ آپ کوضرور دلی دوست بنالیتے''۔(73)

سوال:﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ق صلے وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا﴾''اور بلاشبہ قریب تھاوہ آپ کوضرور بہکادیں اس سے جوہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ ہمارےاوپراس کے علاوہ کوئی بات گھڑلائیں اورتب وہ آپ کوضرور دلی دوست بنالیتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ﴾''اور بلاشبہ قریب تھاوہ آپ کوضرور بہکا دیں اس سے جوہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ ہمارےاوپراس کےعلاوہ کوئی بات گھڑلائیں''اللہ رب العزت نے محمد ﷺ پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت فرماتا ہے۔وہ آپ ﷺ کے خلاف سازش کرتے تھے مگر کامیاب نہیں ہوسکے۔(2)انہوں نے آپ ﷺ کے خلاف یہ چال چلی تھی کہ آپ ﷺ قرآن کےعلاوہ اللہ تعالیٰ

پر کوئی اور بہتان گھڑیں اور قرآن کو چھوڑ دیں۔(3) مشرکین مکہ کی یہ کوشش تھی کہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کے احکامات میں تبدیلیاں پیدا کردیں۔(i) اُن کی یہ کوشش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کچھ سخت احکامات کو بدل دیں۔مثال کے طور پر اُن کے اِلٰھوں پر تنقید چھوڑ دیں۔(ii) وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ بھی ہمارے باپ دادا کرتے رہے اُن کو بُرا بھلا نہ کہا جائے۔(iii) وہ چاہتے تھے کہ امیر لوگوں کے لیے الگ مجلسیں مقرر کردیں اور غرباء کے لیے الگ۔(iv) وہ چاہتے تھے کہ اُن کے علاقے کو بھی اسی طرح حرام قرار دیا جائے جیسے بیت اللہ کو حرام قرار دیا گیا۔(4) ﴿وَاِذًا﴾ ''اور تب''یعنی اگر آپ وہ کام کرتے جو مشرک چاہتے ہیں۔(5) ﴿اتَّخَذُوْکَ خَلِیْلاً﴾ ''وہ آپ کو ضرور دلی دوست بنا لیتے''یعنی خاص دوست، جوان کوان کے دوستوں سے زیادہ عزیز ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب سے نوازا ہے جو قریب اور بعید، دوست اور دشمن سب کو پسند ہیں۔مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ صرف اس حق کی وجہ سے عداوت رکھتے ہیں جسے آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں،ان کو آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ ''یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو یقیناً غم زدہ کرتی ہیں جو وہ کہتے ہیں،تو یقیناً وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں''۔(الانعام:33) (تفسیر سعدی:1480/2) (6) مشرکین رسول اللہ ﷺ کو اپنے مؤقف سے ہٹا کر اُنہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، اُنہیں اپنا دوست اور محبوب بنانا چاہتے تھے۔(7) دعوت کا اصل مقصد حقیقت کا اعلان،حقیقت کا پیغام ہے۔اگر اس میں کمی کی جائے تو حقیقت چھپ جاتی ہے یا بدل جاتی ہے۔اس لیے اس میں رعایت یا کمی کی اجازت نہیں۔

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (74)﴾

''اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے''۔(74)

سوال: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا﴾ ''اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ﴾ ''اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے''یعنی گمراہی کی طرف بلانے والوں کی دعوت رد کروا کر اور حق پر ثابت قدم رکھ کر آپ پر احسان نہ کیا ہوتا۔(2) رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤقف پر قائم رکھا۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بچایا جس کی وجہ سے وہ ذرا سا بھی اُن کی طرف نہیں جھکے۔یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام عصمت ہے۔پیغمبروں کے علاوہ یہ مقام کسی کو حاصل نہیں۔(3) ﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا﴾ ''تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے''یعنی آپ ﷺ کافروں کو ہدایت دینے کی حرص رکھتے ہوئے ان کی طرف جھک جاتے۔(4) جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام اعلانیہ شروع

کر دیا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم ارشاد فرمایا تو اس سے مشرکین کی نیندیں حرام ہوگئیں اور مسلمانوں کے اعلانیہ قبول اسلام اور ان کی روز افزوں تعداد نے ان پر خوف طاری کر دیا کہ وہ کسی طور بھی مشرکین کی عداوت کی پرواہ نہیں کر رہے تھے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ تھا۔ اس مشکل کا جو حل مشرکین نے نکالا تھا اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرنے کے لیے انہوں نے ابو ولید عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا: بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو نام و مرتبہ تھا اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے اور اب تم اپنی قوم میں ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار کر دیا، ان کے معبودوں میں، ان کے دین میں عیب نکالا اور ان کے گزشتہ آباءواجداد کو کافر ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا میری بات سنو! میں تم پر چند باتیں پیش کرتا ہوں ان پر غور کرو۔ ہوسکتا ہے کوئی بات ہی قبول ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔ اس نے کہا: بھتیجے! جو معاملہ تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ مالدار تم ہو جاؤ گے۔ تم اگر چاہتے ہو کہ اعزاز و مقام حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا دیتے ہیں حتیٰ کہ تمہارے سوا ہم کسی معاملے کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا دیتے ہیں اور اگر تمہارے پاس آنے والا کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو مگر اپنے سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم اس کے لیے تمہارا علاج تلاش کر دیتے ہیں۔ اس پر ہم اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں حتیٰ کہ تم شفایاب ہو جاؤ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت انسان پر غالب آ جاتا ہے جس کا علاج بہر حال کروانا ہی پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ باتیں سنتے رہے اور جب وہ فارغ ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید! تم فارغ ہو گئے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اب میری بات سنو۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے سنتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾﴾ ''حم۔ وسیع رحمت والے، نہایت رحم والے کی جانب سے اتارا ہوا ہے'' رسول اللہ ﷺ پڑھتے جا رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے چپ چاپ سنتا جا رہا تھا۔ سجدے کی آیت پر پہنچ کر آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا: ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا وہ سن چکے ہو اور اب تم جا سکتے ہو۔ عتبہ اٹھ کر سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا۔ اسے آتا دیکھ کر مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو چہرہ لے کر وہ گیا تھا۔ جب وہ آ کر بیٹھ گیا تو انہوں نے پوچھا: ابوالولید! پیچھے کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے واللہ! ویسا کلام میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم! وہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ ہی کہانت ہے۔ اہل قریش! میری بات مانو اور اس معاملے کو مجھ ہی پر چھوڑ دو اور میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے جو کلام سنا ہے اس سے کوئی بڑا واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ لہٰذا اس شخص کو اگر عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پائے گا اور یہ شخص اگر عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور اس کا وجود سب سے زیادہ تمہاری سعادت کا باعث ہوگا۔ قریش نے یہی جواب دیا: خدا کی قسم! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی

چل گیا ہے۔عتبہ نے کہا: اس آدمی کے بارے میں میری رائے بہر حال یہی ہے لہٰذا تم وہی کرو جو تمہیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔(الرحیق المختوم:153,154)

﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا (75)﴾

''تب ہم آپ کو زندگی اور موت کے دوگنے عذاب کا مزہ چکھاتے، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاتے''۔(75)

سوال: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾ ''تب ہم آپ کو زندگی اور موت کے دوگنے عذاب کا مزہ چکھاتے، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِذًا﴾''تب''یعنی جب آپ ﷺ ان کی خواہشات کی طرف مائل ہوجاتے۔(2)﴿لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾''ہم آپ کو زندگی اور موت کے دوگنے عذاب کا مزہ چکھاتے''یعنی ہم آپ کو دنیا و آخرت میں کئی گنا عذاب دیتے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل ترین نعمتوں سے نوازا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہے۔(تفسیر سعدی:1480/2)(3)﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾''پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاتے''یعنی کوئی ایسا مددگار نہیں ہوگا جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو شر اور تمام اسباب شر سے محفوظ رکھا، آپ کو ثابت قدمی عطا کی اور صراط مستقیم کی طرف آپ کی راہ نمائی فرمائی اور آپ کسی طرح بھی مشرکین کی طرف مائل نہ ہوئے۔پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے کامل نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔(تفسیر سعدی:1480/2)(4) سزا کسی کے مقام اور مرتبے کے مطابق ہوتی ہے اس لیے آپ ﷺ کو اتنی سخت تنبیہہ کی گئی۔

﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا (76)﴾

''اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ ضرور اس زمین سے آپ کے قدم اُکھاڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور تب آپ کے پیچھے وہ بہت کم ٹھہر پائیں گے''۔(76)

سوال:﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾''اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ ضرور اس زمین سے آپ کے قدم اُکھاڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور تب آپ کے پیچھے وہ بہت کم ٹھہر پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جوقوم یہ کام کرتی تھی وہ قریش تھے۔جس سرزمین پر یہ کام ہوا وہ مکہ کی سرزمین تھی۔(جامع البیان:132/15)(2) یعنی آپ کے ساتھ ان کے درمیان رہنے پر بغض کے سبب سے آپ کو سرزمین مکہ سے نکالنے اور آپ کو جلاوطن کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہے ہیں۔ اگرانہوں نے ایسا کیا تو آپ کے بعد بہت تھوڑا عرصہ یہاں ٹھہرسکیں گے۔ یہاں تک کہ ان پرعذاب نازل ہوجائے جیسا کہ سنت الٰہی ہے اور تمام قوموں کے بارے میں سنت الٰہی میں کبھی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا۔جس قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس کو نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں اس پرعذاب نازل کردیا۔ جب کفار مکہ نے آپ کے خلاف سازشیں کیں اور آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تو وہ کچھ زیادہ عرصہ مکہ میں نہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر میدان بدر میں عذاب نازل کردیا، ان کے تمام بڑے بڑے اور سرکردہ سردار قتل کردیئے گئے اور ان کی کمرتوڑ دی گئی۔فللہ الحمد۔(تفسیر سعدی:1480،1481/2)(3) یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ بندہ اس بات کا شدید محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی سے نوازے رکھے اور یہ کہ بندہ گڑ گڑا کر اپنے رب سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے ایمان پر ثابت قدمی عطا کرے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تمام اسباب اختیار کرنے میں کوشاں رہے۔ نبی ﷺ مخلوق میں سب سے کامل ہستی تھے بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ﴿وَلَوۡلَآ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا﴾ اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔(تفسیر سعدی:1480،1481/2)(4) جب بھی کوئی حق کی دعوت لے کر اُٹھتا ہے تو اپنے ماحول میں اجنبی ہوتا ہے۔ایسے موقع پر ایک طرف رواجی دین اور اُس کے علمبردار ہوتے ہیں جو بڑی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں اور دوسری طرف حق کی دعوت دینے والا ہوتا ہے جو اپنے ماحول میں تنہا اور بے زور نظر آتا ہے یہ فرق غلط فہمی میں ڈال دیتا ہے اور لوگ دعوت دینے والے کو بے قدروقیمت سمجھ لیتے ہیں حتیٰ کہ اپنے علاقے سے نکال دینا چاہتے ہیں اسی لیے مشرکین سرزمین مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے قدم اُکھاڑنا چاہتے تھے۔(5) ﴿وَاِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیۡلًا﴾ "اور تب آپ کے پیچھے وہ بہت کم ٹھہر پائیں گے" اگر قریش محمد ﷺ کو نکالتے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دیتے۔(جامع البیان:132/15)(6) انسان جب دوسرے کو نکالتا ہے تو دراصل اپنے آپ کو نکالتا ہے اس لیے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے یہاں کوئی کسی کے خلاف تخریبی کاروائی کرتا ہے تو دراصل اللہ تعالیٰ کی نظروں میں خود کو مجرم بناتا ہے۔(7) اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو چھوٹا کرنا دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں چھوٹا کرنا ہے اس لیے اگر مکہ والے سازشیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آجائیں گے۔

﴿ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِیۡلًا(77) ﴾

"اُن کا طریقہ تھا جو آپ سے پہلے ہم اپنے رسولوں میں سے بھیج چکے ہیں اور آپ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔"(77)

سوال: ﴿ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِیۡلًا ﴾ "ان کا طریقہ تھا جو آپ سے پہلے ہم اپنے

رسولوں میں سے بھیج چکے ہیں اور آپ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ ''ان کا طریقہ تھا جو آپ سے پہلے ہم اپنے رسولوں میں سے بھیج چکے ہیں'' ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی یاددہانی ہے کہ اس نے اپنے رسول پر احسان فرمایا اور اس کو شر سے محفوظ رکھا۔ پس یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے یہ امر پسند کرتا ہے کہ وہ اسباب شر کے وجود کے وقت اس کی نعمتوں کا ادراک کریں کہ اس نے ان کو شر سے بچایا اور ایمان پر ثبات عطا کیا۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندے کے بلند مرتبے کے مطابق اس کو پے در پے نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب وہ قابل ملامت فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کا گناہ بھی بڑا ہوتا ہے اور اس کا جرم کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس ارشاد کے ذریعے سے نصیحت فرمائی حالانکہ آپ ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے جرائم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ثابت ہو جاتا ہے، تب اللہ تعالیٰ ان پر عذاب واقع کر دیتا ہے جیسا کہ قوموں کے بارے میں سنت الٰہی ہے جب وہ اپنے رسول کو اس کے وطن سے نکال دیتی ہیں۔ (تفسیر سعدی:1481/2)(2)﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا﴾ ''اور آپ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے'' اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو قوم رسولوں کو اُن کے وطن سے نکال دیتی ہے پھر وہ قوم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہتی۔(3) رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ڈیڑھ برس کے بعد مشرکین مکہ میدان بدر میں عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔ اور اس کے چھ برس کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور مشرک سرزمین عرب میں سر اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔(4)﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ط وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک آپ ان میں ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت بھی عذاب دینے والا نہیں جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں''۔ (الانفال:33)

رکوع نمبر9

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا(78)﴾

''آپ نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کا قرآن پڑھیں۔ یقیناً فجر کا قرآن پڑھنا ہمیشہ سے حاضری کا وقت ہے''۔(78)

سوال:﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا﴾ ''آپ

نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کا قرآن پڑھیں۔یقیناً فجر کا قرآن پڑھنا ہمیشہ سے حاضری کا وقت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ﴾'' آپ نماز قائم کریں'' اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا اوران کے واسطے سے امت کو کہ وہ وقت پر نماز پڑھیں۔(2)﴿لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ﴾''سورج ڈھلنے سے'' یعنی زوال کے بعد۔اس کی تائید سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی۔کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں چلے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔(ابن کثیر:229/3) (3) ﴿لِدُلُوۡکِ﴾ دلوک سے زوال مراد ہے۔اس اعتبار سے اس آیت میں نماز پنجگانہ کے اوقات آگئے۔(4)﴿اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ﴾''رات کے اندھیرے تک'' زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آگئی۔(5)﴿وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ﴾''اور فجر کا قرآن پڑھیں'' اس میں صبح کی نماز آگئی۔(6) رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال سے تواتر کے ساتھ پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں جن کے مطابق مسلمان آج تک بحمد للہ نمازیں ادا کرتے ہیں اور نسل در نسل بزرگ اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1063/1) (7) انسان پر سورج کے ڈھلنے، رات کے چھا جانے اور فجر کے اوقات گہرے اثر چھوڑتے ہیں۔اس طرح انسان کائنات پر غور وفکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔انسان کائنات میں کام کرنے والے قانون کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے بارے میں سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احسانات کو محسوس کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے آگے جھک جاتا ہے۔(8)﴿ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴾''یقیناً فجر کا قرآن پڑھنا ہمیشہ سے حاضری کا وقت ہے'' یہاں حاضری سے مراد فرشتوں کی حاضری ہے جب دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''رات اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔''(بخاری:648)

﴿وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ق صلے عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (79)﴾

''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بیدار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کردے''۔(79)

سوال1:﴿وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ﴾''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بیدار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بے دار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے'' یعنی وہ نماز ادا کیجیے جو رات کو

سونے کو بعد فجر طلوع ہونے سے پہلے رات کے کسی حصے میں نصف شب کے بعد ادا کی جائے۔(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد افضل نماز کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''صبح کی نماز'' (مسند احمد:394/5)(3) تہجد کی نماز کی اصل روح اپنی مخصوص تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔رات کے وقت جب انسان اپنی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو سکون ہوتا ہے۔یہ سکون انسان کے اپنے اندر بھی ہوتا ہے اور ماحول میں بھی۔ایسے وقت میں جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھتا ہے تو اپنی ''عبدیت'' کی اصل حالت میں ہوتا ہے۔ایسے وقت میں اُس کا دل اگر اُس کا ساتھ دے تو اُس کی ذات جو اللہ تعالیٰ کے آگے بچھی ہوئی ہوتی ہے بے قرار ہو کر آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلتی ہے۔یوں تہجد انسان کو اُس کے اصل مقام پر رہنے میں مدد دیتی ہے۔(4) نماز تہجد ہی کا دوسرا نام قیام اللیل ہے اور ماہ رمضان میں قیام اللیل کو نماز تراویح کا نام دیا گیا ہے جو ماہ رمضان میں عموماً نماز عشاء کے بعد متصل ہی با جماعت نماز ادا کر لی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان میں یہ نماز تہجد (یا قیام اللیل یا تراویح) صرف دو دن با جماعت پڑھائی تھی۔پھر تیسرے یا چوتھے دن پھر لوگ نماز کے لیے جمع ہوئے تو آپ ﷺ جماعت کے لیے نکلے ہی نہیں اور صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے جماعت کے لیے نہ آنے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور یہ واقعہ رمضان میں ہوا۔(بخاری، کتاب التہجد)(4)﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، یعنی تا کہ رات کی یہ نماز آپ کے لئے زیادہ ثواب، بلند مراتب اور بلند درجات کی باعث ہو، بخلاف دیگر اہل ایمان کے، کہ ان کے لئے یہ نماز ان کی برائیوں کا کفارہ ہے۔اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ پانچ نمازیں آپ پر اور تمام اہل ایمان پر فرض ہیں اور تہجد کی نماز خصوصی طور پر آپ پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تکریم بخشی کہ آپ کا وظیفہ عبادت دوسرے مومنوں سے زیادہ مقرر فرمایا تا کہ وہ آپ کی عظمت اور شان کو سمجھیں اور آپ اس کے ذریعے سے مقام محمود پر فائز ہوں۔یہ وہ مقام ہے جہاں اولین و آخرین آپ کی ستائش کریں گے۔یہ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے جب تمام خلائق سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آخر میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شفاعت کروانے کے لئے جائیں گے تو یہ تمام رسول شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اور پیچھے ہٹ جائیں گے تب لوگ بنی آدم کے سردار نبی ﷺ سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے اس مقام کی ہولناکیوں سے ان کو نجات دے۔نبی ﷺ اپنے رب کے پاس شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور آپ کو ایسے مقام پر فائز کرے گا کہ اولین و آخرین آپ پر رشک کریں گے اور یوں تمام مخلوق آپ کی احسان مند ہوگی۔(تفسیر سعدی 2/1482،1483)(5) نماز تہجد نبی ﷺ پر ساری زندگی فرض رہی۔واقعہ معراج اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی۔سورۃ مزمل کے پہلے رکوع میں اس کی وضاحت ہے۔پھر جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو تمام مسلمانوں پر نماز تہجد فرض نہ رہی۔(6) امت کے لیے اگر چہ یہ نماز فرض نہیں تاہم اس کی بہت ترغیب دلائی گئی ہے۔

سوال2: ﴿عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴾ ''قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کر دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کر دے''یعنی یقین ہے کہ آپ کا رب ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا (2) ''مقام محمود'' سے مراد مقام شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو یہ مقام قیامت کے دن عطا کریں گے۔ اس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔ (3) یعنی آپ یہ نماز ادا کرتے ہیں ہم آپ کو قیامت کے دن اس جگہ کھڑا کریں گے کہ سب لوگ آپ کی تعریف کرنے لگیں گے۔ اور خود خالق بھی آپ کی تعریف فرمائے گا۔ (4) جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی ﴿ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعۡوَۃِ التَّامَّۃِ ،وَالصَّلَاۃِ الْقَآئِمَۃِ ،آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیلَۃَ وَالْفَضِیلَۃَ ،وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُودًانِ الَّذِیۡ وَعَدۡ تَّہ ﴾ اس کے لیے قیامت کے دن میری سفارش حلال ہو جائے گی۔ (بخاری: کتاب الاذان) (5) نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام نبیوں کا امام، سب کا خطیب اور سب کا شفیع ہوں گا۔ میں از راہ فخر یہ بات نہیں بتا رہا۔ (ابن ماجہ)

﴿ وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (80) ﴾

''اور آپ دُعا کریں کہ اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا اور اپنے پاس سے ایک غلبے کو میرا مددگار بنا۔'' (80)

سوال1: ﴿ وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴾ ''اور آپ دُعا کریں کہ اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا اور اپنے پاس سے ایک غلبے کو میرا مددگار بنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مسند احمد میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تھے۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر: 235/3) (2) ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ ﴾ ''اور آپ دُعا کریں کہ اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا''یعنی میرا داخل ہونا اور میرا باہر نکلنا تیری اطاعت میں اور تیری رضا کے مطابق ہوتا کہ داخل ہونا اور باہر نکلنا اخلاص کو متضمن اور امر کے موافق ہو۔ (تفسیر سعدی: 1483/2) (3) (i) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اول وآخر سچائی پر قائم رکھے یعنی ثابت قدم رکھے۔ اخلاص اور اطمینان عطا کرے۔ (ii) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت کے دن اُٹھانا۔ (iii) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ سچائی کے ساتھ قبر میں داخل کرنا اور سچائی کے ساتھ نکالنا۔ (4) ﴿وَّاجۡعَلۡ

لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴾ ''اور اپنے پاس سے ایک غلبے کو میرا مددگار بنا'' یعنی مجھے اپنی طرف سے ان تمام امور پر حجت ظاہرہ اور برہان قاطع عطا کر، جن کو میں اختیار کروں اور جن کو میں ترک کروں۔ یہ بندے کا بلند ترین حال ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے فائز کرتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ بندے کے تمام احوال بہترین احوال ہوں جو اسے اپنے رب کے قریب کریں اور بندے کے پاس اس کے ہر حال پر ایک ظاہری دلیل ہو اور یہ چیز علم نافع، عمل صالح اور مسائل و دلائل کے علم کو متضمن ہے۔(تفسیر سعدی:1483/2)(5) ''اپنے پاس سے'' کے الفاظ میں گہری قُربت کا رنگ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہتے ہیں۔(6) غلبہ عظیم کی دعا۔ نبی ﷺ سے پروردگار عالم نے وعدہ فرمایا تھا کہ پارسیوں کا تخت و تاج اور عزت و وقار آپ ﷺ کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح رومیوں کا تخت و تاج اور عزت و عظمت آپ ﷺ کے قدم چومے گی۔(مختصر ابن کثیر:1065/1)

سوال2: رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا کیوں کروائی گئی؟

جواب: (1) مکہ میں حالات رسول اللہ ﷺ کے موافق نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ مدینہ میں موافق حالات پیدا کر کے آپ کو مکہ سے نکال لیا جائے اس لیے یہ دُعا کروائی گئی۔ (2) اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں اقتدار قائم کریں اور مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھے حتیٰ کہ پورا عرب مسخر ہو جائے اور یہ دعوت دُنیا کے مختلف گوشوں تک پھیل جائے۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ کا مکہ سے نکلنا اور مدینہ میں داخلہ ضروری تھا اس لیے یہ دُعا کروائی۔ (3) آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اسلام کو پروان چڑھانا غلبہ و اقتدار کے بغیر ممکن نہیں اس لیے آپ ﷺ نے زبردست غلبہ کا سوال کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی، اس کے عہدوں کی، اس کے فرائض کی اور اس کے دین کی حفاظت و حمایت ہو سکے کیونکہ غلبہ و اقتدار اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو بطور امانت دی ہے۔ ورنہ ایک دوسرے کو کھا جاتا اور طاقتور کمزور کو ہڑپ کر جاتا۔(مختصر ابن کثیر1065/1)(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ وَنَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْکُمَا ج بِاٰیٰتِنَا ج اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرا باز و مضبوط کریں گے۔ اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے، سو وہ تم دونوں تک نہ پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ، تم دونوں اور جو تم دونوں کی پیروی کریں گے، غالب ہونے والے ہیں۔'' (القصص:35)

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾ ﴾

''اور آپ کہہ دیں حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا''۔(81)

سوال: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ﴾ ''اور آپ کہہ دیں حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴾''اورآپ کہہ دیں حق آ گیااور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا'' قتادہ نے فرمایا: حق سے مراد قرآن ہےاور زھق الباطل سے مراد باطل ہلاک ہوگیااوروہ شیطان ہے۔(جامع البیان:152/15)(2)حق وہ ہے جس کواللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کی طرف نازل فرمایااورآپ کوحکم دیا کہ وہ اپنے قول سے اس کا اعلان کردیں کہ حق آ گیا ہے۔اس کے مقابلے میں کوئی چیز کھڑی نہیں رہ سکتی اور باطل چلا گیا،یعنی مضمحل ہوکر معدوم ہوگیا۔(تفسیر سعدی :1483/2)(3)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں (فتح کے بعد)داخل ہوئے تو کعبہ کے چاوروں طرف تین سوساٹھ بت تھے۔نبی ﷺ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ہرایک کوٹکراتے جاتے اور پڑھتے جاتے۔﴿ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴾(بخاری:4720)(3)(i)حق یعنی سچائی کا مزاج ہے کہ وہ پھلے پھولے،زندہ رہےاورقائم رہے جب کہ باطل کا مزاج ہے کہ وہ مٹ جائے اوراس کا نام ونشان نہ رہے۔(ii)حق قوت رکھتا ہےاور باطل کے مزاج میں فنااورکمزوری ہےاس لیے حق آنے پر باطل مٹ جاتا ہے۔(iii)باطل کے اندر باقی رہنے والے عناصر نہیں ہوتے۔کچھ بیرونی عوامل ایسے ہوتے ہیں جن سے باطل کوفائدہ پہنچتا ہے۔جب وہ ختم ہوتے ہیں تو باطل ختم ہوجاتا ہے۔(4)سچائی کے اندر ہمیشہ رہنے کا سامان ہوتا ہے۔بیرونی عوامل بعض اوقات سچائی کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً اہل اقتدار لوگوں کی خواہشات لیکن آخر کار حق فتح سے ہمکنار ہوتا ہے کیونکہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ،لازوال ہے،باقی رہنے والا ہے۔

سوال2:﴿اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا﴾''یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا''یعنی یہ باطل کا وصف ہے مگر کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر باطل کے مقابلے میں حق موجود نہ ہوتو باطل عروج پا کر مروج ہوجاتا ہے تاہم جب حق آ جاتا ہے تو باطل مضمحل ہوجاتا ہےاوراس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہتی،اسی لئے باطل صرف انہی زمانوں اورانہی علاقوں میں رواج پاتا ہے جواللہ تعالیٰ کی آیات اوراس کی بینات کے علم سے خالی ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی :1483/2)(2)﴿بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَـكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ﴾''بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ اس کا دماغ کچل دیتا ہے، چنانچہ اچانک وہ مٹنے والا ہوتا ہےاور جو تم بیان کرتے ہواس کی وجہ سے تمہارے لیے تباہی ہے۔(الانبیاء:18)(3)سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوااورآپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تواس وقت کعبہ کے گرد تین سوساٹھ بت نصب تھے آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ ﷺ اس سے ان بتوں کوٹھونکا دیتے جاتے اورفرماتے جاتے:﴿ جَـآءَ الۡـحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا﴾(بخاری،کتاب التفسیر)

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾﴾

''اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا''۔(82)

سوال1: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے'' یعنی یہ قرآن باعث رحمت اور شفا ہے جس میں باطل کا شائبہ تک بھی نہیں ہوسکتا، جو حکمت والے اور خوبیوں والے اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1066،1065) (2) یہ قرآن نسخہ کیمیا اور شفا بخش ضرور ہے مگر ان کے لیے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسے مُنَزَّل من اللّٰہ سمجھتے ہیں۔(تیسیر القرآن: 605/2) (3) یعنی قرآن کریم شفا اور رحمت پر مشتمل ہے اور یہ شفا اور رحمت ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اہل ایمان کے لئے ہے جو اس کی آیات کی تصدیق کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رہے ظالم جو اس کی تصدیق نہیں کرتے یا اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو اس کی آیات ان کے خسارے ہی میں اضافہ کرتی ہیں کیونکہ ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ پس وہ شفا جس کو قرآن متضمن ہے وہ قلوب کے لئے شفائے عام ہے اور قلوب سے شبہات، جہالت، آراء فاسدہ، انحراف، مذموم اور گھٹیا مقاصد جیسے امراض کو دور کرتی ہے کیونکہ قرآن علم یقینی پر مشتمل ہے جو ہر قسم کی جہالت اور تمام شبہات کو زائل کر دیتا ہے۔ قرآن وعظ و تذکیر پر مشتمل ہے جو ہر شہوت کو ختم کر دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہو۔ قرآن ابدان کے آلام و امراض سے شفا کو بھی متضمن ہے۔ رہی رحمت، تو قرآن کے اندر ایسے اسباب اور وسائل ذکر کئے گئے ہیں جن کو اختیار کرنے کی قرآن ترغیب دیتا ہے۔ جب بندہ ان کو اختیار کر لیتا ہے تو بے پایاں رحمت، ابدی سعادت، دنیاوی اور اخروی ثواب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1484/2) (4) قرآن میں شفا ہے، خواہشات اور طمع، حسد اور گندے افکار اور شیطان کے جھگڑوں سے نجات ہے۔(الاساس: 3111/6)

سوال2: قرآن کن بیماریوں کے لیے شفا ہے؟ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) قرآن مجید روحانی بیماریوں کی شفا ہے۔ انسان کو جو وسوسے اور بے چینیاں لاحق ہو جاتی ہیں قرآن اس کے لیے شفا ہے۔ (2) قرآن مجید میں شعور کی بیماریوں کی شفا ہے۔ (i) قرآن مجید انسان کو بے فائدہ کاموں میں اپنی عقل کو اور جسم کو ضائع ہونے سے روکتا ہے اور مفید کاموں میں قوتیں لگانے کے لیے ترغیب دلاتا ہے۔ (ii) قرآن مجید لغزشوں اور بے راہ رویوں سے بچاتا ہے۔ (iii) قرآن مجید صحت مند انسانی سرگرمیوں کو تجویز کر کے زندگی کو مفید بناتا ہے۔ (3) قرآن مجید اجتماعی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ قرآن مجید اسلام کے اجتماعی عدل، اجتماعی سلامتی اور امن کے زیر سایہ زندگی بسر کرواتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے کے افراد کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (4) قرآن مجید انسان کا رشتہ رب سے جوڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان کو یہ شعور نصیب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ پر

اعتماد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے یعنی انسان ہر طرح کے حالات میں راضی رہتا ہے پھر انسان کی بے چینیاں، حیرانیاں اور وسوسے ختم ہو جاتے ہیں یوں انسان کو سکون مل جاتا ہے۔

سوال3: قرآن مجید کس اعتبار سے رحمت ہے؟ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) قرآن مجید میں رحمت الٰہی کے خزانے ہیں۔ اس کی تعلیمات انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے رحمت ہیں۔ (2) قرآن مجید انسان کو روح کی بیماریوں سے بچاتا ہے اس اعتبار سے قرآن مجید رحمت ہے۔ (3) قرآن مجید ایک صحت منداور مضبوط طریقہ زندگی تجویز کرتا ہے جس کی وجہ سے انسانی سرگرمیاں فائدہ مند ہو جاتی ہیں یوں قرآن مجید رحمت بنتا ہے۔ (4) قرآن مجید انسان کو جسمانی اور روحانی میدان میں اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ قوتوں کو صحت مند میدانوں میں لگانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ ایک قسم کی رحمت ہے۔ (5) قرآن مجید اجتماعی بیماریوں کو دور کرتا ہے اور پھر انسانیت کو امن، عدل اور سلامتی ملتی ہے یوں قرآن مجید رحمت بنتا ہے۔ (6) جو لوگ قرآن مجید کی سچائی کو قبول کر لیتے ہیں، خود کو اس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں قرآن مجید اُن کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔

سوال4: ﴿وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا ﴾ ''اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا'' کافروں کے لیے، ظالموں کے لیے یہ قرآن خسارے اور ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ط ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ط وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ط اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ م بَعِيْدٍ ﴾ ''اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو وہ کہتے کہ کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجمی (کلام) اور عربی (رسول)؟ آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لئے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ اُن کے حق میں اندھا پن ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دُور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔ (فصلت:44) (3) ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۱۲۴) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (125) ﴾ ''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔'' (التوبہ:124,125)

سوال5: قرآن مجید کن لوگوں کے لیے خسارہ بنتا ہے؟

جواب:(1) ظالم قرآن مجید سے خود فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر قرآن مجید کی سچائی کو اختیار کرلیا تو چھوٹے ہو جائیں گے۔ وہ اپنی بڑائی کو بچانے کے لیے جور ہنے والی نہیں، بڑی چیز کو جور ہنے والی ہے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید اُن کے لیے خسارے کا سبب بنتا ہے۔(2) قرآن مجید اُن لوگوں کے لیے خسارہ بنتا ہے جو قرآن مجید کے ذریعے سر بلند ہونے والوں پر کڑھتے ہیں اور جہاں بس چلے اُن پر ظلم کرتے ہیں اور دُنیا میں وہ بالآخر مسلمانوں کے مقابلے میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔(3) قرآن مجید ظالموں کے لیے اس اعتبار سے بھی خسارہ بنتا ہے کہ ظالموں کو کفر اور سرکشیوں کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ اس لیے ظالموں کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوگا۔

﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا(83)﴾

''اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بہت نا اُمید ہو جاتا ہے''۔(83)

سوال1: ﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ﴾ ''اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ﴾ ''اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے'' یعنی وہ لوگ جن کے لئے قرآن خسارہ بنتا ہے ان کی صفات میں سے اعراض ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر سے اعراض اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ناشکری۔ (قرطبی:233/5)(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ ''پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی ہو۔'' (یونس:12)(3) ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا﴾ ''اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ جاتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بڑا ناشکرا ہے۔'' (بنی اسرائیل:67)

سوال2: ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا﴾ ''اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بہت نا اُمید ہو جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بہت نا اُمید ہو جاتا ہے'' یعنی جب اسے کوئی بیماری، کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھلائی سے مایوس ہو جاتا ہے، اپنے رب سے اُمید کاٹ لیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس حال میں ہے وہ اسی حال میں رہے گا۔

سوال3:انسان سرکش کیسے ہوجاتا ہے؟

جواب:(1)عام طور پر دولت مندی انسان کو سرکش اور مغرور بنادیتی ہے۔(2)انسان کو جب اللہ تعالیٰ کی کثیر نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو وہ خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتا ہے۔وہ کوئی بات تسلیم نہیں کرتا اور کسی معاملے میں نہیں جھکتا۔

سوال4:انسان سرکشی سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب:(1)انسان اگر یہ یقین رکھے کہ دولت اور نعمتیں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو وہ سرکشی سے بچ جاتا ہے۔(2)انسان جب یہ سوچے کہ وہ حق کے مقابلے میں سرکشی دکھا رہا ہے اُس کا کیا حال ہوگا جب قیامت کے دن اُس کے اختیارات چھین لیے جائیں گے؟ تو محرومی کا احساس انسان کو سرکشی سے بچالیتا ہے۔

سوال5:انسان مایوسی سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب:انسان کا اگر اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق ہو تو اُسے اُمید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات دور کردے گا۔ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔اُسے اللہ تعالیٰ کے فضل کی اُمید لگ جاتی ہے اور وہ خوش اور مطمئن رہتا ہے،شکرگزار رہتا ہے اس طرح مایوسی دور جاتی ہے۔

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (84)﴾

''آپ کہہ دیں ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔سو تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے کی زیادہ ہدایت پانے والا ہے۔''(84)

سوال1:﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ﴾''آپ کہہ دیں ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''آپ کہہ دیں ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے''،یعنی ہر شخص اپنی اپنی عادات پر،اپنی اپنی ذہنیت پر اور اپنے اپنے دین پر عمل کرتا ہے۔(مختصر ابن کثیر:1066/1)(2)یعنی اپنے مذہب،اپنے خراج،استعداد کے مطابق کام کرتا ہے۔(تفسیر قاسمی:281/10)(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ (121) وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (122)﴾''اور آپ اُن لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو بلاشبہ ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔اور تم انتظار کرو بے شک ہم بھی منتظر ہیں۔(ہود:121،122)(4)کہ ہر ایک اپنے رجحان،میلان،ماحول اور ذہنی خول کے مطابق عمل کر رہا ہے۔(5)یعنی اس طریقے پر جو اس کے احوال کے لائق ہوتا ہے۔اگر وہ نیک بندوں میں سے ہیں تو ان کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کا عمل رب کائنات کی رضا کی خاطر ہوتا ہے اور اگر وہ نیک اور ابرار لوگوں کی بجائے ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے الگ ہوگیا ہو تو ان کے لئے صرف وہی عمل مناسب ہوتا ہے جو اس نے مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کیا ہو اور ان کے موافق صرف وہی عمل ہوتا ہے جو ان کی اغراض

کے موافق ہو۔(تفسیر سعدی:1485/2)

سوال2: شاکلہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) شاکلہ سے مراد ذہنی سانچہ ہے۔ ہر انسان جس دُنیا میں رہتا ہے اُس کے کچھ رجحانات بن جاتے ہیں اور جس ماحول میں رہتا ہے وہ اس کے حالات بن جاتے ہیں۔ یہ رجحانات اور حالات ایک خاص ذہنی سانچہ بنا دیتے ہیں۔ انسان اس کے تحت سوچنے لگ جاتا ہے۔ اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ یہی شاکلہ ہے۔(2) شاکلہ کے معنی طور طریقہ، ڈھب، ڈھنگ ہیں۔ یعنی ہر انسان اپنی افتادِ طبع کے مطابق کام کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص صدقہ اعلانیہ دیتا ہے اور اس سے اس کو مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو اور دوسرا صدقہ پوشیدہ طور پر دیتا ہے اور اس کو مقصود یہ ہے کہ نمائش نہ ہو۔ اب دیکھئے نیت دونوں کی بخیر ہے لیکن طریقہ اور اندازِ فکر الگ الگ ہے۔ یا مثلاً رسول اللہ ﷺ رات کو نکلے اور دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا اتنا آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ عرض کیا، اس لیے کہ میرا رب بہرا نہیں ہے کہ چلا کر پڑھوں۔ آگے گئے تو دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا کہ اتنا بلند آواز سے کیوں پڑھ رہے ہو؟ عرض کیا کہ سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں'' تو آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس واقعہ میں عمل ایک ہی ہے نیت بھی دونوں کی بخیر ہے لیکن سوچ کا انداز الگ الگ ہے۔ یہی شاکلۃ کا مفہوم ہے۔ اسی لحاظ سے بعض علماء نے اس لفظ سے مراد ہی ''نیت'' لی ہے۔(تیسیر القرآن:606/2)

سوال3: ﴿ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴾ ''سو تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے کی زیادہ ہدایت پانے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''سو تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے کی زیادہ ہدایت پانے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے شاکلہ (ذہنی خول) کو توڑنے کی سبیل بتائی ہے:(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رب بہتر جانتا ہے کون سیدھے راستے پر ہے۔ انسان جب یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم صحیح ہے اس لیے جو طرزِ عمل اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے مطابق نہیں وہ غلط ہے تو انسان حقیقت کو اس کے اصل میں رنگ میں دیکھ لیتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ نے حقیقت کو اپنی ذات کے ساتھ متعلق کر کے سمجھایا ہے۔ جو رب کے علم سے سوچے تو شاکلہ ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال4: انسان ہدایت کیسے پاتا ہے؟

(1) انسان جب اپنے ذہنی خول کو توڑ کر حقیقت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھے تو وہ ہدایت پا جاتا ہے۔(2) جو لوگ غور وفکر کریں اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی نظر سے دیکھنے لگیں وہ شاکلہ سے آزاد ہو کر ہدایت کے راستے پر آ سکتے ہیں۔(3) وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہے جو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے پس اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور کون ہے جو صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ اسے اپنے حال پر چھوڑ کر ہدایت سے

محروم کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:1485/2)

رکوع نمبر 10

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً (85)﴾

''اور وہ آپ سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں رُوح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم میں سے بہت ہی کم دیا گیا ہے''۔(85)

سوال1: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ ﴾ ''اور وہ آپ سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں رُوح میرے رب کے حکم سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جوب:(1) ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ ''اور وہ آپ سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں حاضر تھا۔ نبی ﷺ اس وقت کھجور کے ایک تنے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ کچھ یہودی اس طرف سے گزرے۔ کسی یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ ان میں سے کسی نے اس پر کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ دوسرا یہودی بولا کہیں وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جو تم کو ناپسند ہو۔ رائے اس پر ٹھہری کہ روح کے بارے میں پوچھنا ہی چاہئے چنانچہ انہوں نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ نبی ﷺ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت آپ پر وحی اتر رہی ہے اس لیے میں وہیں کھڑا رہا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ''اور یہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیں کہ روح میرے پروردگار کے حکم ہی سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔'' (بخاری:4721) (2) روح کا تعلق مخفی امور سے ہے۔ کوئی شخص بھی روح کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس لیے رب العزت نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا۔(3) ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ ﴾ '' آپ کہہ دیں رُوح میرے رب کے حکم سے ہے'' یعنی روح کے بارے میں میرے رب نے حکم دیا کہ ''ہو جاؤ'' اور وہ وجود میں آ گئی۔

سوال2: ﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً ﴾ ''اور تمہیں علم میں سے بہت ہی کم دیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اور تمہیں علم میں سے بہت ہی کم دیا گیا ہے'' انسان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے قلیل ہے۔(2) انسان کو احساس دلایا گیا ہے کہ نہ تو اس کے پاس کثیر علم ہے، نہ وہ رکھ سکتا ہے اس لئے وہ ایسے سوالات میں نہ اُلجھے جن کو وہ کم علمی کی وجہ سے نہیں جان سکتا۔ (3) انسان کی صلاحیتیں محدود ہیں اور جہاں لامحدود ہے۔ انسان کی محدودیت کا تقاضا ہے کہ وہ بالواسطہ علم پر قناعت کرے۔ اس آیت مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب مسئول سے کسی معاملے میں سوال کیا جائے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ (لایعنی) سوال کا جواب دینے

سے گریز کرے جو سائل نے پوچھا ہے اور اس امر میں اس کی راہ نمائی کرے جس کا وہ محتاج اور جو اس کے لیے فائدہ مند ہے۔(تفسیر سعدی 1485/2:)

سوال3: روح کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: (1) روح کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(2) اللہ تعالیٰ کے غیبوں میں سے ایک غیب ہے۔(3) روح ایک راز ہے۔ کیسے آتی ہے؟ کیسے جاتی ہے؟ کہاں سے آتی ہے؟ نکل کر کہاں جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔

﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا (86)﴾

اور یقیناً اگر ہم چاہیں تو ہم ضرور بہ ضرور لے جائیں اُس کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔(86)

سوال1: ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا﴾ ''اور یقیناً اگر ہم چاہیں تو ہم ضرور بہ ضرور لے جائیں اُس کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم چاہیں تو ہم ضرور بہ ضرور لے جائیں اُس کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے'' قرآن اور وحی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت، فضل، احسان اور رحمت ہے۔(2) اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جو ان کے لیے بہت بڑا انعام ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس وحی کے قریب باطل نہیں آ سکتا۔(3) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آخری زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی جس سے قرآن میں اور دلوں میں قرآن کی ایک آیت بھی نہ رہے گی اور مصاحف وقلوب سے قرآن اٹھا لیا جائے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ ہم وحی سلب کرنے پر بھی قادر ہیں۔(مختصر ابن کثیر 1068/1:)

(4) ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا﴾ ''پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے'' یعنی جس ہستی نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے اگر وہ اسے واپس لے لے تو آپ کوئی ہستی نہیں پائیں گے جو اسے واپس لا دے اور آپ کو کوئی وکیل ایسا نہیں ملے گا جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم یعنی قرآن کو واپس لا سکے۔

سوال2: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے کیا دلیل دی گئی ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو وحی کے ذریعے جو کچھ عطا کیا ہے سب کچھ چھین لیں۔2۔ اگر ہم تم سے یہ علم چھین لیں تو تم ہمارے مقابلے کے لئے کوئی حمایتی نہ پاؤ گے۔

﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ط اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا (87)﴾

''مگر یہ صرف آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے، یقیناً آپ پر اُس کا فضل ہمیشہ سے بہت بڑا ہے۔''(87)

سوال1:﴿اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ﴾''مگر یہ صرف آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے، یقیناً آپ پر اُس کا فضل ہمیشہ سے بہت بڑا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ﴾''مگر یہ صرف آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے'' قرآن مجید کا نزول اوراس کی حفاظت اگر چہ پوری انسانیت پراللہ تعالیٰ کا احسان ہےلیکن صاحب قرآن محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے۔(2)﴿اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا﴾''یقیناً آپ پر اُس کا فضل ہمیشہ سے بہت بڑا ہے'' آپ پر اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل وکرم ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔رب العزت نےفرمایا﴿ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ﴾''آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اوراس کی رحمت سے ہے،سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔''(یونس:58)

سوال2:قرآن مجید اللہ کی رحمت سے نازل ہو،اس کی وضاحت کریں؟

جواب:1۔اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی نہ کرتے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اُس نے انسانیت کو سچے علم سے محروم نہیں رکھا۔2۔اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کوسلب کر لیتے۔3۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بڑے فضل سے اپنی رحمت سے محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے۔

﴿قُلۡ لَّٮِٕنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا(88)﴾

''آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں''۔(88)

سوال:﴿ قُلۡ لَّٮِٕنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴾''آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جنوں اور انسانوں کو معارضے کی دعوت دی ہے کہ وہ اس جیسا قرآن بنالائیں اوراس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ بھی فرما دیا کہ وہ اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کر لیں۔ یہ سب کچھ اسی طرح واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔جھٹلانے والوں کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ وہ کسی طریقے سے اس دعوت کو جھوٹا ثابت کریں جسے رسول ﷺ لے کر آئے اور وہ لغت عرب کے ماہر اور فصاحت وبلاغت کے مالک تھے۔اگر ان میں اس

دعوت کا مقابلہ کرنے کی ذراسی بھی اہلیت ہوتی تو وہ ضرور اس کا مقابلہ کرتے۔اس سے یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے طوعاً وکرھاً اس بارے میں اپنی بے بسی کو تسلیم کرلیا اور قرآن کے معارضے سے عاجز آ گئے۔اور وہ مخلوق جو مٹی سے پیدا کی گئی،جو ہر پہلو سے ناقص ہے،جو علم، قدرت،ارادہ اور مشیت سے محروم ہے،اس کا کلام اور کمال اس کے رب کا عطا کردہ ہے،رب کائنات کے کلام کا کس طرح مقابلہ کرسکتی ہے،جو تمام بھید کو جاننے والا ہے،جو کمال مطلق،حمد مطلق اور مجد عظیم کا مالک ہے،وہ ایسی ہستی ہے کہ اگر سات سمندروں کو روشنائی اور تمام درختوں کے قلم بنادیئے جائیں،تو تمام روشنائی ختم ہو جائے گی اور قلم فنا ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی ختم نہ ہوں گے۔پس جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں،اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کے مماثل نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی۔جو کہ اس کی صفت ہے۔بے مثل ہے۔اس کی ذات،اس کے اسماء،اس کی صفات اور اس کے افعال میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔تب ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام کے مشابہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے اسے اپنے دل سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے۔(تفسیر سعدی:2/1486،1487)(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾﴾"اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ غیر اللہ سے گھڑ لیا گیا ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے،اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیں تو اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔(یونس:37;38)(3) ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ لا قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ط قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ج اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾﴾"اور جب اُن پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو،آپ کہہ دیں میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنی جانب سے اُسے بدل دوں،میں اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے،بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"(یونس:15)(4)﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾"یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بُلا سکتے ہو بُلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو؟ چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اُتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟(ہود:13،14)(5)قرآن کی فضیلت کا تذکرہ ہے کہ اگر کائنات کے تمام انسان اور جن قرآن جیسی عظیم

کتاب لانے پر اتفاق کرلیں تو یہ کتاب نہیں لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہی کیوں نہ کرلیں کیونکہ یہ کام ساری مخلوقات کی طاقت سے باہر ہے۔(6) خالق کا کام مخلوق کے کلام سے مشابہ نہیں ہوسکتا۔

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا(89) ﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کی ہیں مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا ہر بات کا انکار کیا ہے''۔(89)

سوال:﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کی ہیں مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا ہر بات کا انکار کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کی ہیں''یعنی ہم نے اس قرآن میں مختلف طرح کی مثالیں اور مواعظ بیان کیے ہیں۔ان کے مضامین کو بار بار دہرایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔(2)﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾''مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا ہر بات کا انکار کیا ہے''مگر کم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی اس سب سے بڑی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں یعنی وہ معجزات اور آیات کا مطالبہ کرتے ہیں۔(3) اکثر لوگ حق نہیں مانتے سیدھی بات کو ٹھکرا دیتے ہیں۔(4) وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے باطل پر جمے رہتے ہیں۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا(90)﴾

''اور اُنہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کردیں''۔(90)

سوال:﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾''اور اُنہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کردیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور اُنہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کردیں''مشرکین مکہ نے ایمان لانے کے لیے خرق عادت معجزات کو طلب کیا،مثلاً اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک زمین پھاڑ

کرچشمے نہیں نکال لاتے۔

﴿ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا (91) ﴾

"یا آپ کے پاس کھجوروں اورانگوروں کا ایک باغ ہو، چنانچہ آپ اس کے درمیان میں نہریں جاری کردیں، خوب جاری کرنا"۔(91)

سوال: ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴾ "یا آپ کے پاس کھجوروں اورانگوروں کا ایک باغ ہو، چنانچہ آپ اس کے درمیان میں نہریں جاری کردیں، خوب جاری کرنا" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو' چنانچہ آپ اس کے درمیان میں نہریں جاری کردیں، خوب جاری کرنا"، یعنی تمہارے پاس باغات، کھجوریں، انگور اور چشمے ہوں گے تو تم بازاروں میں آنے جانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرو گے۔ (2) یہ مطالبہ اس لئے کیا گیا تا کہ ایمان لانے کا مطالبہ کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ نہ اُنگوروں اور کھجوروں کے باغ پیدا ہوں نہ نہریں جاری ہوں اور یوں ایمان سے بچنے کے اسباب پیدا ہوجائیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (96) وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (97) ﴾ "یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس ہرنشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔" (یونس:96-97) ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾ "اور اگر واقعتاً ہم اُن پر فرشتے اُتار دیتے اور مردے اُن سے باتیں کرتے اور ہم اُن کے سامنے ہر چیز جمع کردیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے تھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے لیکن ان میں سے اکثر جہالت برتتے ہیں۔" (الانعام:111)

﴿ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (92) ﴾

"یا جیسے آپ نے دعویٰ کیا ہے، ہم پر آسمان کوٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے لے آئیں"۔(92)

سوال: ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾ "یا جیسے آپ نے دعویٰ کیا ہے، ہم پر آسمان کوٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے لے آئیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا ﴾ "یا جیسے آپ نے دعویٰ کیا ہے، ہم پر آسمان کوٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں"، یعنی آپ ہمیں ایسا معجزہ دکھاؤ کہ عذاب کی وجہ سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا

کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾''سوہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرادو، اگر تم سچے لوگوں میں سے ہو۔'' (الشعراء:187)(3) مشرکین یہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن پر آسمان کے ٹکڑے گریں۔ یہ بات تو وہ بے یقینی کی وجہ سے کہتے تھے تا کہ ان سے ایمان کا مطالبہ نہ ہوسکے۔(4)﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾''یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے لے آئیں'' فرشتوں کے سامنے آنے سے مراد یہ ہے کہ ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ سکیں۔(5) یعنی فرشتے روبرو آ کر آپ ﷺ کی گواہی دیں۔(6) رب العزت نے ان کے ایسے ہی مطالبات کا ایک اور مقام پر ذکر فرمایا ہے﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴾''اور جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اُتارے گئے؟ یا ہم اپنے رب ہی کو دیکھتے؟ وہ اپنے دلوں میں بہت بڑے بن گئے اور انہوں نے سرکشی اختیار کی، بہت بڑی سرکشی''۔ (الفرقان:21)

﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (93)﴾

''یا آپ کا کوئی سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور آپ کے چڑھنے کو ہم نہ مانیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایسی کتاب اُتار دیں جسے ہم پڑھیں، آپ کہہ دیں کہ پاک ہے میرا رب میں ایک انسان کے سوا کچھ نہیں، جو رسول ہے''۔(93)

سوال1:﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ﴾''یا آپ کا کوئی سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ﴾''یا آپ کا کوئی سونے کا گھر ہو'' یعنی تمہارے لیے سونے سے منقش اور آراستہ گھر ہو۔(2)﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ﴾''یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں'' یعنی تم جسمانی طور پر آسمان پر چڑھ جاؤ۔(3) مشرکین کے مطالبات سے اُن کی قوت ادراک کی ناپختگی کا اظہار ہو رہا ہے۔(4) ان مطالبات سے اُن کی ہٹ دھرمی کا پتہ چل رہا ہے۔ وہ کسی طور ایمان کی بات سننا بھی نہیں چاہتے۔(5) مسند احمد میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں بطحاء کے بارے میں مجھ سے فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اسے سونے کا بنا دوں۔ میں نے گزارش کی کہ نہیں اے اللہ! میری چاہت تو یہ ہے کہ ایک روز پیٹ بھرا رہوں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ بھوک میں تیری طرف جھکوں، تضرع اور زاری کروں اور بکثرت تیری یاد کروں، بھرے پیٹ سو جاؤں تو تیری حمد کروں، تیرا شکر بجا لاؤں۔ (ابن کثیر:3/244)

سوال2:﴿ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾''اور آپ کے چڑھنے کو ہم نہ مانیں گے یہاں تک کہ آپ

ہم پر ایسی کتاب اُتار دیں جسے ہم پڑھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور آپ کے چڑھنے کو ہم نہ مانیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایسی کتاب اُتار دیں جسے ہم پڑھیں'' چونکہ یہ کلام محض تعنت اور رسول کو بے بس کرنے کی خواہش اور داعیہ ہے، یہ احمق ترین اور ظالم ترین لوگوں کا کلام ہے جو حق کو ٹھکرا دینے کو متضمن ہے، نیز یہ اللہ تعالیٰ کے حضور بے ادبی اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آپ یہ آیات خود تصنیف کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کریں۔ (تفسیر سعدی:1488/2)

سوال3: ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ پاک ہے میرا رب میں ایک انسان کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ پاک ہے میرا رب'' یعنی جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ اس کے احکامات ان کی خواہشات کے تابع ہوں۔ وہ بہت بلند اور بالاتر ہے کہ اس کی آیات ان کے گمراہ نظریات کے تابع ہوں۔ (2) ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ''میں ایک انسان کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے'' یعنی میرا کوئی اختیار نہیں (3) (i) اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ معجزات اگر چہ پیغمبروں کے ہاتھوں ظاہر کیے جاتے ہیں لیکن اس میں پیغمبر کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ (ii) رسول اپنے مقررہ فرائض کے مطابق کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے فرائض اور حدود سے بڑھ کر کام نہیں کرتے۔

رکوع نمبر 11

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (94) ﴾

''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' (94)

سوال: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى ﴾ ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں'' یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی وحی پر ایمان لانے اور اس کے انبیاء کی نبوت کا انکار کرنے سے نہیں روکا مگر اس شبہے نے جس نے ان کے دل میں گرہ ڈال دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا۔ (الاساس:3122/6) (2) ﴿ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ

بَشَـرًا رَّسُـوْلًا ﴾اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے' اکثر لوگ رسولوں کے انسان ہونے کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ۔(3)(i) لوگوں نے انسانیت اور بشریت کی قدر نہیں جانی۔(ii) لوگوں نے فرشتوں کے مزاج اور اُن کے کام کو سمجھنے میں غلطی کی۔(iii) لوگوں نے اس بات کو نہیں سمجھا کہ انسان کے رسول بنانے میں کیا حکمت ہے۔(iv) لوگوں کو اس بات پر تعجب تھا کہ ہمارے جیسا چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، بیوی بچے رکھتا شخص آخر رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تعجب اُن کے ایمان کے راستے کی رکاوٹ بن گیا۔ (v) لوگوں نے رسالت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اس لیے بشر کو رسول تسلیم کرنے سے انکار کیا۔(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾''کیا لوگوں کے لیے ایک عجیب بات ہوگئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ آپ لوگوں کو ڈراد واور بشارت دے دو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے کہ یقیناً اُن کے لیے ان کے رب کے پاس سچا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا بے شک یہ ضرور کھلا جادوگر ہے''۔(یونس:2)(5) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾'' یہ اس لیے ہے کہ یقیناً اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلائل کے ساتھ آتے رہے تھے تو اُنہوں نے کہا: ''کیا انسان ہماری راہ نمائی کریں گے؟'' چنانچہ اُنہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بے پرواہے، تمام خوبیوں والا ہے''۔(التغابن:6)(6) ﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴾ ''چنانچہ اُنہوں نے کہا: ''کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم ہماری غلام ہے۔'' (المومنون:47) (7) ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾''اُن کے رسولوں نے کہا کہ کیا اُس اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تمہیں ایک مدتِ مقررہ تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہمارے جیسے انسان ہی ہو، تم چاہتے ہو کہ ان سے ہمیں روک دو، جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے چنانچہ تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ''۔(ابراہیم:10)

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (95)﴾

''آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ضرور ہم آسمان سے اُن پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے''۔(95)

سوال: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾''آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ضرور ہم آسمان سے اُن پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)''آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ضرور ہم آسمان سے اُن پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے''فرشتوں کا رسول ہونا اسی صورت ممکن تھا کہ زمین میں فرشتے بستے ہوتے۔پھر فرشتے رسول بن کر آتے۔اور جب زمین میں انسان بستے ہیں تو انسانوں کے لیے فرشتے کیسے رسول ہو سکتے ہیں؟(2)یعنی اگر وہ فرشتوں کو دیکھنے کی طاقت رکھتے اور ان سے احکام اخذ کر سکتے تو فرشتوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴾اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو ہم ضرور اس کو بھی آدمی بناتے اور ہم یقیناً انہیں اسی شبہ میں ڈال دیتے جس میں وہ اب پڑے ہیں۔(الانعام:9)(4)انسانوں کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی حکمت،اس کا احسان اور اس کی نعمت عظمیٰ ہے۔(5)﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب اُن ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جو اُنہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور اُنہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے''۔(آل عمران:164)(6)﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾'' بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اُس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو،تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے،مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا،نہایت مہربان ہے''۔(التوبہ:128)(7)﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (١٥١)﴾''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے''۔(البقرہ:151)

﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًام بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًام بَصِيْرًا(96)﴾

آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے،یقیناً وہ ہمیشہ سے اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔(96)

سوال1:﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًام بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾''آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے''اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول کے لیے گواہی ہے کہ اس نے

معجزات کے ذریعے سے اپنے نبی کی تائید کی اوران لوگوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کو فتح ونصرت عطا کی جنہوں نے آپ ﷺ سے دشمنی کی۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (۴۴) لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (۴۵) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (۴۶)﴾ ''اوراگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لاتا۔تو یقیناً ہم اُس کواس کے دائیں ہاتھ سے پکڑتے پھر یقیناً ہم اُس کی رگِ جان کاٹ دیتے''۔ (الحاقۃ:46)(2)اللہ تعالیٰ کی گواہی کی بات سے انسان کواس کا انجام یاددلایا گیا ہےکہ اگر تم نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے بچ نہیں سکو گے۔(3)اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے جو پیغام پہنچانا تھا پہنچا دیا اس پراللہ تعالیٰ گواہ ہے۔وہی بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔

سوال2: ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا﴾ ''یقیناً وہ ہمیشہ سے اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا اورسب کچھ دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ﴾ ''یقیناًوہ ہمیشہ سے اپنے بندوں کی''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کی،ان کے امور کی،ان کے افعال کی،ان کے حق اور باطل پر ہونے کی اوران کی ہدایت اور گمراہی کی۔(2)﴿خَبِيْرًا﴾ ''پوری خبر رکھنے والا ہے''یعنی اسے معلوم ہے کہ کون ہدایت کا حق دار ہے یا نہیں اور کون انعام کا حق دار ہے یا نہیں۔(3)﴿بَصِيْرًا﴾ ''اورسب کچھ دیکھنے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے بندوں کے اموراوران کے معاملات چھپے نہیں رہتے۔

﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (97)﴾

اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے،تو وہی ہدایت پانے والا ہےاور جسے وہ گمراہ کرتا ہےتو آپ اللہ تعالیٰ کے سوااُن کا کوئی سرپرست ہرگز نہیں پائیں گے،اورہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اندھا،گونگااور بہرہ اُٹھائیں گے،اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے،جب کبھی وہ بجھنے لگے گی تو ان کے بھڑکنے کو ہم اورزیادہ کردیں گے۔(97)

سوال1: ﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے،تو وہی ہدایت پانے والا ہےاور جسے وہ گمراہ کرتا ہےتو آپ اللہ تعالیٰ کے سوااُن کا کوئی سرپرست ہرگز نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ﴾ ''اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے''اے محمد ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ ایمان کے لیے ہدایت دےاور جوآپ اپنے رب کی جانب سے لائے ہو وہ اس کی تصدیق کرے۔(2)﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ ''تو وہی ہدایت پانے والا ہے''وہی حق تک پہنچنے والا ہے۔اس کے علاوہ کوئی ہدایت نہیں پا سکتا کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(جامع البیان:167/15)(3)﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ ''اور جسے وہ

گمراہ کرتا ہے''جس کو اللہ تعالیٰ حق سے گمراہ کر دے اور پھر اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے کی توفیق نہ ملے۔(4)﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾''تو آپ اللہ تعالیٰ کے سوا اُن کا کوئی سرپرست ہرگز نہیں پائیں گے''اے محمد! آپ ﷺ ان کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی مدد کر سکے جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے سزا کا فیصلہ کر دے۔ جب وہ چہروں کے بل اندھے اور گونگے بنا کر اکٹھا کرے گا وہ نہ دیکھ سکیں گے اور نہ بول سکیں گے۔(5) اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی صرف اسی کے قبضہء قدرت میں ہے۔ وہ جسے ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے آسان راہیں میسر کر دیتا ہے اور اس کو تنگی سے بچالیتا ہے اور وہی درحقیقت ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہ کرتا ہے اسے اس کے نفس کے حوالے کر کے اس سے الگ ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ (تفسیر سعدی:2/1490،1489) (6)(i) انسان کو ہدایت اور گمراہی دونوں کی استعداد بخشی گئی ہے۔ (ii) انسان اپنے آزادانہ اختیار سے ہدایت یا گمراہی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔(iii) جو ہدایت کے اُصولوں اور طریقوں کو اپناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مستحق ہو جاتا ہے۔(iv) جو گمراہی کے اُصولوں اور طریقوں کو اپناتا ہے وہ گمراہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

سوال2:﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾''اور ہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اندھا، گونگا اور بہرہ اُٹھائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾''اور ہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اُٹھائیں گے'' مشرک جب قیامت کے دن اپنی قبروں سے منہ کے بل اٹھائے جائیں گے۔﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾''جس دن وہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے''۔(القمر:48) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صاحب نے پوچھا، اے اللہ کے نبی! کافر کو قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل کس طرح چلایا جائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس نے اسے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا ہے اس پر قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو اس کے چہرے کے بل چلا دے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، ہمارے رب کی عزت کی قسم! یوں ہی ہوگا۔ (بخاری:407) (2)﴿عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾''اندھا، گونگا اور بہرہ''جس طرح لوگ دُنیا میں حق کے معاملے میں گونگے، بہرے اور اندھے بنتے ہیں بدلے کے طور پر قیامت کے دن بھی ایسے ہی اُٹھایا جائے گا۔(3) مسند احمد میں ہے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: اے بنی غفار قبیلے کے لوگو! سچ کہو اور قسمیں نہ کھاؤ۔ صادق ومصدوق پیغمبر نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ لوگ تین قسم کے بنا کر حشر میں لائے جائیں گے ایک فوج تو کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے والی ہوگی اور ایک چلنے اور دوڑنے والی، ایک وہ جنہیں فرشتے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم کے سامنے جمع کریں گے۔ لوگوں نے کہا دو قسمیں تو سمجھ آ گئیں لیکن یہ چلنے اور دوڑنے والے سمجھ نہیں آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سواریوں پر آفت آئے گی۔ یہاں تک کہ ایک انسان ہرا بھرا باغ دے کر پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے لیکن مل نہ سکے گی، یہ اس وقت نابینا ہوں گے، بے زبان ہوں گے کچھ بھی نہ کہہ سکیں گے غرض مختلف حال ہوں گے اور گناہوں کی شامت میں گناہوں کے مطابق گرفتار کئے جائیں گے،

دنیا میں حق سے اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے آج سخت احتیاج والے دن، سچ مچ اندھے بہرے اور گونگے بنا یئے گے۔(ابن کثیر:244/3)

سوال3: ﴿مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ''اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب کبھی وہ بجھنے لگے گی تو ان کے بھڑ کنے کو ہم اورزیادہ کردیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ''اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے'' یعنی ان کا گھر، ان کی جائے قرار۔(2) جہنم جہاں ہر قسم کا عذاب ہے۔ (3) ﴿كُلَّمَا خَبَتْ﴾ یعنی عذاب ان پر سے کبھی ختم نہیں ہوگا، نہ اس میں کمی آئے گی۔ ﴿زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ''ان کے بھڑ کنے کو ہم اورزیادہ کردیں گے'' جب کبھی جہنم کے شعلے مدہم پڑیں گے انہیں اور بھڑکا دیا جائے گا۔ اب سزا بھگتو تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا(98)﴾

یہ اُن کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے یقیناً ہماری آیات کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعتاً ہم ضرور نئی پیدائش میں اُٹھائے جانے والے ہیں؟(98)

سوال1: ﴿ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''یہ اُن کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے یقیناً ہماری آیات کا انکار کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ '' یہ اُن کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے یقیناً ہماری آیات کا انکار کیا'' اوندھے منہ حشر کی سزا اس وجہ سے ہوگی: (i) اُنہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا اور کہا کہ جب ہم مرجائیں گے، ہڈیاں اور ریزہ ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اُٹھا کھڑا کیا جائے گا؟ (ii) اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی۔ (iii) کائنات کی نشانیوں پر غور وفکر نہیں کیا۔

سوال2: ﴿وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؟ تو کیا واقعتاً ہم ضرور نئی پیدائش میں اُٹھائے جانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کے اس عبرت ناک عذاب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ موت کے بعد کی زندگی کے دلائل نہیں مانتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندگی ملے گی؟

سوال3: اس اعتراض کا اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا ہے کہ جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے

گا؟

جواب: وہ ذات جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا وہی ذات دوبارہ پیدا فرمائے گی۔﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ط قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ج فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ط قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ﴾''تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو۔'' (بنی اسرائیل:51)

سوال4: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا، اس بات کا رب العزت نے کیا جواب دیا ہے؟

جواب: عدم وجود سے انسان کو وجود میں لانے والی ذات اسے دوبارہ پیدا کرے گی۔﴿اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا﴾''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا''۔(مریم:67)

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ط فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا(99)﴾

''اور کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ اور اُس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے سوائے کفر کے ہر بات کا انکار کیا ہے۔'' (99)

سوال: ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ط فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا﴾''اور کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ اور اُس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے سوائے کفر کے ہر بات کا انکار کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾''اور کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے''یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''۔(غافر:57) (2)﴿قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾''وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے''(i) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پوری قدرت رکھتا ہے۔(ii) اللہ

تعالیٰ نے یہ دلیل دی ہے کہ آسمان اور زمین کے مقابلے میں انسان کی تخلیق آسان ہے۔(3)﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾''اور اُس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں''اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس گھڑی کو اچانک لے آئے۔(تفسیر سعدی:1490/2)(4)﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾''اور ہم اسے ایک گنی ہوئی مدت کے لئے ہی مؤخر کررہے ہیں''۔(ہود:104)(5)﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا﴾''پھر بھی ظالموں نے سوائے کفر کے ہر بات کا انکار کیا ہے''اور اس بات کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد موت پر دلائل و براہین قائم کردیئے ہیں﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ظلم کرتے اور افترا کرتے ہوئے۔(i) لوگ بعث بعد الموت کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ظالم ہیں، حقیقت کو نہیں مانتے۔ وہ انکار کر کے ظلم کرتے ہیں۔(ii) انسان ہٹ دھرمی کی وجہ سے دلائل کو نہیں مانتا۔

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (100)﴾

''آپ کہہ دیں اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے، تب خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم اُنہیں ضرور روکے رکھتے اور انسان بڑا ہی بخیل ہے''۔(100)

سوال:﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾''آپ کہہ دیں اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے، تب خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم اُنہیں ضرور روکے رکھتے اور انسان بڑا ہی بخیل ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾''آپ کہہ دیں اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے''یعنی وہ خزانے جو کبھی ختم نہ ہوتے ہیں نہ خالی ہوتے ہیں۔(2)﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾''تب خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم اُنہیں ضرور روکے رکھتے''یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے خزانے آپ کے قبضے میں آجائیں تو آپ خرچ ہونے کے ڈر سے انہیں روک لو گے حالانکہ وہ ختم نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان تنگ دل ہے، بخل اور کنجوسی اس کی جبلت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا﴾''یا ان کے لیے حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ تب وہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی نہ دیں گے''۔(النساء:53)(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ اسے کوئی خرچ کم نہیں کرتا جو دن ورات وہ کرتا رہتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب سے زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا ہے کتنا خرچ کر دیا ہے۔ اس سارے خرچ نے اس میں کوئی کمی نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے

دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ اٹھاتا اور جھکاتا ہے۔(صحیح بخاری:7419)(5)﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ ''اورانسان بڑا ہی بخیل ہے''،یعنی انسان تنگ دل ہوتا ہے۔(i) انسان تنگ دل ہے اس لیے خوف زدہ ہوتا ہے۔(ii) انسان بخیل ہے اس لیے ختم ہو جانے کے خوف سے تنگ دل ہو جاتا ہے۔(iii) انسان کو بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں کمی نظر آتی ہے۔

رکوع نمبر12

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْجَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (۱۰۱)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات دیے چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں، جب موسیٰ اُن کے پاس آیا تو فرعون نے اُس سے کہا:''اے موسیٰ! یقیناً میں تجھے واقعی سحر زدہ سمجھتا ہوں۔''(101)

سوال:﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْجَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات دیے چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں، جب موسیٰ اُن کے پاس آیا تو فرعون نے اُس سے کہا:''اے موسیٰ! یقیناً میں تجھے واقعی سحر زدہ سمجھتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات دیے''،یعنی اے رسول کہ جس کی آیات و معجزات کے ذریعے سے تائید کی گئی ہے۔آپ پہلے رسول نہیں ہیں جس کی لوگوں نے تکذیب کی۔ہم نے آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کو رسول بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا، ہم نے انہیں عطا کیے،﴿تِسْعَ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ﴾ جو شخص حق کا قصد رکھتا ہے اس کے لئے ان میں ایک ہی معجزہ کافی ہے۔جیسے اژدہا،عصا،طوفان،ٹڈی دل، جوئیں،مینڈک،خون، ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا۔(تفسیر سعدی:1491/2)(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نو بڑے بڑے معجزات دے کر مبعوث فرمایا جن سے ان کی نبوت اور آپ ﷺ کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ فرعون اور فرعونیوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے ہیں: یہ نو معجزے ہیں عصا، ید بیضاء،قحط،دریا،طوفان،ٹڈیاں، جوئیں،مینڈکیں اور خون۔(مختصر ابن کثیر:1074/2)(3)﴿فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْجَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا﴾ ''چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں۔جب موسیٰ اُن کے پاس آیا تو فرعون نے اُس سے کہا:''اے موسیٰ! یقیناً میں تجھے واقعی سحر زدہ سمجھتا ہوں'' فرعون حق کا مخالف تھا اور حق کے مخالفوں کی صفات میں سے ہے کہ جب وہ دلائل کو الفاظ سے رد کرنے اور دبانے میں کامیاب نہیں ہوتے تو پروپیگنڈے کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہیں۔یہ ایک نبی کے خلاف پروپیگنڈا ہے کہ جو نشانیاں تم لائے ہو وہ جادو ہیں۔

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓـؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ج وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (102) ﴾

''موسیٰ نے کہا:''بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو ان کو نازل نہیں فرمایا مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)، اور اے فرعون! واقعی میں سمجھتا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا ہوا ہے۔''(102)

سوال: ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓـؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ج وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو ان کو نازل نہیں فرمایا مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)، اور اے فرعون! واقعی میں سمجھتا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا۔ (2) ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ﴾ یعنی تجھے خوب معلوم ہے۔ (3) ﴿مَآ اَنْزَلَ هٰٓـؤُلَآءِ﴾ یعنی ان نو معجزات کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ (4) ﴿اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ ''مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)'' اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اس نے تم پر حجت قائم کرنے کے لیے دلائل اتارے ہیں جو میری رسالت کی نشانیاں ہیں۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۱۳) وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۴) ﴾ ''توجب آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں اُن کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ اور اُنہوں نے اُن کا ظلم اور تکبر سے انکار کیا حالانکہ اُن کے دل اس کا یقین کر چکے تھے پس آپ دیکھیں فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا!'' (النمل:14،13) (5) ﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ''اور اے فرعون! واقعی میں سمجھتا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا ہوا ہے'' یعنی اے فرعون! میں جانتا ہوں کہ تو ضرور دھتکار کر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پھینکا جانے والا ہے۔

﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا (103)﴾

''پھر فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں زمین سے اُکھاڑ پھینکے، تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔''(103)

سوال: ﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ ''پھر فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں زمین سے اُکھاڑ پھینکے، تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرَادَ﴾ ''پھر فرعون نے ارادہ کیا'' فرعون نے ارادہ کیا۔ (2) ﴿اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ''کہ انہیں زمین سے

اُکھاڑ پھینکے'' یعنی آپ بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے جلاوطن کر کے مصر خالی کرانا چاہتے ہو۔ سرکش لوگ اور ڈکٹیٹر سچی دعوت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں اس لیے اُس نے بھی یہی ردعمل ظاہر کیا اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کرنے کی ٹھان لی۔(3) ﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ ''تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنت کے مطابق ظالموں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں غرق کر دیا۔

﴿ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا(104)﴾

''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے۔''(104)

سوال1: ﴿ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس زمین میں رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فلسطین کا وارث بنا دیا۔(2) اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنت کے مطابق جب ظالموں کو ہلاک کر دیا تو سُنت کے تحت پسے ہوئے کمزور لوگوں کو زمین کا وارث بنا دیا۔(3) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی ہے۔

سوال2: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا﴾ ''پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب قیامت آئے گی تو ہم تم سب کو لے کر آئیں گے یعنی تمہیں اور تمہارے دشمنوں کو بھی۔ پھر عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا دیں گے۔(2) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ تم کس وجہ سے رو رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے دوزخ کی یاد آئی تو میں نے رونا شروع کر دیا۔ کیا آپ ﷺ اپنے اہل خانہ کو قیامت کے روز یاد کریں گے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین مقامات پر کوئی شخص کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ایک تو میزان یعنی نامہ اعمال کا وزن کئے جانے والی ترازو کے پاس جب تک کہ یہ علم نہ ہو جائے کہ اس کے نامہ اعمال کی ترازو ہلکی ہوئی ہے یا وزن دار۔ دوسرے جب کہا جائے گا کہ اے لوگو آؤ اپنی اپنی کتاب (نامہ اعمال) کو پڑھو جب تک یہ علم نہ ہو جائے کہ اس کا نامہ اعمال کس طرف سے ملتا ہے دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے یا پشت کے پیچھے سے۔ اور تیسرے پل صراط پر جب وہ دوزخ پر رکھا جائے گا جب تک اس سے یعنی پل صراط سے گزر نہ جائیں۔(سنن ابوداؤد: 4755)(3) سیدنا قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے کہ اچانک رونے لگے، ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی رونے لگیں، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تم کیوں رو رہی ہو؟'' بیوی نے عرض کیا ''آپ کو روتے دیکھا تو میں بھی

رونے لگی'' سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا جہنم سے گزر نہ ہو'' (مریم:71) اور مجھے معلوم نہیں کہ جہنم کے اوپر رکھے ہوئے پل صراط سے گزرتے ہوئے ہم بچیں گے یا نہیں؟'' (حاکم: کتاب الاھوال:73) (4) سیدنا ابومیسرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے بستر پر جاتے تو کہتے ''اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی'' اور رونے لگتے، ان سے کہا گیا ''اے ابومیسرہ کیوں روتے ہو؟'' سیدنا ابومیسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ''ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ ہم نے جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے لیکن یہ علم نہیں کہ نجات ہوگی یا نہیں؟'' (ابن کثیر:179/3) (5) سیدہ فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ جو کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی تھیں، فرماتی ہیں کہ لوگوں میں سیدنا عمر رحمۃ اللہ علیہ سے نماز روزہ زیادہ کرنے والے تو بہت تھے لیکن اپنے رب کے ڈر سے رونے والا میں نے سیدنا عمر رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ جب نماز عشاء سے فارغ ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ بلند کر لیتے اور مسلسل روتے رہتے حتیٰ کہ نیند غالب آ جاتی، جگایا جاتا تو پھر اپنے ہاتھ بلند کر کے رونا شروع کر دیتے حتیٰ کہ آنکھوں میں نیند غالب آ جاتی۔ (تذکرۃ الحفاظ:120/1)

﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (105) ﴾

''اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ نازل ہوا ہے۔ اور ہم نے آپ کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' (105)

سوال1: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ ''اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ نازل ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ﴾ ''اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے'' یعنی ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے، وہ سراپا حق ہے۔ (2) ﴿وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ ''اور حق کے ساتھ ہی وہ نازل ہوا ہے'' یعنی یہ قرآن شیطان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ سچی اور عدل پر مبنی کتاب ہے۔ (3) قرآن یقینی، قطعی اور غیر مشتبہ کتاب ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔'' (البقرۃ:2) (4) ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٣٧)﴾ ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ غیر اللہ سے گھڑ لیا گیا ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔'' (یونس:37) (5) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (٤١) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ ۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (٤٢)﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے اس ذکر (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جب کہ وہ اُن کے پاس آ گیا حالانکہ یقیناً وہ ایک باعزت کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس نہ اُس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے، کمال حکمت

والے،تمام خوبیوں والے کی جناب سے نازل کردہ ہے۔‘‘(حم السجدہ:41,42)(6)﴿الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ﴾’’الر۔ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھر کمال حکمت والے، پوری خبر رکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔‘‘(ہود:1)(6) قرآن حکیم مفصل ہے۔اس میں دین کے اصول اور کلیات بیان کئے گئے ہیں جو انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔﴿اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴾’’تو کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہاری جانب یہ کتاب مفصل نازل کی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں یقیناً وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل کی گئی ہے لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔‘‘(الانعام:114)(7) قرآن حق اور باطل کی امتیازی کسوٹی ہے۔﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ﴾’’بہت برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اُتارا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔‘‘(الفرقان:01)(8) نزول قرآن کا مقصد ایک اُمت کو تشکیل دینا اور اس کی تربیت کرنا تھا کہ یہ اُمت اس سچائی کو لے کر سارے جہان میں پھیل جائے اور نظام حیات کی تعلیم دے اور اس سچائی کے نظام کو قائم کردے۔

سوال2:﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴾’’اور ہم نے آپ کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا ﴾’’اور ہم نے آپ کو خوش خبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے‘‘یعنی جن لوگوں نے اطاعت کی ان کے لیے دنیا و آخرت کے ثواب کے لیے خوش خبری دینے والا بنایا۔(2)﴿وَّنَذِیۡرًا﴾’’اور ڈرانے والا‘‘یعنی نافرمانوں کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے۔(3)(i) اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ اطاعت گزاروں کے لیے خوش خبریاں دینے والے مبشر بنا کر بھیجے گئے۔(ii) اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نافرمانوں کو ڈراوے دینے کے لیے نذیر بنا کر بھیجے گئے۔(4)﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا (۱)﴾’’بہت برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اُتارا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔‘‘(الفرقان:1)

﴿وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا (106)﴾

’’اور ہم نے اس قرآن مجید کو جدا جدا کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے نازل کیا، بتدریج نازل کرنا۔‘‘(106)

سوال:﴿وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا﴾’’اور ہم نے اس قرآن مجید کو جدا جدا کر کے نازل

کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے نازل کیا، بتدریج نازل کرنا'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ﴾''اور ہم نے اس قرآن مجید کو جدا جدا کر کے نازل کیا ہے''یعنی ہم نے اس قرآن کو وقفے وقفے سے نازل کیا ہے جو حق اور باطل میں تفریق کرنے والا ہے۔(2)اللہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَذٰلِكَ ج لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۳۲)﴾''اور اُن لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا، اس پر پورا قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟اسی طرح (ہم نے اُتارا) تاکہ ہم آپ کے دل کو اس کے ساتھ مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا، خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا''۔(الفرقان:32)(3)﴿لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾''تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں''۔قرآن مجید اُمت کی تربیت کے لیے نازل کیا گیا۔تربیت کے لیے طویل مدت درکار ہوتی ہے اس لیے قرآن حکیم بھی طویل مدت تک اور وقت اور حالات کے مطابق نازل ہوتا رہا۔(4)مسلمانوں نے اس کتاب کے مطابق عمل کرنا تھا۔اس لیے اسے تدریج کے ساتھ نازل کیا گیا۔(5)قرآن مجید کو اس لیے تدریج کے ساتھ نازل کیا گیا تاکہ لوگ اسے خوب سمجھیں اور یہ آہستہ آہستہ ان کے فکر و عمل کا حصہ بنتا جائے۔(6)تاکہ وہ اس کے معانی میں تدبر کریں اور اس میں سے اس کے مختلف علوم کا استخراج کریں۔(تفسیر سعدی:1492/2)
(7)﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾''بتدریج نازل کرنا''قرآن پہلے لوح محفوظ سے بیت العزت میں رکھا گیا پھر بتدریج 23 سال میں اترا۔یعنی ہم نے یہ قرآن لوح محفوظ سے علیحدہ کر کے دنیوی آسمان کے عزت والے گھر میں بھیج دیا پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے واقعات کے اعتبار سے 23 سال کی مدت میں آپ پر نازل کیا۔(مختصر ابن کثیر:1075/1)(8)رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (۳۳)﴾''اور وہ آپ کے پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق اور بہترین تفسیر لاتے ہیں۔''(الفرقان:33)

﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (107)﴾

''آپ کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، یقیناً اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا جب اُن پر یہ پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں۔''(107)

سوال1:﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾''آپ کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿قُلْ﴾''آپ کہہ دو''ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے حق سے منہ موڑا۔(2)﴿اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾''تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ''اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، تمہیں ہی اس کے جھٹلانے کا نقصان پہنچے گا۔اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے سعادت مند ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ یہ نفع مند علم عطا فرماتا ہے۔

سوال2: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ ''یقیناً اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا جب اُن پر یہ پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ ﴾ ''یقیناً اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا'' یعنی قرآن سے پہلے جو علم رکھنے والے لوگ ہیں وہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، اس پر عمل کرتے ہیں، اس میں تبدیلی نہیں کرتے۔ (2) ﴿ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ ''جب اُن پر یہ پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں'' وہ قرآن کے حق ہونے کو پہچانتے ہیں تو جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ شکرادا کرنے کے لیے ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس نے آخری رسول کا زمانہ دکھایا اور یہ مقدس کتاب عطا فرمائی۔ (3) جو لوگ پہلی کتابوں کی وجہ سے وحی کی حقیقت سے واقف ہوجاتے ہیں انہیں جب آخری رسول پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا جدا ہوجاتا ہے اور کہتا ہے ہائے خرابی! آدمی کو سجدے کا حکم ہوا اس نے سجدہ کیا اب وہ جنت میں جائے گا اور مجھ کو سجدے کا حکم ہوا میں نے انکار کیا اب میرے لئے دوزخ ہے۔ (سنن ابن ماجہ :1052) (5) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن پڑھتے تھے پھر اس میں سجدہ والی سورہ پڑھتے تو سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض کو اپنی پیشانی رکھنے کے لئے بوجہ تنگی جگہ نہیں ملتی تھی۔ (صحیح مسلم:1295) (6) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سجدہ تلاوت میں پڑھتے تھے ﴿سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَ قُوَّتِهٖ ﴾ ''میرا چہرہ اس کے آگے سجدہ ریز ہوا جس نے اسے اپنی قدرت وقوت سے پیدا کیا، جس نے اسے سننے کے لیے کان اور دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں۔'' (جامع ترمذی:3425) (7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو آگ کبھی نہ لگے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہے دوسری وہ جس نے پہرہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں رات کاٹی۔ (ترمذی:1639) (8) ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۚ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (۵۸) ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو ان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد میں سے انعام فرمایا، اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور ہم نے منتخب کیا۔ جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے۔'' (مریم :58) (9) ایک دفعہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سنا رہے تھے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ ''تب کیا ہوگا جب ہر ایک امت پر ہم ایک ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب

امتوں پر شہادت کے لیے کھڑا کریں گے''۔(النساء:41)فرمایا: بس! ٹھہرو۔ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔(بخاری:4582)(10)سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ویسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں بھی معلوم ہوتا تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔بیان کیا پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے چہرے چھپالئے ،باوجود ضبط کے ان کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ایک صحابی نے اس موقع پر پوچھا، میرے والد کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فلاں۔اس پر آیت نازل ہوئی کہ''ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں۔''(صحیح بخاری:4621)(11)سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے سورہ(لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا)پڑھ کر سناؤں۔''سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے کہا:''اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟''آپ ﷺ نے فرمایا:''ہاں۔''پس سیدنا ابی رضی اللہ عنہ(بے اختیار)رو پڑے۔''(صحیح بخاری:3809)(12)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''وہ شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس لوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اٹھنے والا غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔''(ترمذی:1633)(13)سیدنا مطرف رضی اللہ عنہ کے والد سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سینہ مبارک میں سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کہ چکی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔''(ابوداؤد:904)

﴿ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (108)﴾

''اوروہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب! یقیناً ہمارے رب کا وعدہ بلاشبہ ہمیشہ سے پورا کیا ہوا ہے۔''(108)

سوال:﴿وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾''اوروہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب! یقیناً ہمارے رب کا وعدہ بلاشبہ ہمیشہ سے پورا کیا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّیَقُوْلُوْنَ ﴾''اوروہ کہہ اُٹھتے ہیں''وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ادب اور احترام کرتے ہوئے کہتے ہیں۔(2)﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾''پاک ہے ہمارا رب!''ہمارا رب ان تمام صفات سے پاک ہے جو مشرکوں نے اس کی جانب منسوب کی ہیں جو اس کے جلال کے لائق نہیں۔(3)سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں کثرت کے ساتھ﴿سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا! وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ ! اغْفِرْلِیْ﴾''اے اللہ! اے ہمارے رب تو ہی پاک ہے اور تعریف تیری ہی ہے۔اے اللہ! میری مغفرت فرما۔''فرماتے تھے اور قرآن پر عمل کرتے۔(مسلم:1085)(4)﴿اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾''یقیناً ہمارے رب کا وعدہ بلاشبہ ہمیشہ سے پورا کیا ہوا ہے''یعنی اس نے جو سابقہ نبیوں کی زبان سے رسول اللہ کی بعثت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا فرمادیا ہے۔(5)اس سے یہ بھی

مراد ہوسکتی ہے کہ رب العزت نے اعمال کی جزا کا جو وعدہ موت کے بعد کی زندگی کے لیے کیا ہے وہ پورا ہوکر رہنے والا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔

﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا سجدة (١٠٩)﴾

''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرجاتے ہیں اور قرآن انہیں خشوع میں زیادہ کردیتا ہے۔'' (١٠٩)

سوال: ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرجاتے ہیں اور قرآن انہیں خشوع میں زیادہ کردیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ ﴾ ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرجاتے ہیں'' یعنی وہ منہ کے بل گرتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں، قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور نبی ﷺ کی دل سے تصدیق کرتے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1076/1) (i) دوبارہ ذکر اس لیے کیا گیا کہ پہلا سجدہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کی پاکیزگی کے لیے، شکرانے کے طور پر تھا اور دوسرا سجدہ اس رقت کی وجہ سے تھا جو قرآن مجید کی تاثیر سے ان پر طاری ہوئی۔اس نے انہیں سجدہ میں گرادیا۔(ii) جو قرآن حکیم کے لیے اپنے دلوں کو کھول دیتے ہیں وہ بے اختیار سجدے میں گرجاتے ہیں۔(2) ﴿وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ ''اور قرآن انہیں خشوع میں زیادہ کردیتا ہے'' اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ نماز میں بھی روتے ہیں۔(3) سیدنا مطرف رضی اللہ عنہ کے والد سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سینہ مبارک میں سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کہ چکی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔'' (ابوداؤد:904) (4) یہ قرآن ان کے خشوع میں اضافہ کرتا ہے۔(5) یہ اہل کتاب کے ان مومنین کی مانند ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اور اس کے بعد ایمان لائے۔(تفسیر سعدی:1493/2)

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (١١٠) ﴾

''آپ کہہ دیں کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس سے بھی تم پکارو سب بہترین نام اُسی کے ہیں اور آپ اپنی نماز میں آواز نہ بُلند کریں اور نہ ہی اسے آہستہ رکھیں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ تلاش کریں۔'' (110)

سوال1: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس سے بھی تم پکارو سب بہترین نام اُسی کے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو'' کا فر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے قائل نہ تھے۔اس لئے اس کو رحمان نہیں کہنے دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا: ان دونوں ناموں میں سے جس نام سے چاہو اپنے رب کو پکارو۔(2)﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ ''جس سے بھی تم پکارو سب بہترین نام اُسی کے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی نام ایسا نہیں جو اچھا نہ ہو اور اس کو اس نام سے پکارنے سے روکا گیا ہو۔تم جس نام سے بھی اسے پکارو گے اس سے مقصد حاصل ہو جائے گا۔مگر مناسب یہی ہے کہ اسے ہر مطلوب کی مناسبت سے،مطلوب کے مطابق نام سے پکارا جائے۔(تفسیر سعدی:2/1493,1494)

(3)﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،غیب اور حاضر کو جاننے والا،وہی وسیع رحمت والا،نہایت رحم والا ہے۔اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،بادشاہ ہے،نہایت پاک،سلامتی والا،امن دینے والا،نگہبان،سب پر غالب،اپنی مرضی چلانے والا،بے حد بڑائی والا ہے،اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔وہی اللہ تعالیٰ ہے،خاکہ بنانے والا،وجود میں لانے والا،صورت گری کرنے والا ہے،سارے اچھے نام اُسی کے ہیں،ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے۔'' (الحشر:24-22)

سوال2:﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور آپ اپنی نماز میں آواز نہ بلند کریں اور نہ ہی اسے آہستہ رکھیں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ تلاش کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ ''اور آپ اپنی نماز میں آواز نہ بلند کریں اور نہ ہی اسے آہستہ رکھیں'' یعنی بہت بلند آواز سے تلاوت نہ کیجئے اور نہ بہت چپکے سے پڑھیں۔مشرک جب نماز میں نبی ﷺ کی تلاوت سنتے تو قرآن کو بھی برا کہتے اور اسے نازل کرنے والے کو بھی،اس لیے رب العزت نے اپنے نبی کو ہدایت کی کہ درمیانی راہ اختیار کریں۔(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول:﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ کی تفسیر میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول ﷺ مکہ میں چھپ کر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تھے اور آپ ﷺ بلند آواز سے قراءت قرآن فرماتے تھے۔جب مشرکین قرآن سنتے تو قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور اس کو لانے والے کو برا کہتے تو اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: اس قدر بلند آواز سے نہ پڑھیں کہ مشرکین آپ ﷺ کی تلاوت سن لیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی نہ سن سکیں بلکہ ان دونوں کے درمیان راستہ نکال لیں جہراً اور پوشیدہ کے درمیان۔(صحیح مسلم:1001)(3)﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴾ ''ان دونوں

کے درمیان کا راستہ تلاش کریں'' یعنی بہت زیادہ بلند آواز اور بہت زیادہ پست آواز کے بین بین اور ان دونوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کیجئے۔ (تفسیر سعدی:1493، 1494/2) (4) نماز میں اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرنے پر اس لیے زور دیا گیا کیونکہ عبادات کا انحصار نہ زور سے بولنے پر ہے نہ آہستہ بولنے پر۔ عبادت کی اصل روح اپنے اندر پیدا کرو یعنی اعتدال سے کام لو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں مسلمان چھپ کر رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے نماز پڑھاتے تو مشرکین قرآن سُن کر گالیاں نکالتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی آواز کو اتنا اُونچا نہ کرو کہ مشرکین قرآن کو بُرا بھلا کہیں اور نہ اتنی پست کریں کہ صحابہ بھی نہ سن سکیں۔ (بخاری۔ کتاب التوحید)
(5) ایک رات نبی ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بہت ہلکی آواز میں نماز میں قرآن پڑھتے سُنا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بہت اُونچی آواز سے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس سے میں مناجات کر رہا تھا وہ میری آواز سن رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا'' میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی آواز تھوڑی سی بلند کرو اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی آواز تھوڑی سے پست کرو۔ (ابوداؤد)

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا(111)﴾

''اور آپ کہہ دیں کہ تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے نہ اولاد بنائی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی بڑائی بیان کریں، خوب بڑائی بیان کرنا۔'' (111)

سوال: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے نہ اولاد بنائی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی بڑائی بیان کریں، خوب بڑائی بیان کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمام تعریف کے لائق ہے۔ وہی اقتدار کا مالک، وہی واحد، وہی قہار ہے۔ اوپر اور نیچے کے جہان کے سب لوگ اس کے غلام ہیں۔ (2) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' (الفاتحہ:1) (3) سیدنا ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت کہے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ تو اتنا ثواب ہوگا جیسے ایک غلام سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آزاد کیا اور اس کے دس گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند

ہو جائیں گے اور شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا۔ پھر جب شام ہو وہ یہی کہے یعنی لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اخیر تک تو صبح تک ایسا ہی رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ:3867) (4 سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ لا الہ الا اللہ سب اذکار سے افضل ہے اور الحمدللہ سب دعاؤں سے افضل ہے۔ (جامع ترمذی:3383) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔ (عبدالرزاق) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حمد شکر کی چوٹی، یعنی مدار ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ (رواہ البیہقی وعبدالرزاق) (6) ﴿ الَّـذِىْ لَمْ يَتَّـخِذْ وَلَـدًا وَّلَـمْ يَكُـنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْـمُـلْكِ وَلَـمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ ﴾ ''جس نے نہ اولاد بنائی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ اس کا کوئی مددگار ہے'' بلکہ اللہ تعالیٰ تو ایک ہے، بے پرواہ ہے۔ نہ صاحب اولاد ہے نہ ماں باپ والا، نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کمزور نہیں ہے کہ اسے کسی وزیر اور مشیر کی ضرورت ہو۔ (7) سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ایک شخص سے سنا وہ کہہ رہا تھا: ﴿اَللّٰهُمَّ! اِنِّي أَسْئَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْأَحَدَ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ تو آپ نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے وسیلے سے سوال کیا ہے۔ جب کوئی اس کے وسیلے سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور جب کوئی اس وسیلہ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:3857) (8) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا ﴿ اللّٰهُمَّ ! اِنِّي أَسْئَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ الْمَنَّانُ ﴾ اور ایک روایت میں یوں ہے ﴿الحنان المنان بديع السموٰت والارض ذوالجلال والاكرام ﴾ آپ نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے سوال کیا ہے۔ جب کوئی اس کے وسیلے سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور جب اس کے وسیلے سے دعا کرتا ہے تو قبول کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ 3858) (9) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا سرپرست نہیں بناتا کہ وہ اس کے تعاون کے ذریعے سے عزت وغلبہ حاصل کرے۔ پس وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے، وہ زمین اور آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ مگر وہ اپنے بندوں پر احسان کرتے اور ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپتے ہوئے ان کو اپنا دوست بناتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اَللّٰـهُ وَلِـىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔'' (البقرۃ:125) (تفسیر سعدی:2/1494) (10) ﴿وَكَبِّـرْهُ تَـكْبِيْـرًا ﴾ ''اور آپ اس کی بڑائی بیان کریں، خوب بڑائی بیان کرنا''، یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی بیان کرو۔ (11) یعنی اس کے عظیم اوصاف کے بارے میں خبر دے کر، اس کے اسماء حسنیٰ کے ذریعے سے حمد وثنا کے ساتھ، اس کے افعال مقدسہ کے ذریعے سے ستائش کے ساتھ، صرف اس کے لئے عبادت کے ذریعے سے اس کی عظمت وجلال بیان کرتے ہوئے اس کی تعظیم وجلال کا اعتراف کیجئے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اخلاص دین صرف اسی کے لئے

ہے۔(تفسیر سعدی:1494/2)(12) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم میں سے ہر انسان کو تین سو ساٹھ جوڑوں سے پیدا کیا گیا ہے۔جس نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور تہلیل یعنی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کہا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح یعنی سبحان اللّٰه کہا اور استغفر اللّٰه کہا اور لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹے یا ہڈی کو ہٹا دیا اور نیکی کا حکم کیا اور برائی سے منع کیا تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر۔تو یقیناً وہ اس دن اس حال میں چلتا ہے کہ اس نے اپنی جان کو دوزخ سے دور کر لیا ہے۔‘‘(مسلم:2330)(13) عاصم بن حمید سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ قیام اللیل کو کس دعا سے شروع کرتے تھے تو انہوں نے کہا کہ تم نے مجھ سے ایسی چیز کے متعلق پوچھا ہے کہ تم سے پہلے کسی نے بھی اس کے متعلق نہیں پوچھا۔آپ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو دس بار اللہ اکبر، دس بار الحمدللہ، دس بار سبحان اللہ دس بار لا الہ الا اللہ اور دس بار استغفر اللہ کہتے اور یہ دعا کرتے ’’اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي‘‘ اللہ میری مغفرت فرما (مجھے ہدایت دے، مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت سے رکھ۔ پھر قیامت کے دن (سوال کے لیے) کھڑے ہونے کی پریشانی سے پناہ مانگتے تھے۔(أبوداؤد:766)(14) سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے ایسا کلام سکھائیں جسے میں پڑھتا رہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ اللہ پڑھا کرو۔اس نے عرض کیا: یہ سارے کلمات تو میرے رب کے لیے ہیں، میرے لیے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ ’’اے اللہ! مجھے معاف فرما اور رحم فرما اور ہدایت عطا فرما اور رزق عطا فرما۔‘‘(مسلم:6848)(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نادار لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ امیر و رئیس لوگ بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی جنت حاصل کر چکے حالانکہ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں لیکن مال و دولت کی وجہ سے انہیں ہم پر فوقیت حاصل ہے کہ اس کی وجہ سے وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقے دیتے ہیں (اور ہم محتاجی کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کر پاتے) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لو میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاتا ہوں کہ اگر تم اس کی پابندی کرو گے تو جو لوگ تم سے آگے بڑھ چکے ہیں انہیں تم پا لو گے اور تمہارے مرتبے تک پھر کوئی نہیں پہنچ سکتا اور تم سب سے اچھے ہو جاؤ گے سوائے ان کے جو یہی عمل شروع کر دیں۔ ہر نماز کے بعد تینتیس، تینتیس مرتبہ تسبیح (سبحان اللّٰه) تکبیر (اللّٰه اکبر) تحمید (الحمد للّٰه) کہا کرو۔ پھر ہم میں اختلاف ہو گیا کسی نے کہا کہ ہم تسبیح تینتیس مرتبہ، تحمید تینتیس مرتبہ اور تکبیر چونتیس مرتبہ کہیں گے۔ میں نے اس پر آپ ﷺ سے دوبارہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللّٰه، الحمد للّٰه، اللّٰه اکبر کہو۔ تاکہ ہر ایک ان میں سے تینتیس مرتبہ ہو جائے۔‘‘(بخاری:843)(16) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ کہنا میرے نزدیک ہر اس چیز سے

محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔‘‘(مسلم:6847)(17) سیدنا ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حسن بن علی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے حسن کے کان میں نماز کی اذان کی طرح اذان دی‘‘(ترمذی:1514) (18) سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر کے لوگ جب چڑھائیوں پر چڑھتے تو ’’اللہ اکبر‘‘ کہتے، اور جب نیچے اترتے تو ’’سبحان اللہ‘‘ کہتے۔(ابوداؤد:2599)(19) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں کچھ وصیت فرمائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی اونچائی و بلندی پر چڑھو اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہو(اللہ کبر کہتے رہو)۔‘‘(ترمذی:3445) (20) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ کا طواف ایک اونٹنی پر سوار رہ کر کیا۔جب بھی آپ ﷺ حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے۔(بخاری:1613)(21) اس آیت کو آیت عزت کہا جاتا ہے۔اور صدر اول میں یہ آیت چھوٹے بچوں کو یاد کرائی جاتی تھی۔سوتے وقت اس کا پڑھنا آفتوں سے حفاظت کا موجب بنتا ہے۔(ابن کثیر)

سورہ الکہف

سوال1: اس سورت کا نام الکہف کیوں ہے؟

جواب: ’’کہف‘‘ غار کو کہتے ہیں اور اس سورت میں چونکہ غار والوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے ’’الکہف‘‘ کہتے ہیں۔

سوال2: سورت الکہف کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورت الکہف مکی سورت ہے۔اس میں بارہ رکوع اور 110 آیات ہیں۔

سوال3: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: ترتیب نزولی کے اعتبار سے 69 ویں سورت ہے، اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 18 ہے۔

سوال4: سورت الکہف کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کرلیں، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔‘‘(صحیح مسلم:1883)(2) صحیح مسلم میں اوّل وآخر کی فضیلت آئی ہے۔البانی نے پہلی دس آیات والی روایت کو محفوظ اور راجح قرار دیا ہے۔(سلسلہ صحیحہ البانی:582)(3) جو اس کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا۔آئندہ جمعے تک اس پر خاص نور اور روشنی باقی رہے گی۔(صحیح البانی،صحیح الجامع الصغیر:6470)(4) اس کو پڑھنے سے گھر میں سکینت اور برکت نازل ہوتی ہے۔سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۂ کہف پڑھی، ان کے گھر میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جو بدکنے لگا تو انھوں نے سلام پھیرا (کیونکہ وہ نماز میں تلاوت کررہے

تھے) کیا دیکھتے ہیں کہ ابر ہے جو سارے گھر میں چھا گیا ہے۔اس نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:''اے فلاں !تو قرآن پڑھتا رہ۔ یہ سکینت ہے جو قرآن پڑھنے کی وجہ سے اتری۔'' (صحیح بخاری:3614)

سوال5: یہ سورت کس دور میں نازل ہوئی؟

جواب: یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں پر اہل مکہ کا ظلم وستم انتہا کو پہنچ رہا تھا، تاکہ اصحاب کہف کا واقعہ سنا کر مسلمانوں کی ہمت افزائی کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ ان سے پہلے مسلمانوں پر اس سے زیادہ ظلم کیا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا۔ (تیسیر الرحمٰن:832/1)

رکوع نمبر 13

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا(1)﴾

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔''(1)

سوال1: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی'' اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کہ اس نے یہ کتاب عزیز اپنے رسول پر نازل فرمائی جو کہ اہل زمین پر نازل ہونے والی نعمتوں میں سب سے عظیم ہے۔اس لئے کہ یہ کتاب انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتی ہے۔(تفسیر مراغی:373،372/5)(2) حمد وثنا ہے اس ذات کے لئے جس نے محمد ﷺ کو اپنی رسالت کے لئے خاص کیا اور انہیں نبی اور رسول ﷺ بنا کر اپنی مخلوق کی طرف مبعوث کیا اور ان پر مضبوط کتاب نازل فرمائی۔(جامع البیان:191/15)(3) اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر حال میں حمد ہے۔﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾''اُسی کے لیے تمام تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی جانب تم لوٹائے جاؤ گے۔''(القصص:70)(4) بندوں کو یہ تعلیم دینی بھی مقصود ہوتی ہے کہ ہر مہتم بالشان چیز کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی ہی حمد وثنا سے ہونی چاہیے۔(تیسیر الرحمٰن:833,832/1)(5)﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾''اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی'' اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی عظیم صفت بیان کی ہے کہ اس میں کوئی کجی نہیں یعنی اس میں کوئی عبث بات نہیں اور اس میں کوئی جھوٹی خبر نہیں۔(6) قرآن

مجید معتدل کتاب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں (جامع البیان:9115/1)(7) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی دوخوبیاں بیان فرمائیں جو اس بات پر مشتمل ہیں کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے کامل ہے۔ یہ دوصفات مندرجہ ذیل ہیں۔(i)اس کتاب عظیم سے کجی کی نفی۔(ii)اس بات کا اثبات کہ یہ کتاب کجی دور کرنے والی اور راہ راست پر مشتمل ہے۔(تفسیر سعدی:1494/2)(6) یہ کتاب حق اور صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کی حمد سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کرکے بندوں کی کس طرف راہ نمائی کی ہے؟

جواب: (1) حمد سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے سے، جو کہ صفت کمال ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور دینی و دنیاوی نعمتوں کے اظہار و اعتراف کے ذریعے سے اس کی ثنا بیان کرنا اور علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی جلیل ترین نعمت اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کی اور اس ضمن میں بندوں کے لئے اس امر کی طرف راہ نمائی ہے کہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں کہ اس نے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور کتاب نازل کی۔(تفسیر سعدی :1495/2)

﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا(2)﴾

''بالکل سیدھی ہے تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے اور مومنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے۔''(2)

سوال: ﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ ''بالکل سیدھی ہے تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے اور مؤمنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَيِّمًا﴾ ''بالکل سیدھی ہے'' قرآن مجید کی یہ خوبی ہے کہ یہ ایک مستقیم اور معتدل کتاب ہے، جو بالکل سیدھی اور ٹھیک ہے۔(مختصر ابن کثیر:1079/1)(2) استقامت کا اثبات اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ کتاب جلیل ترین امور کا حکم دیتی ہے اور جلیل ترین خبروں سے آگاہ کرتی ہے اور یہ وہ خبریں ہیں جو قلوب انسانی کو معرفت الٰہی اور ایمان و عقل سے لبریز کردیتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے افعال کے بارے میں خبریں، نیز گزرے ہوئے اور آئندہ آنے والے غیبی معاملات کی خبریں۔ اس کتاب کی استقامت کا اثبات اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اوامر و نواہی نفوس انسانی کا تزکیہ، ان کی نشوونما اور ان کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ یہ اوامر و نواہی کامل عدل و انصاف، اخلاص اور اکیلے اللہ رب العالمین کے لئے عبودیت پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب، جس کے مذکورہ بالا اوصاف

بیان کئے گئے ہیں،اس بات کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نازل کرنے پر اپنی حمد بیان کرے اور اپنے بندے سے اپنی حمد وستائش کا مطالبہ کرے۔(تفسیر سعدی:1495،1494/2)(3) کتاب کے قیم ہونے سے مراد سیدھا ہونا ہے یعنی انسانوں کے دین ودنیا کے لیے راہ نمائی ،حفاظت کرنے والی اور اسلام کے سیدھے اور سچے ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔(4) قرآن کو''قیم'' کہا، یعنی یہ قرآن نہایت ہی معتدل کتاب ہے، ہر افراط وتفریط سے پاک، اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں پر غالب ہے، جس بات کو وہ حق بتاتا ہے وہ حق ہے اور جسے باطل قرار دیتا ہے وہ باطل ہے۔(تیسیر الرحمٰن:833/1)(4)﴿ لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ ﴾''تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے'' قرآن کریم کا مشن یہ ہے کہ یہ اہل شرک ومعاصی کو اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈراتا ہے اور مومنین صالحین کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔(تیسیر الرحمٰن:833/1)(5) یعنی اس قرآن کریم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود عذاب سے ڈرائے یعنی اس شخص کو اپنی اس قضاوقدر سے ڈرائے جو اس کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کے لئے ہے۔یہ دنیاوی عذاب اور اخروی عذاب دونوں کو شامل ہے، نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو خوف دلایا ہے اور ان کو ان امور سے ڈرایا ہے جو ان کے لئے نقصان اور ہلاکت کا باعث ہیں جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آگ کا وصف بیان کیا تو فرمایا:﴿ ذٰلِکَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴾''یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔اے میرے بندو! پھر مجھ ہی سے ڈرو''(الزمر:16) پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ان لوگوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کر رکھی ہیں جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں،ان سزاؤں کو ان کے سامنے بیان کردیا اور ان اسباب کو بھی واضح کردیا جو ان سزاؤں کے موجب ہیں۔(تفسیر سعدی:1496/2)(6)﴿وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾''اور مومنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کتاب اس لئے نازل کی ہے تاکہ اپنے رسول کے ذریعے ان لوگوں کو خوش خبری سنائے جو ایمان لاکر ان نیک اعمال کو پورا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں۔(7) اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کو خوشخبری دیتے ہیں جو اس کتاب پر یقین کرکے اپنے ایمان کو مکمل کرتے ہیں۔(8) اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے مومن بندوں پر نیک اعمال واجب کیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں سرانجام دیئے جاتے ہیں۔(9)﴿اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴾''یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے'' اس سے مراد وہ اجر ہے جو ایمان لاکر عمل صالح کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔سب سے بڑا اجر جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔اجر حسن اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں جو کچھ ہوگا بہت خوب ہوگا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا، نہ کسی انسان کے تصور میں اس کا گزر ہوا۔رب العزت نے فرمایا:﴿هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴾''اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی، ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی

ہیں،اس میں ابدالآبادتک ہمیشہ رہنے والے ہوں گے،اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوااور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے ،یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''(المائدہ:119)(8)﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾''آپ ان لوگوں کونہیں پائیں گے جواللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی،اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کا خاندان ہو یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنی جناب سے ایک رُوح کے ساتھ قوت دی ہے اور اُنہیں وہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں،وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔سن لو! اللہ تعالیٰ کے گروہ کے لوگ ہی یقیناً فلاح پانے والے ہیں۔''(المجادلہ:22)(9)﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾''ان کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں،وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اُس سے راضی ہوگئے۔یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔''(البینۃ:8)

﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا(3)﴾

''وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(3)

سوال:﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾''وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں''جنت جسے کبھی نہ فنا ہونا ہے،نہ اسے کبھی زوال آنا ہے۔اس میں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جو نیک عمل کریں گے۔(2) یہ اجرحسن کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ اس کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوآدمی جنت میں داخل ہوجائے گا وہ نعمتوں میں ہوجائے گا۔اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی ختم ہوگی۔''(صحیح مسلم:7156)(4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ (اے جنت والو) تمہارے لیے (یہ بات مقرر ہوچکی ہے کہ) تم صحت مند رہوگے کبھی بیمار نہیں ہوگے اور تم زندہ رہوگے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔اور تم جوان رہوگے تم کبھی بوڑھے نہیں ہوگے۔تم آرام میں رہوگے تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی۔تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ: آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم

اپنے (نیک) اعمال کے بدلہ میں اس جنت کے وارث ہوئے۔'' (صحیح مسلم:7157)

﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (4) ﴾

''اوران لوگوں کووہ ڈرائے جوکہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے۔'' (4)

سوال: ﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ ''اوران لوگوں کووہ ڈرائے جوکہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اوران لوگوں کووہ ڈرائے جوکہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے'' یعنی یہود ونصاریٰ اور مشرکوں کوڈرادو جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے۔(2) یہ تین طرح کے گروہ تھے (i) مشرک جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔(ii) یہود جو کہتے تھے کہ عزیر اللہ تعالیٰ کی بیٹے ہیں۔(iii) عیسائی جو کہتے تھے مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔(تفسیر مراغی:373/5)(3) دُنیا میں انسان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ انسان ایک اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کواپنا سہارا بنالے۔اس کی ایک بُری صورت اللہ تعالیٰ کی اولاد بنانا ہے۔(4) مشرک کسی علم یا یقین کی بناپر اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں بناتے بلکہ محض گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (5) ﴾

''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو۔بہت بڑی بات ہے جواُن کے منہ سے نکلتی ہے وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں۔'' (5)

سوال: ﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴾ ''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو۔بہت بڑی بات ہے جواُن کے منہ سے نکلتی ہے وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ ''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ان کے اقوال علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ گمان اور خواہشات نفس کی بنیاد پر ہیں۔یہ اوران کے ابا وَ اجداد علم کے بغیر، دلیل کے بغیر محض جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی کرتے ہیں۔(2) یہ مشرکوں کی جانب سے بہت بڑا الزام ہے اوراس سے بڑھ کر بری بات کس کی ہوسکتی ہے جواللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرے؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اوراس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جواللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یااس کی آیات کوجھٹلائے، ظالم یقیناً کامیاب

نہیں ہوتے۔'' (الانعام:21) (2) اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرنا دراصل اس کی ذات میں نقص اور اس کی الوہیت اور ربوبیت میں غیر اللہ کو شریک کرنا ہے۔ (3) ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ ''بہت بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے'' ان کے منہ سے نکلنے والی بات سراسر جھوٹ ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾﴾ اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔ (مریم:95-88) (4) ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴾ ''وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں'' اس جھوٹ میں سچ کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ (5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ تو واقعی سب سے بڑا گناہ ہے پھر اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں گے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرو۔ (بخاری:4477) (6) غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بتدریج ان کے قول کا ابطال کیا ہے اور کم تر باطل چیز سے زیادہ باطل چیز کی طرف انتقال کیا ہے، چنانچہ پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی: ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا ممنوع اور باطل ہے پھر دوسرے مرحلے میں فرمایا کہ یہ انتہائی قبیح قول ہے، فرمایا: ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ پھر تیسرے مرتبے میں فرمایا کہ یہ محض جھوٹ ہے جو صدق کے منافی ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1497)

﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ ﴾

''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' (6)

سوال: ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴾ ''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' نبی ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کا بہت افسوس تھا۔ (2) ﴿بِهٰذَا الْحَدِيْث﴾ سے مراد قرآن کریم ہے۔ رب العزت نے اپنے رسول کو تسلی دی ہے کہ آپ اپنی جان کیوں گھلا رہے ہیں؟ (3) اگر یہ ایمان نہیں لاتے ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ ''چنانچہ آپ کی جان اُن پر افسوس کر کے نہ جاتی رہے۔'' (فاطر:8) (4) ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ ''یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر پلٹ جائیں۔'' (النمل:80) (5) ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ ''شاید آپ خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے؟'' (الشعراء:3) (6) ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اور آپ ان پر غم نہ کریں۔ اور نہ آپ تنگی میں ہوں اس سے جو وہ بُری تدبیریں کرتے ہیں۔ (النمل:70) (7) ﴿بَاخِعٌ﴾ ''ہلاک کرنے والے ہیں'' یعنی غم کے مارے اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ ﴿بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ (جامع البیان:196/15) (8) اپنی جان نہ گھلاؤ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہو۔ جو ہدایت کے راستے پر آ گیا اسے خود فائدہ ہوگا۔ جو گمراہی پر قائم رہا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ (9) آپ ﷺ کا اجر و ثواب تو واجب ہو چکا۔ رہی ان کی بات جو ایمان نہیں لاتے تو اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے دل میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ضرور انہیں ہدایت دے دیتا۔ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ ''یقیناً آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے'' (القصص:56) (10) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا۔ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ﴾ ''اے میرے رب! میں اپنے آپ پر اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا''۔ (المائدہ:25) (11) ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ ''آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الغاشیہ:22) (12) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو اس آگ سے دور ہٹاتا رہے۔ میں بھی تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جاتے (اور نارِ جہنم میں گرتے جاتے) ہو۔ (مسلم:5958) (13) نبی ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کا بے حد ملال ہوتا تھا۔ آپ ﷺ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے بے حد کوشش کرتے تھے، جب لوگ جھٹلاتے تو ان پر رحم کی وجہ سے غم زدہ ہوتے تھے اس لیے رب العزت نے تسلی دی کہ آپ ﷺ قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کی پیچھے اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ (13) نبی ﷺ کا یہ حزن قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت امت کے لئے دعا کرنے میں وقف کر دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی آیت کے دھرانے میں پوری فرما دی۔ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم﴾ اگر تو ان کو سزا دے تو یقیناً وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو یقیناً تو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (المائدہ:118) (رحمۃ للعالمین:272-274)

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (7) ﴾

''یقیناً ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔'' (7)

سوال: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ ''یقیناً ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا ﴾ ''یقیناً ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو کچھ ہے سب کو زینت بنایا ہے۔ مثلاً مال، اولاد، نباتات، معدنیات، زمین کے خزانے، جانور وغیرہ۔ (2) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز (یعنی پرکشش) ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پرکشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948) (3) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقیری کا ڈر نہیں، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی، پھر تم دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے جیسے اگلے لوگ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے اور وہ دنیا تمہیں ہلاک کردے جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔ (صحیح مسلم:7425) (4) ﴿ لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ ''تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' یعنی کون زیادہ خالص اعمال پیش کرتا ہے۔ (5) دنیا دار الامتحان ہے، دار القرار نہیں۔ (6) اللہ تعالیٰ نے زمین پر مختلف قسم کے حیوانات پیدا کئے، اور اسے درختوں، نہروں اور پھول پتیوں سے زینت بخشی، اور انواع واقسام کی نعمتوں سے اسے بھر دیا، تا کہ دیکھے کہ کون رنگ رلیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے، اور کون شہوتوں اور خواہشات پر غالب آ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:833/1)

﴿ وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (8) ﴾

''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنادینے والے ہیں۔'' (8)

سوال1: ﴿ وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴾ ''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنادینے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنادینے والے ہیں'' دنیا فنا ہونے والی ہے اس کی رونق ویرانی سے بدلنے والی ہے، اس کی ہر چیز ختم ہو کر چٹیل میدان بننے والی ہے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى

الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (۲۷) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۸)﴾ ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم بنجر زمین کی طرف پانی ہانک کر لاتے ہیں پھر ہم اُس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے اُن کے جانور بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟'' (السجدہ:27)(3)﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ''جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے۔'' (الرحمٰن:26)(4)﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (۱۰۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (۱۰۶) لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔ پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا۔ آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ۔ (طٰہٰ:105۔107)

سوال2: زمین کی دل فریبیوں کے انجام سے کس حقیقت کا پتہ چلتا ہے؟

جواب: زمین کی دل فریبیوں کے انجام سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ(i) زمین کی دل فریبیاں عارضی ہیں۔(ii) زمین کی دل فریبیاں مقررہ مدت تک ہیں۔ زمین کی یہ حیثیت اور اس کی رونقیں ختم ہونے والی ہیں۔

سوال3: جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کے بارے میں کیا علم ہوتا ہے؟

جواب: جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کا علم ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا سے صرف اتنا استفادہ کرتا ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں مدد لے سکے جن کے لئے اس کو تخلیق کیا گیا ہے اور اپنی عمر میں فرصت کو غنیمت جانتا ہے۔ وہ دنیا کو راہ گزر سمجھتا ہے، آرام کی منزل نہیں۔ وہ اسے انتہائی دشوار اور تکلیف دہ سفر سمجھتا ہے، عیش و آرام کا گھر نہیں۔ پس وہ اپنے رب کی معرفت کے حصول، اس کے احکام کے نفاذ اور اپنے اعمال کو مقام احسان پر پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین منازل میں قیام کرے گا۔ وہ ہر قسم کے اکرام و تکریم، نعمتوں اور مسرتوں کا مستحق ہوگا۔ جب فریب خوردہ لوگ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے تھے تو اس شخص کی نظر دنیا کے باطن پر تھی، جب لوگ حصول دنیا کے لئے کام کرتے تھے تو یہ اپنی آخرت کے لئے کام کرتا تھا۔ دونوں فریقوں میں بہت بڑا فرق اور دونوں گروہوں کے درمیان بہت بڑا تفاوت ہے۔ (تفسیر سعدی:1499/2)

﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (۹)﴾

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟'' (9)

سوال1: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟'' یہاں اصحاب کہف کا واقعہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔(2)اصحاب کہف کے قصہ اوران کے واقعات کواللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے انہونی بات، اس کی حکمت میں انوکھا واقعہ نہ سمجھواور نہ یہ سمجھو کہ اس کی کوئی نظیر نہیں اوراس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار تعجب خیز معجزات ہیں جواصحاب کہف کے معجزے کی جنس میں سے ہیں یااس سے بھی بڑے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں کوآفاق اوران کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھا تارہاہے جن سے حق وباطل اور ہدایت وضلالت واضح ہوتے ہیں۔نفی سے مراد یہ نہیں کہ اصحاب کہف کا قصہ عجائبات میں سے نہیں بلکہ یہ قصہ تو اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ہے اوراس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس جنس سے اور بہت سے معجزات ہیں، اس لئے صرف اس ایک معجزے پر تعجب کے ساتھ ٹھہر جانا علم وعقل میں نقص ہے۔بندہ مومن کا وظیفہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام آیات میں غور وفکر کرے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوغور وفکر کی دعوت دی ہے۔کیونکہ غور وفکر ایمان کی کلیداور علم وایقان کا راستہ ہے۔(تفسیر سعدی:1500/2)(3) الکھف سے مراد پہاڑ کے اندر ایک غار ہے، اور رقیم سے مراد کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اوران کا واقعہ درج تھا کہ وہ طویل زمانے تک اس غار میں پڑے رہے ہیں۔(4)اللہ تعالیٰ کی قدرت کے واقعات تو بہت بڑے ہیں۔آسمان اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کا آنا جانا، نظام شمسی اور سورج اور چاند کا تابع ہونا سب تعجب خیز واقعات ہیں اوراس سے بھی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم کتاب وسنت ہے۔(5)اللہ تعالیٰ نے جوعلم نبی ﷺ کودیا اور اُمی ہونے کے باوجود جس طرح آپ ﷺ کے توسط سے دنیا کے امن کے لیے علم وعمل کے جو طریقے کتاب وسنت کے ذریعے سکھائے وہ غار اور کتبوں والوں سے زیادہ تعجب خیز ہیں۔

سوال2:اصحاب کہف کا واقعہ کس حقیقت کوواضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے؟

جواب:اصحاب کہف کا واقعہ یہاں یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ جب دلوں کے اندر ایمان اُتر جاتا ہے تو دل کیسے سکون اور اطمینان سے بھر جاتے ہیں اور دُنیا کی دلکشیاں اور دل فریبیاں ایسے لوگوں کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

سوال3:اصحاب کہف کے واقعے سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:(1)اصحاب کہف کا واقعہ بتاتا ہے کہ سچے اہل ایمان کی زندگی میں ایسے شدید حالات پیدا ہوتے ہیں کہ انہیں کسی غار میں پناہ لینی پڑ جاتی ہے۔(2)یہ واقعہ بتاتا ہے کہ زندہ انسانوں کے لیے بظاہر جو غار، قبر یا مشکل حالات موت کے مترادف ہوتے ہیں وہیں سے زندگی اور حرکت پھوٹ نکلتی ہے۔(3)یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ایمان والوں کی تاریخ بدلنے کے لیے جب ماحول میں مخالفت شدید ہوجاتی ہے اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایمان والے ختم ہوجائیں گے وہیں سے نئی تاریخ کا آغاز ہوجاتا ہے۔

سوال4:''رقیم'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) کچھ لوگوں کے نزدیک رقیم سے مراد وہ بستی ہے جس سے اصحاب کہف گئے تھے۔(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہ

پہاڑ ہے جس میں غار واقع تھا۔(3) کچھ لوگوں نے رقیم کو مرقوم کے معنوں میں لیا اور کہا کہ یہ ایک تختی ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں اُسے رقیم کہتے ہیں۔(4) جدید تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس پہاڑ میں غار واقع ہے اس کے قریب ایک آبادی ہے جسے الرقیب کہتے ہیں جو ''رقیم'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

سوال5: اصحاب کہف کون تھے؟

جواب: کہا یہ جاتا ہے کہ مسیحی تاریخ میں جنہیں (Seven Sleepies) سات سونے والے کہا گیا وہ اصحاب کہف ہیں۔ اگر وہ اصحاب کہف ہیں تو یہ واقعہ افیسس (Ephesus) کا ہے۔ یہ قدیم زمانے کا شہر ہے جو ترکی کے مغربی ساحل پر واقع تھا جس کے کھنڈر آج بھی پائے جاتے ہیں۔ 251_249 میں اس علاقے میں رومی حکمران ڈیسس Desues کی حکومت تھی۔ یہاں چاند کی پوجا کی جاتی تھی۔ سیدنا عیسیٰ g کے پیروکاروں کے توسط سے جب توحید کی دعوت پھیلنے لگی تو بادشاہ برداشت نہیں کر سکا۔ اصحاب کہف افیسس کے اعلیٰ گھرانوں کے سات نوجوان تھے جنہوں نے توحید کی دعوت قبول کر کے دوسروں تک پہنچانی شروع کر دی تھی۔

﴿اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَہۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ہَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا(10)﴾

''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے۔'' (10)

سوال1: ﴿اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَہۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ہَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا﴾ ''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَہۡفِ﴾ ''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی'' وہ چند نوجوان تھے جو سیدھے راستے پر تھے اور حق کی طرف مائل تھے، وہ اپنی قوم کے فتنے اور عذاب سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ جب وہ نوجوان غار میں داخل ہو رہے تھے تو اپنے رب سے دعا کر رہے تھے۔(2) ﴿فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً﴾ ''تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر'' یعنی اپنی رحمت کے ذریعے ہمیں نیکی کی توفیق دے، اور برائی سے بچا لے اور ثابت قدمی عطا فرما۔ (3) رحمت سے مراد آخرت میں مغفرت، دشمنوں سے امن میں ہونا اور دنیا کا رزق ہے۔(فتح القدیر:842/3) (4) ﴿وَّ ہَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا

رَشَدًا ﴾ ”اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے“ یعنی رشد وہدایت تک پہنچانے والا ہر راستہ ہمارے لئے آسان فرما دے اور ہمارے دینی اور دنیاوی امور کی اصلاح کر۔ پس وہ کوشش کے ساتھ اپنی قوم کی تعذیب اور فتنہ سے فرار ہو کر ایسے محل ومقام کی طرف بھاگے جہاں ان کے لئے چھپنا ممکن تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور اپنے نفس اور مخلوق پر بھروسہ کئے بغیر، اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لئے ایک ایسا امر مقرر کر دیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ (تفسیر سعدی:1500/2) (5) نبی ﷺ دعا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَامِنْ خِزْیِ الدُّنْیَاوَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ ”اے اللہ ہمارے تمام امور کے انجام کو اچھا بنا دے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے۔ (احمد:17628)

سوال2: اصحاب کہف کے واقعے میں نوجوانوں کے لیے کیا سبق ہے؟

جواب: (1) اصحاب کہف کے واقعے میں نوجوانوں کے لیے بڑا اسبق ہے۔ آج کا نوجوان فضول کاموں میں وقت برباد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتا جب کہ اصحاب کہف نے اپنے وقت کو بچایا اور دُنیا کے سب سے بڑے کام یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو بچانے کی اور اُس کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ (2) اصحاب کہف نے اپنی جوانیاں رب کے نام لگا دی تھیں۔ آج کے نوجوانوں کو بھی اپنی جوانیاں صالحیت اور رب کی عبادت میں گزارنے کی ضرورت ہے۔ (3) اصحاب کہف نے اپنی زندگی کی حقیقت سمجھ لی تھی کہ زندگی عارضی ہے۔ لوٹ کر رب کے پاس جانا ہے۔ آج کے نوجوان کو بھی اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہے کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے آخری عمر میں نیکی کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ وقت پیری گرگ ظالم شود پرہیز گار۔ یہ بات سمجھ لینی چاہے کہ ”در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است“ جو فضلیت جوانی میں عبادت اور تقویٰ کی ہے وہ بڑھاپے میں کہاں ہے!

سوال3: اصحاب کہف نے غار میں کیوں پناہ لی؟

جواب: اصحاب کہف نے حکومتی سختیوں کی وجہ سے شہر سے نکل کر قریبی پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔

سوال4: اصحاب کہف غار میں کیا چھپانے گئے تھے؟

جواب: اصحاب کہف غار میں اپنا ایمان چھپانے گئے تھے کیونکہ لوگوں کے درمیان آزاد رہتے ہوئے وہ اپنا ایمان نہیں چھپا سکتے تھے۔

سوال5: اصحاب کہف نے غار میں کس چیز کی دُعا کی تھی؟

جواب: اصحاب کہف نے غار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کی تھی اور اپنے معاملے کی درستگی کے لیے دُعا کی تھی۔

﴿ فَضَرَبْنَا عَلَى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا(11) ﴾

''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا۔''(11)

سوال:﴿ فَضَرَبْنَا عَلَى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَضَرَبْنَا عَلَى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا''اللہ تعالیٰ نے غار میں گھستے ہی ان پر نیند ڈال دی۔(2)﴿سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾''گنتی کے کئی سال'' یہ تین سونو سال کا عرصہ ہے۔وہ برسوں سوتے رہے۔(3)اصحاب کہف کی نیند میں ان کی حفاظت اوراطمینان دونوں ہی شامل تھے۔ان کی نیند میں دل کااضطراب اورخوف نہیں تھا۔

سوال3:پردے ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب:اس کا مطلب ہے گہری نیند سلادیا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے کانوں پر پردے کیوں ڈال دیئے تھے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے کانوں پر پردے اس لیے ڈالے تھے تا کہ باہر کی آوازوں سے اُن کی نیند میں خلل نہ آئے۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا(12) ﴾

''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مُدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟''(12)

سوال1:﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴾''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مُدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا''یعنی ہم نے انہیں طویل نیند سے اٹھایا۔(2)﴿لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴾''کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مُدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟''تا کہ ہم دیکھیں کون نیند کی مدت کو ٹھیک ٹھیک شمار کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا:﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ط قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ

لَبِثْتُمْ ط قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ط فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴾اوراسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہوتم؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔'' وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟ چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے۔ (الکھف:19)(3) یعنی وہ اٹھیں اور ایک دوسرے سے سونے کی مدت، اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور رحمت کے بارے میں سوال کریں۔ اگر وہ ہمیشہ سوتے رہتے تو کسی کو واقعہ کی اطلاع نہ ہوتی۔

سوال2: یہاں بعث سے کیا مراد ہے؟

جواب: بعث سے مراد طویل نیند سے اُٹھانا ہے۔

سوال3: دوگروہوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: (1) اس سے مراد اصحاب کہف کے دوگروہ ہیں۔ (2) کچھ لوگوں کا خیال ہے اختلاف کرنے والے لوگ مراد ہیں جو یا تو اسی دور کے تھے یا عہد رسالت کے۔

سوال4: اصحاب کہف میں اختلاف کس چیز پر تھا؟

جواب: اختلاف سونے کی مدت پر تھا۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اُٹھانے کا کیا مقصد بتایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے تا کہ پتہ چل جائے کہ اس مدت کو کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔

رکوع نمبر 14

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى (13)﴾

اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں، بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا۔ (13)

سوال1: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ﴾''اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں'' یہاں سے اصحاب کہف کے واقعے کا آغاز ہوتا ہے۔اللہ رب العزت نے سچائی کے ساتھ اپنے نبی سے اس قصے کو بیان کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سوال:2 ﴿اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴾''بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ ﴾''بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے'' اصحاب کہف کے واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ چند نوجوان تھے۔(2)﴿اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ ﴾''جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے'' جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے مگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تھی۔(3) یہ نوجوان اپنی مشرک قوم کے برعکس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عقیدہ میں ایسی پختگی دی کہ انہوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی راہ اختیار کرلی اور تمام دنیاوی آرام وآسائش سے منہ موڑ کر غار میں رہنا گوارا کی۔(تیسیر الرحمٰن:835/1)(4) حافظ ابن کثیر نے ﴿اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ ﴾ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بوڑھوں کے مقابلہ میں نوجوان حق کو جلد قبول کرتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:835/1)(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو نوجوان ہی بھیجا اور یہ آیت تلاوت کی ﴿قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ﴾'' لوگوں نے کہا: ''ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سُنا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے(الانبیاء:60)(6) وہ سرکش بوڑھوں سے اچھے تھے جو باطل پر ڈٹے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں قبول کرنے والے تھے۔قریش کے عام معمر لوگ شرک پر ہی قائم رہے اور چند کے سوا ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ٹھیک اسی طرح پروردگار عالم نے اصحاب کہف کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی نوجوان ہی تھے(مختصر ابن کثیر:1083/1)(7)﴿وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى﴾''اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا'' اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی قدر کی اور ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا۔(8) اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے رب پر ایمان میں ایمان کو اور ان کی دینی بصیرت کو بڑھا دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گھروں سے جدائی کو قبول کرلیا۔(جامع البیان:208/15)(9) ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص میں بڑھا دیا تھا۔(الدر منثور:36/4)(10) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھا ہے الایمان یزید وینقص ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔(11) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عمل صالح کو آسان کردیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف کٹ کر رہنے اور لوگوں سے اور دنیا سے دوری اور بے رغبتی یہ ایمان میں اضافے والے کام ہیں۔(المحرر الوجیز:501/3، قرطبی 264/5)

سوال3: ہدایت سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں؟

جواب:(1) ہدایت سے مراد علم نافع اور عمل صالح ہے۔(2) اللہ تعالیٰ ایمان لاکر ہدایت کے راستے پر استقامت سے چلنے کی وجہ سے ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں یعنی جو ایمان لانے کے بعد مسلسل علم نافع کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہے اور عمل صالح کے لئے مسلسل

بھاگ دوڑ کرے۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی،اس نے ان کو ہدایت میں بڑھادیا اور انہیں اُن کو تقویٰ عطا کیا''۔(محمد:17) (4)﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے،سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔(التوبہ:124) (5)﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ''وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں۔اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا،کمال حکمت والا ہے۔''(الفتح:4)

﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا(14)﴾

''اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا،جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے،ہم اُس کے سوا ہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے،بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی۔''(14)

سوال1:﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا﴾ ''اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا،جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے،ہم اُس کے سوا ہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے،بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا'' یعنی ہم نے انہیں صبر الہام کیا اور ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور کیا۔(جامع البیان:208/15) (2) یعنی ہم نے انہیں صبر و ثبات عطا کیا اور انہیں پریشانیوں میں اطمینان عطا کیا۔(3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:ہم نے مجاہدہ کرنے کے لیے انہیں صبر سے قوت دی اور انہیں شیطان سے جنگ کے لیے شجاعت عطا کی اور دین کے ساتھ اجنبی جگھوں پر جانے اور نفس کی مخالفت اور حسی لذات اور جسمانی عیش و آرام کی چیزیں ترک کرنے اور کلمۃ اللہ اور کلمۂ توحید کے لیے کے قیام کے لیے شجاعت عطا کی اور یہ بھی کہا گیا کہ انہیں کلمۂ توحید کے قیام،اور دین پر استقامت کے اظہار اور جابر بادشاہ کے سامنے حق کی دعوت پیش کرنے کی جرأت عطا کی تھی۔(تفسیر قاسمی:12/11) (4) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:ہم نے انہیں لوگوں کی مخالفت پر صبر عطا کیا اور ان کے عقیدے پر

ثبات اورانہیں قوت عزیمت الہام کی۔(تفسیرمنیر:240/8)(5)اللہ تعالیٰ دلوں کو کمزور کرنے والی رکاوٹوں کو دور کردیتا ہے مثلاً(i)اصحاب کہف نے ہجرت کی تھی اوراپنے گھر والوں سے جدائی اختیار کی تھی اُس جدائی کے صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔(ii) اصحاب کہف نے عیش وعشرت کی زندگی سے محرومی کا صدمہ اُٹھایا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو مضبوط کردیا اوراُن کے دل اُن مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوئے۔(iii)اللہ تعالیٰ نے انہیں عقیدے میں پختہ کردیا تھا۔جس سچائی کو اُنہوں نے جانا تھا اس کو اُنہوں نے اپنالیا۔اُس پر استقامت اختیار کرلی۔اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں یہ یقین بٹھایا تھا اس طرح اُن کے دل مضبوط ہوگئے تھے۔(6)﴿اِذْ قَامُوْا ﴾''جب وہ کھڑے ہوئے''(i)یعنی جب وہ اُٹھے۔یہ اُٹھنا عام لوگوں کی طرح اپنی ضروریات،اپنے رزق،اپنی خواہشات اوراپنے حقوق کی حفاظت کے لیےنہیں تھا۔(ii)اصحاب کہف کے قیام سے بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ بادشاہ کے دربار میں جب انہیں طلب کیا گیا تو اُنہوں نے توحید کا وعظ بیان کیا۔(iii)اصحاب کہف کے اُٹھنے سے مراداللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچانے کے لیے اس کی دعوت وتبلیغ کے لیے اُٹھنا ہے جس کے بعد اُن کی مخالفت زور پکڑ گئی۔اس کا ثبوت آیت کے اگلے حصے سے ملتا ہے کہ ہمارا رب وہی ہے جو زمین وآسمان کا رب ہے اور ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو سیدھے راستے سے ہٹ جائیں گے۔(7) ﴿فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾''تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اورزمین کا رب ہے''بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دوسرے کو توحید کے وہ دلائل سنائے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ڈالے تھے۔(8)یعنی جس نے ہمیں پیدا کیا،ہماری پرورش کی، جو ہمیں رزق عطا کرتا ہے اور ہماری تدبیر کرتا ہے وہی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔وہ ان عظیم مخلوقات کو پیدا کرنے میں منفرد ہے۔یہ بت اورخودساختہ معبوداس کائنات کے خالق نہیں ہیں جو کسی چیز کو پیدا کرسکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں،وہ کسی نفع ونقصان کے مالک ہیں نہ موت وحیات کے اورنہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہیں۔پس انہوں نے توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا اورکہا:﴿ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا ﴾(تفسیرسعدی:1502/2)(9)﴿ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا ﴾''اُس کے سواہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے''یعنی ہم مخلوق میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کے سوا الٰہ نہیں بنائیں گے۔(10)﴿لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴾ ''بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی''یعنی اگر ہم نے کسی اورکو معبود مان لیا تو انتہائی غلط بات مان لی کیونکہ شرک باطل،لغواور بےہودہ چیز ہے۔(11)﴿ شَطَطًا﴾''بالکل ہی حد سے گزری ہوئی''حق سے دور،حد سے تجاوز کرنے والی بات کہی۔(تفسیرمنیر:240/8)(12)یہ دلیل ہے کہ اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عطا کی گئی تھی اورانہیں اپنے رب کی مکمل معرفت حاصل تھی۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کی ذات کے شعوری تعلق اوراس سے محبت کو دین اسلام میں کیا درجہ حاصل ہے؟

جواب:(1)یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ انسانی اعمال کے انضباط کا انحصار فکری یکجہتی وپاکیزگی پر ہے۔(2)فکری یکجہتی وپاکیزگی کے لئے کسی ایسی ہستی کے ساتھ تعلق ضروری ہے جو انسان کے مادی اورحسی ماحول سے بالاتر ہو۔(3)اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے تربیت

کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے شعوری تعلق کو بنیاد بنایا ہے۔(4) قرآن وسنت کی نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں توحید معبودیت اورتوحید ربوبیت کے ادراک سے عبودیت کا شعور پختہ ہوتا ہے، وہاں محبت الٰہی بندہ کی حیات دینی کا مقصود قرار پاتی ہے۔(5) اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ تعلق باللہ ذات کے شعور ولاشعور کا حصہ بن جائے۔ نبی ﷺ نے بچے کے کان میں اذان کہنے کا طریقہ اختیار فرمایا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا وہ احساس تازہ ہوجائے جو عہد الست میں پیدا ہوا تھا۔(6) تعلق باللہ ہی وہ واحد اساس ہے جو انسان کو راست روی کی طرف متوجہ کرتی ہے اور پیغمبرانہ طریق تربیت کی بنیاد ہے۔(7) نبی ﷺ انسان کو ایسی تربیت مہیا کرتے ہیں کہ انسان ہر لحہ اپنے رب سے خاص تعلق رکھتا ہے اور تعامل کی الٰہی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔اس میں خشیت الٰہی اور محبت رب کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے منہاج زندگی کی جانب رجوع کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔اس کی خلوتیں ہوں یا جلوتیں، عبادت ہو یا عملی جدوجہد، صنعت وتجارت کی مصروفیات ہوں یا کاروبار سیاست، صلح وآتشی کے لمحات ہوں یا نزاع وجنگ کے اوقات، اس تعلق کی معراج یہ ہے کہ حب الٰہی ہر حال میں غالب ہو۔(8) اللہ تعالیٰ کی محبت کا تمام محبتوں پر غالب آنا اس تعلق کا فطری نتیجہ ہے رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اورلوگوں میں سے ایسے بھی ہیں، جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں۔'' (البقرہ:165)(9) اس اجمال کی تفصیل ایک اور آیت میں بیان فرمادی تا کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (التوبہ:24)(10) کتب حدیث میں ''﴿اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ﴾'' کے ابواب میں نبی ﷺ کے مختلف ارشادات منقول ہیں۔ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حب الٰہی کمالِ ایمان و دین ہے۔(11) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہوجائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا: اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔'' (صحیح بخاری:16)(12) بندہ جب اپنے رب کی محبت کو اپنے قلب ودماغ میں نشوونما دیتا ہے اور اس کے فکر وعمل کے دائرے اس مرکز سے شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوتے ہیں تو پھر اسی محبوبیت ومعیت کا مقام حاصل ہوتا ہے جو فی الواقع فرد کی زندگی میں معراج کی

حیثیت رکھتا ہے۔قرآن پاک میں اس معیت کی جانب یوں اشارے ملتے ہیں﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾'' یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو اس سے ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔'' (النحل:128)(13) مصائب ومشکلات میں یہ معیت سکون واطمینان اور اعتماد وشجاعت کا باعث ہے۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے احساس معیت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا:﴿ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴾'' بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، یقیناً وہ میری راہ نمائی کرے گا۔''(14) نبی ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اس ﷺ حساس معیت کا اظہار اس تبلیغی انداز سے فرمایا کہ قلب وجان، سکون وطمانیت سے معمور ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾''غمگین نہ ہونا بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے'' رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس رویہ کی وضاحت فرمائی ہے جو بندے کی محبت کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے۔(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ پھر جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے۔ پھر اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تو بھی اسے ناپسند کر۔ جبریل علیہ السلام بھی اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو ناپسند کرتا ہے تم بھی اسے ناپسند کرو اور پھر اس کے لئے زمین میں بھی ناپسندیدگی رکھ دی جاتی ہے۔'' جب مقصود قرب الٰہی ہے تو اس کے حصول کا طریقہ بھی آنا چاہیے۔قرآن وسنت نے محبت خداوندی اور معیت الٰہیہ کے حصول کا طریق بھی بیان کیا تاکہ مسلمان کو کسی طرح کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔فرمایا:﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾'' آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔'' (آل عمران:31)(16) نبی ﷺ کا اتباع محبوبیت الٰہی کا باعث ہے یہی وہ معیار ہے جس سے راستے اور منزل کا صحیح تعین ہوتا ہے۔(17) آپ نے اس طریقے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حدیث قدسی ہے:''اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری:6502)(18) سورۃ المزمل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدائی آیات دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نبی ﷺ کو جن اعمال کا حکم ہو رہا ہے وہی فی الحقیقت قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۱) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (۲) نِّصْفَهٗۤ اَوِ

انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٦﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿٨﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ ﴾ ’’اے چادراوڑھنے والے! رات کو قیام کرو مگر کم۔ آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کرلو۔ یا اُس پر کچھ اضافہ کرلواور قرآن کوخوب ٹھہرٹھہر کر پڑھو۔ یقیناً ہم جلد ہی آپ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔ بلاشبہ رات کا اُٹھنا نفس کوزیادہ پامال کرنے والااور بات کوزیادہ درست بنانے والا ہے۔ یقیناً دن میں آپ کے لمبے کام ہیں۔ اوراپنے رب کا نام یاد کرواور ہرطرف سے منقطع ہوکراسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق ومغرب کا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں چنانچہ اُسی کواپنا وکیل بناؤ۔ اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُس پر صبر کرواورانہیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا۔ اور مجھے اور جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کوچھوڑ دواوراُنہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ (المزمل 1۔11) (19) گویا تعلق باللہ کومستحکم کرنے کے لئے عبادت، ذکر الٰہی، مجاہدہ نفس ،اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس اور دعاوہ عناصر ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ دین کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن وسنت اور دینی ادب میں ان موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہاں صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ (انسان کامل ص264 تا268)

﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ م بَيِّنٍ ط فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿15﴾﴾

’’ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوادوسرے معبود بنارکھے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ چنانچہ اس شخص سے بڑا ظالم اورکون ہوگا جواللہ تعالیٰ پرجھوٹ باندھے؟‘‘ (15)

سوال1: ﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ م بَيِّنٍ﴾ ’ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوادوسرے معبود بنارکھے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ’’ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوادوسرے معبود بنارکھے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟‘‘ اصحاب کہف اپنی قوم کے شرک کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ہماری قوم توکھلی مشرک ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوادوسری ہستیوں کو معبود بنارکھا ہے۔ (2) ﴿لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ م بَيِّنٍ﴾ ’’وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟‘‘ یہ شرک پرکوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لے کرآتے۔ انہوں نے واضح کیا کہ شرک یقین پرنہیں جہالت اور گمراہی پرمبنی ہے۔ (3) یہ بات اسلامی عقیدے کا حصہ ہے کہ انسان جوطریقہ زندگی اختیار کرے اس کے پاس اُس کے لیے ایسی دلیل ہو جوعقل کے مطابق ہو۔ (4) ’’یہ لوگ واضح دلیل

کیوں نہیں لائے'' کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اصحاب کہف اور ان کی قوم کے بڑے لوگوں کے درمیان مدتوں ایک بحث جاری رہی۔ اس دوران اُن کے بڑوں نے جو باتیں انہیں کہیں اس میں اُن کے شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی۔

سوال2: ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴾''چنانچہ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟ لہٰذا مشرک غیر انصاف پسند اور جھوٹے ہیں کہ توحید چھوڑ کر شرک پر اڑے ہوئے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 1084/1) (2) اصحاب کہف نے واضح کیا کہ بے دلیل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (3) اصحاب کہف نے اگر چہ اپنے بڑوں کی مخالفت کا سامنا کیا لیکن اُنہوں نے بڑوں کی بڑائی کو اہمیت نہ دی۔ اُنہوں نے سچائی کی دلیل کو اہمیت دی جس کی وجہ سے انہیں وقت کے بڑے ظاہری طور پر سارے اسباب رکھنے کے باوجود چھوٹے نظر آئے۔ انہیں ان کا ظلم نظر آنے لگا کیونکہ وہ جھوٹ کی زمین پر کھڑے حق کو چیلنج کر رہے تھے۔ (4) اصحاب کہف بڑوں کی بڑائی کو اہمیت دیتے تو وہ بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہو جاتے۔

﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (16)﴾

''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں تو کسی غار میں پناہ لے لو، تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا۔'' (16)

سوال1: ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴾''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں تو کسی غار میں پناہ لے لو، تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں'' یعنی جب تم ان سے اور ان کے معبودوں سے جدا ہو رہے ہو اور یہ جدائی دینی طور پر ہے اس لئے اب ان سے جسمانی طور پر بھی الگ ہو جاؤ۔ یہ ان کے شر سے نجات پانے کے لئے ضروری ہے کیونکہ اب ان کے ساتھ رہا نہیں جا سکتا۔ ان کا دین اور ان کی قوم کا دین فرق ہو گیا۔ (2) ﴿فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ ﴾''تو کسی غار میں پناہ لے لو'' یعنی اب غار میں چل کر آرام کرو۔ (3) اصحاب کہف اور ان کے بڑوں کی سوچ کا انداز، اُن کی زندگیاں، اُن کے طور طریقے جدا ہو چکے تھے اس لیے اُن کے باہم ایک جیسا ہونے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا

تھااس لیے وہ اپنے بڑوں سے کنارہ کش ہو گئے ۔(4)اصحاب کہف کواللہ تعالیٰ نے رسول بنا کرنہیں بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم سے مقابلہ کرتے ، اپنے عقائد پر جمے رہتے ، وہ دعوت دیتے اوراس انجام کوپہنچتے جس کورسول پہنچتے ہیں ۔وہ چندنو جوان تھے جنہیں ایمان کی روشنی مل گئی تھی ۔ اگر وہ اپنے عقیدے کی زیادہ تبلیغ کرتے تو اُن کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ۔وہ اپنی قوم کے ساتھ نہ مقابلہ کرسکتے تھے، نہ انہیں سیدھے راستے پر لا سکتے ، نہ اُن کے بتوں کی عبادت کرسکتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ سکتے تھے اور کافران کے حالات کے بارے میں جان چکے تھے اس لیے اپنے ماحول سے ہجرت کرنے یعنی جسمانی طور پر بھی علیحدگی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا ۔(5)(i)انسان جب حق کی خاطر انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو عین اُس وقت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے ۔(ii)انسان جب انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو رب سے سرگوشیاں کرتا ہے ۔رب سے کلام کرتا ہے، رب کو یاد کرتا ہے اور رب کے قرب ہو جاتا ہے اور رب سے جڑ جاتا ہے ۔(6)﴿ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ ''تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا''(i)انسان کو جب ایک رب کی قربت نصیب ہوتی ہے تو یہ تعلق ایک رب کے سوا ہر چیز کے کھو جانے کو برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیتا ہے ۔(ii)انسان رب کے مقابلے میں جو چیز کھو دیتا ہے وہ بظاہر بڑی دِکھائی دیتی ہے مگر حقیقتاً وہ بہت چھوٹی ہے ۔(iii)ایک رب کی پہچان، اُس کی رضا انسان کو تیار کر دیتی ہے کہ انسان ہر چیز کی محرومی کو گوارا کرلے مگر حق سے محرومی کو گوارا نہ کرے ۔اصحاب کہف نے انسانوں کے ماحول میں جو گھٹن ، تنگی ،تعصب پایا اُنہیں غار میں اُس گھٹن کی بجائے رب کی رحمت کی چھاؤں آرام ،سکون اور ٹھنڈک ملی ۔(7) زندگی میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو تنگ جگہ بھی کشادہ میدان نظر آتی ہے ۔(8)اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے اصحاب کہف کو دُنیا کی رونقیں بے حقیقت اور رب کی رحمت میں وسعت نظر آتی ہے ۔(9)﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴾''اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا''انہوں نے اپنی قوت واختیار سے براءت کا اظہار کیا، اپنے معاملے کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اوراس کے حضور ملتجی ہوئے اور اس پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کے معاملے کی اصلاح کرے گا ۔یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لیا اوران کے معاملے میں آسانی پیدا کردی ۔ان کی زندگی اوران کے دین کی حفاظت کی اورخلائق کے لئے انہیں ایک بڑا معجزہ بنادیا اوران کی ثنائے حسن کو دنیا میں پھیلا دیا جوان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اوران کے لئے ہر سبب آسان کر دیا حتیٰ کہ وہ جگہ جہاں وہ سوتے رہے ممکن حد تک محفوظ تھی ۔(تفسیر سعدی:1503/2)(10)اصحاب کہف کے بارے میں بادشاہ کو خبر ملی ۔اس نے سراغ رسانوں سے ڈھنڈوایا لیکن کوئی سراغ نہ لگا سکا ۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی آنکھوں سے اوجھل رکھا ۔(مختصر ابن کثیر:1085/1)(11)﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''پھر لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا: ''یقیناً میں اپنے رب کے لئے ہجرت کرنے والا ہوں یقیناً وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے ۔اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور اُس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے

اُسے دنیا میں بھی اُس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔(العنکبوت:26,27)

سوال2:اصحاب کہف کے واقعے سے کیا حقیقت منکشف ہوتی ہے؟

جواب:(1) اصحاب کہف کے واقعے سے انسان پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ظاہری دُنیا کی کوئی قدرت و قیمت نہیں جس کو دنیا کی حقیقت سمجھ آجاتی ہے وہ ہر چیز رب کے قدموں میں نچھاور کر دیتا ہے۔(2) ظاہری دُنیا کے سامان میں وہ گھر، مال، اولاد اور گھر والے آتے ہیں جو انسان کو اس کے عقیدے کے مطابق جینے نہیں دیتے۔ انسان کے لیے جینا تنگ اور مشکل بنا دیتے ہیں جب کہ یہ سب رونقیں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔(3) انسان پر اس واقعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ایمان کی دُنیا کا مال و متاع کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس، اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ پر توکل یہ انسانی زندگی کو اطمینان سے بھر دینے والا ساز و سامان ہے۔ ایک مؤمن اُن ہی کے سائے میں زندگی بسر کرتا ہے۔(4) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اپنے دین کو فتنوں سے بچا نے کے لیے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1508)

﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (17)﴾

''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے۔''(17)

سوال1:﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں''یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت کی۔ انہیں ایک ایسا غار مہیا کیا کہ جب سورج طلوع ہوتا تو اس کے دائیں طرف سے گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو اس کی بائیں طرف

سے گزر جاتا اس طرح سورج کی تمازت ان تک نہ پہنچ پاتی، جوان کے ابدان کو خراب کرتی۔(تفسیر سعدی:1503/2)(2)﴿وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾''اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں''یعنی وہ غار کے اندر کھلی جگہ میں تھے تاکہ وہاں سے تازہ ہوا کا گزر رہو اور یوں گھٹن اور گلنے سڑنے سے بچے رہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی نشانی ہے۔

سوال2:﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾''یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)غار میں اصحاب کہف کو سورج کی شعاعوں سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔(2)غار میں سورج کی روشنی فراہم کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔(3)اُن کے کھلی جگہ ہونے کے باوجود دھوپ نہ پڑنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔(4)غار کے اندر اُن کا اس حال میں رکھنا کہ نہ وہ وفات پاتے ہیں اور نہ حرکت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔اصحاب کہف کو اپنے دلوں میں زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔(5)یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اس نے انہیں توحید کی دعوت دی۔ان کے آباء اور ان کی قوم نے مخالفت کی اور بادشاہ اور ان کے درمیان جو حادثہ پیش آیا اور انہوں نے غار میں پناہ لی۔اسی طرح سورج طلوع اور غروب ہونے کے وقت بچ کر نکل جانا اور آپ کو ان کے قصے کی اطلاع ہونا سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جو اس کے کمال قدرت پر دلیل ہے اور اس پر کہ توحید ہی دین حق ہے اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہل(یعنی اہل اللہ)کا اکرام کرتا ہے۔(تفسیر مراغی:383/5)

سوال3:﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کردے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت پر قدرت رکھتا ہے اس کے ماسوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔(2)جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے وہی حق کے راستے تک پہنچنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی آیات اور دلائل سے حق کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔(جامع البیان:214/15)(3)دین اور دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے۔(4)﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾''اور جسے وہ گمراہ کردے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے''،جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے یعنی اپنی آیات اور دلائل سے تو آپ اس کے لئے کوئی ایسا نہیں پائیں گے جو اس کی سرپرستی کرے یا اس کے معاملات کی تدبیر کرے۔(3)اور وہ ایسی کوئی ہستی نہیں پائیں گے جو نیکی کی طرف راہ نمائی کرے۔(4)جس کے لئے اللہ تعالیٰ گمراہی کا فیصلہ کردے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔(5)سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے غزوہ خندق کے دن رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہمارے ساتھ مٹی اٹھا رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے''واللہ!اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے،نہ روزہ رکھ سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔پس اے اللہ!ہم پر سکینت نازل فرما اور جب آمنا سامنا ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور مشرکین نے ہم پر زیادتی کی ہے۔جب وہ کسی فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔''(صحیح بخاری:6620)

رکوع نمبر 15

﴿ وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا (18) ﴾

''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے ہیں اور ان کا کُتا غار کی دہلیز پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے، آپ انہیں جھانک کر دیکھیں تو ضرور بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر جائیں اور آپ کو ضرور ان کی دہشت سے بھر دیا جائے۔'' (18)

سوال1: ﴿ وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ﴾ ''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ﴾ ''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں'' اصحاب کہف کو دیکھنے والے شخص کو یوں لگتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تاکہ خراب نہ ہوں اور ان میں زندگی قائم رہے جیسے بھیڑیا سوتا ہے اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔ اس لیے دیکھنے والے کو لگتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ محوِ خواب تھے۔

سوال2: ﴿ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ ''اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ انہیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے۔ (2) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر انہیں کروٹ نہ دلوائی جاتی تو زمین ان کی کروٹ گلا ڈالتی۔ (جامع البیان: 212/15) (3) زمین کے ساتھ تو جو چیز پیوست رہتی ہے وہ اس کو کھا جاتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ دلوائے بغیر یعنی ان کی حفاظت پر قدرت رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اس نے تکوینی قوانین میں اپنی سنت کو جاری رکھا اور اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط رکھا۔

سوال3: ﴿ وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ﴾ ''اور ان کا کُتا غار کی دہلیز پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اصحاب کہف کا کتا بھی دروازے پر پاؤں پھیلائے پہرے داری کر رہا تھا اور غار سے باہر تھا۔ (2) اس پر بھی وہی نیند طاری ہو گئی تھی جوان پر ہوئی۔ (3) نیک لوگوں کی صحبت کی وجہ سے کتے کا بھی قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے۔ کیونکہ فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جہاں کتا ہو۔ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں

کتا ہواور نہ ایسے گھر میں جس میں تصویریں ہوں۔'' (بخاری:5949) (4) حسن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رفاقت کی برکت کتے پر بھی ظاہر ہوگئی۔ (4) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پاس آنے کا وعدہ کیا، مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے، نبی ﷺ کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو ان سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے ان سے شکایت کی تو انہوں نے کہا: ''ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔'' (صحیح بخاری:5960) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کتا پالتا ہے تو ہر روز اس کی نیکیوں میں سے ایک قیراط کم ہوتا ہے سوائے، بکریوں یا کھیتی کے لیے رکھے کتے یا شکاری کتے کے۔ (صحیح بخاری:2322)

سوال4: ﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ ''آپ انہیں جھانک کر دیکھیں تو ضرور بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر جائیں اور آپ کو ضرور ان کی دہشت سے بھر دیا جائے'' غار کے اندر کے ماحول کو پر ہیبت کیوں بنایا گیا؟

جواب: (1) غار کے اندر کے ماحول کو پُر ہیبت اس لیے بنایا گیا تھا تا کہ جو دیکھے مرعوب ہو کر بھاگ اُٹھے۔ ماحول کی دہشت اللہ تعالیٰ کی تدبیر تھی تا کہ وہ اپنے وقت مقرر تک یوں ہی رہیں اور کوئی اُن کے قریب نہ جا سکے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے زمین سے حفاظت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے غار میں ہیبت میں رعب طاری کر دیا۔ (3) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہئیت میں رعب رکھ دیا تھا کہ جو کوئی انہیں جھانک کر دیکھے اس کا دل رعب سے بھر جائے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے۔ (4) اللہ تعالیٰ نے اس طرح طویل مدت تک سلامتی کا انتظام کیا اور شہر سے قریب ہونے کے باوجود کسی کو علم نہ ہوا۔ (5) شہر سے قریب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے بیدار ہوتے ہی اپنے میں سے کسی کو بھیجا کہ وہ شہر سے کھانا خرید کر لائے اور دوسرے لوگ انتظار کرتے رہے، یہ دلیل ہے کہ شہر ان سے قریب تھا۔

﴿وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا (19)﴾

''اور اسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہو تم؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔'' وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟ چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے۔'' (19)

سوال1: ﴿وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ ''اوراسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں۔ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہوتم ؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں'' وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ﴾ ''اوراسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا'' یعنی جس طرح اصحاب کہف کوسلایا تھا ویسے ہی صحیح سالم اٹھا دیا۔ان کے جسموں اور بالوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔وہ 309 سال سوئے تھے۔(2) ﴿لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ ''تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں'' تا کہ وہ اپنے سونے کی حقیقت کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔(3) ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہوتم ؟'' طویل نیند سے جاگ کر ہر شخص اسی طرح سوال کرتا ہے۔اصحاب کہف بھی قدرتی طور پر آپس میں سوال کرنے لگے کہ وہ کتنی مدت سوئے ہوں گے۔(4) ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ''انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں'' جواب دینے والے نے کہا ایک دن یا اس سے کچھ کم کیونکہ وہ غار میں صبح کے وقت داخل ہوکر سو گئے تھے اور جب 309 سال بعد اٹھے تو شام ہورہی تھی۔اس لیے انہیں لگا شاید ایک دن ہوا۔(5) ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ ''وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟'' انہوں نے اپنے علم کواللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا۔(جامع البیان:216/15)(6) یقیناً اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔(7)(i) ایمان والوں کا یہی مزاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں اور چونکہ انہیں تردد تھا اس لیے اپنے معاملے کواللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا کہ اللہ تعالیٰ ہی صحیح مدت کو جانتا ہے۔
(ii) ایمان والے ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔اس لیے اُنہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا۔

سوال2: ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ ''چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھراسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ ''چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھراسی میں سے

کچھ تمہارے کھانے کولائے'' غذاانسان کی اہم ضرورت ہے اور بھوک لگنا زندہ انسانوں کی پہچان ہے۔اس بھوک لگنے کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف نے اگر چہ تین سوسال سے زائد نیند لی تھی مگر وہ زندہ تھے اس لیے اُنہیں کھانے کی فکر لاحق ہوئی۔(2)اصحاف کہف نے درہم دے کر کھانا خرید کرلانے کے لیے ایک شخصیت کو بھیجا۔(3)اصحاب کہف نے کھانے کے ساتھ پاکیزہ کی شرط عائد کی کہ پاکیز گی مومن کا ذوق ہے یہ۔ایمان کا تقاضا ہے۔اُس دور میں لوگ چونکہ بُت پرست تھے اور حلال وحرام کی تمیز نہ رکھتے تھے اس لیے اُنہوں نے جانے والے سے تلاش کے لیے کہا تا کہ وہ اس علاقے سے کھانا لائے جہاں عیسائی بستے ہوں کیونکہ وہ حلال وحرام کو جانتے ہوں گے وہاں پاکیزہ کھانا مل سکے گا۔(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور وہ طاغوت کے لئے ذبح کرتے تھے۔اور یہ قول ہے کہ پاک کھانے کی شرط اس لئے بھی لگائی کہ وہ خنزیر کو ذبح کرتے تھے۔(الدرالمنثور:392/4)(5)﴿وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾''اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق جو کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے''اصحاب کہف نے کھانا خرید کرلانے والے کو نرم رویہ اختیار کرنے کو کہا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔(6)اصحابِ کہف ڈرتے تھے کہ ان کی جائے پناہ کسی کو معلوم نہ ہو جائے کیونکہ اس طرح اندیشہ تھا کہ شہر کے حکمران پکڑ کر یا تو سنگسار کر دیں گے یا مشرک بنادیں گے۔

﴿ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا(20)﴾

''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے اور تب تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے۔''(20)

سوال1:﴿اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے اور تب تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ﴾''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے''اصحاف کہف کو ڈر تھا کہ ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تو کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گئے یا تو سنگسار کر دیں گے یا مشرک بنادیں گے۔(2)انہیں دقیانوس کا خوف تھا کہ اگر اسے خبر ہوئی تو سخت سزائیں دے گا۔(3)﴿وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾''اور تب تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے''یعنی اگر ہم مجبوراً شرک اختیار کر گئے تو ہمارے دین اور دنیا دونوں ہی برباد ہو جائے گی۔(4) اصحاب کہف کو اس وجہ سے بھی ڈر تھا کہ حکمرانوں کے نزدیک وہ رواجی دین سے نکل چکے تھے اس لیے وہ عقیدے کی تبدیلی پر فتنے میں ڈال سکتے تھے۔(5)اصحاب کہف کو یہ اندیشہ تھا کہ جس ایمان کو بچانے کے لیے وہ شہر چھوڑ آئے کہیں ایسا نہ

ہو کہ شہر والوں کو علم ہو جائے اور وہ دوبارہ بُت پرست بنانے کی کوشش کریں اور جب ہم اُن سے اس بات پر راضی نہ ہوں تو وہ ہمیں مار ڈالیں۔(6) اصحاب کہف کو یہ ڈر اس لیے بھی تھا کہ وہ لاعلم تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کتنا عرصہ بیت گیا اور جن حکمرانوں سے وہ ڈر رہے ہیں وہ بدل چکے۔

سوال2: ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: یہ دو آیات کریمہ متعدد فوائد پر دلالت کرتی ہیں: (1) حصول علم اور علمی مباحثہ پر ترغیب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاطر اصحاب کہف کو دوبارہ زندہ کیا۔ (2) جب بندے پر علم مشتبہ ہو جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس علم کو اس شخص کی طرف لوٹا دے جو اس کا عالم ہے اور خود اپنی حد پر ٹھہر جائے۔ (3) خرید و فروخت میں وکالت اور اس میں شراکت صحیح ہے۔ (4) اچھی چیزیں اور لذیذ کھانے کھانا جائز ہے جب کہ ان میں اسراف نہ ہو جو ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ خاص طور پر جب کہ انسان کو اس کے سوا کوئی اور کھانا موافق نہ آتا ہو۔ شاید یہی آیت کریمہ ان مفسرین کے قول کی بنیاد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا لانے والے کو اچھا اور لذیذ کھانا لانے کا حکم دیا تھا کیونکہ خوشحال اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اچھا کھانا تناول کرتے ہیں۔ (5) جب دین میں ابتلا اور فتنہ کا موقع ہو تو اس سے بچنے، چھپنے اور فتنوں کی جگہوں سے دور رہنے کی ترغیب دی گئی ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے دینی بھائیوں کو چھپائے۔ (6) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کو دین میں شدید رغبت تھی وہ اپنے دین کے بارے میں ہر قسم کے فتنہ سے دور بھاگتے تھے اور انہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا۔ (7) ان آیات کریمہ میں اس شر کا ذکر ہے جو ضرر اور ان مفاسد پر مشتمل ہے جو اس کی ناپسندیدگی کا باعث اور اس کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کہ یہ طریقہ تمام متقدمین اور متاخرین اہل ایمان کا طریقہ ہے کیونکہ اہل کہف نے کہا تھا: ﴿اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''یا وہ تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے تب تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے''۔ (تفسیر سعدی: 1507،1505/2)

﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا (21)﴾

''اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں۔ جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان

کے متعلق بہتر جانتا ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے پر غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔'' (21)

سوال1: ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا﴾ '' اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے حال سے باخبر کر دیا۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیدار کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک شخص کو کھانا لانے کے لیے بھی اور اپنے معاملے کو چھپانے کی ہدایت دی۔ (2) مگر اللہ تعالیٰ ایک ایسا معاملہ چاہتے تھے جس میں لوگوں کے لیے بھلائی تھی اور ان کے لیے زیادہ اجر تھا۔ (3) ﴿لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ '' تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں۔'' اصحاب کہف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کا وعدہ سچا ہے، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس سے پہلے وہ اس امر میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ قیامت اور جزائے اعمال کو مانتے تھے اور بعض اس کا انکار کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اہل ایمان کے لئے ان کے یقین وبصیرت میں اضافے اور منکرین کے خلاف حجت وبرہان کا باعث بنایا اور اس تمام قضیے کا اجر اصحاب کہف کو حاصل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو تشہیر بخشی، ان کی قدر ومنزلت بلند کی یہاں تک کہ ان لوگوں کی بھی عظمت بیان کی جو ان کے احوال پر مطلع ہوئے۔ (تفسیر سعدی: 1507.1508/) (4) موت کے بعد کی زندگی کے لیے ہر دور کے انسانوں کو تجسس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے قرآن حکیم میں اور مثالیں بھی دی ہیں۔ (5) ﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ج قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ج فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ قف وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ لا قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۵۹)﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اُس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے؟'' اُس نے کہا، ''میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ تم سو سال تک رہے، سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (البقرۃ:259) (6) ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط قَالَ اَوَلَمْ

تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (۲۶۰)﴾ ''اور جب ابراہیمؑ نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اُس نے کہا: ''کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔'' اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔' (البقرہ:260)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت کو کیسے مجسم صورت میں دِکھا دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے صدیوں اصحاب کہف کے وجود کو محفوظ رکھ کر، اُن کی زندگیوں کو لوگوں کے لیے بعث بعد الموت اور قیامت کی یاد بنا دیا۔

سوال3: انسان کے لیے زندگی بعد موت کا معاملہ سمجھنا مشکل کیوں ہے؟

جواب: (1) موت کے بعد کی زندگی کا کسی نے تجربہ نہیں کیا۔ انسان حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے علم پر یقین کر لیتا ہے لیکن جو چیز حواس سے ماوراء ہو اس پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (2) دُنیا سے جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آئے جبکہ دُنیا کو سبھی انسان برتتے ہیں اس لحاظ سے انسان کے لیے برتی ہوئی چیز پر یقین کرنا آسان اور اَن دیکھی دُنیا کا یقین مشکل ہو جاتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد موت پر کیسے یقین دِلایا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو عقلی دلائل کے ذریعے سے سمجھایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے حسی دلیل کے ذریعے انسانوں کو سمجھایا ہے کہ جیسے پانچویں صدی عیسوی میں اصحاب کہف کا تین سو سال کی نیند یعنی موت کے بعد دوبارہ غار سے نکلنا اسی نوعیت کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ انسانی ڈھانچے کو بھی صدیوں تک زندہ رکھ سکتا ہے اور قیامت کا آنا اور موت کے بعد زندگی برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

سوال2: ﴿اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَھُمْ اَمْرَھُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْھِمْ بُنْیَانًا ط رَبُّھُمْ اَعْلَمُ بِھِمْ﴾ ''جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کے متعلق بہتر جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَھُمْ اَمْرَھُمْ﴾ ''جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے'' لوگوں کے درمیان اصحاب کہف کے عقائد کے بارے اختلاف ہو گیا تھا۔ (2) ﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْھِمْ بُنْیَانًا﴾ ''تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو'' لوگوں کے درمیان اُن کے بارے میں یہ اختلاف ہو گیا تھا کہ اُن کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیں یا نہ بنائیں۔ (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا ۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کوعبادت گاہ بنالیا۔'' (مسند احمد) (4) امہات المومنین روایت کرتی ہیں نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے ''ہم رسول اللہ کی قبر کیسے بنائیں ' کیا ہم قبر کو عبادت گاہ بنالیں ؟'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بناڈالیں ۔'' (ابن زنجویہ) (5) سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حیرۃ (یمن کا شہر) آیا' تو وہاں کے لوگوں کو اپنے حاکم کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ان حاکموں کے مقابلے میں) سجدہ کے زیادہ حق دار ہیں ۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' تو عرض کیا ''یارسول اللہ! میں نے حیرہ کے لوگوں کو اپنے حاکم کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ آپ ﷺ سجدہ کے زیادہ حق دار ہیں (یعنی کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں ؟)'' رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا ''اچھا بتاؤ اگر میری قبر پر تمہارا گزر ہو' تو کیا میری قبر پر سجدہ کروگے؟'' میں نے عرض کیا ''نہیں ۔'' نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا ''پھر اب بھی مجھے سجدہ نہ کیا کرو۔'' (ابوداؤد) (6) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ساری زمین مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام ۔'' (ترمذی:317) (7) ﴿رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ﴾ ''ان کا رب ہی ان کے متعلق بہتر جانتا ہے'' یہ بات جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کہی کہ ان کے بارے میں صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سوال3: ﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴾ ''جولوگ ان کے معاملے پر غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ ﴾ ''جولوگ ان کے معاملے پر غالب آئے'' یعنی اصحاب اقتدار کہنے لگے۔ (2) ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے'' یعنی ہم اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس مسجد کی وجہ سے ان کے حالات و واقعات کو یاد رکھیں گے۔ مگر یہ حالت ممنوع اور حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ (بخاری:1330) یہاں اس کا ذکر کرنا اس کے مذموم نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آیات کا سیاق اصحاب کہف کی شان اور ان کی مدح وثنا کے بارے میں ہے، یعنی اصحاب کہف کے بارے میں اطلاع پاکر لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہاں تک کہنے لگے کہ ان پر ایک مسجد تعمیر کردو۔ کہاں تو اصحاب کہف کو اپنی قوم سے شدید خوف اور اپنے بارے میں اطلاع ہونے کا ڈر تھا اور کہاں یہ حالت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1508)

سوال6: اصحاب کہف لوگوں کی عقیدت کا مرکز کیسے بن گئے؟

جواب: اصحاب کہف کے نام پر شاہی خزانے کی تختی پر محفوظ کردیئے گئے تھے جب تصدیق ہوگئی کہ یہ بُت پرستی کے دور میں اپنے عقیدے کی

خاطر شہر کو چھوڑ جانے والے لوگ ہیں تو لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن لے حتی کہ روم کا حکمران تھیوڈیسخو دان سے ملنے اور برکت لینے کے لیے چل کر آیا اور سی نے ان کی یادگار تعمیر کروائی۔

سوال6: اختلاف کرنے والوں کون تھے؟

جواب: (1) اختلاف کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ (2) اختلاف کرنے والے بادشاہ کے ساتھی تھے۔

سوال7: یہ بات کس کے بارے میں کہی گئی رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ط؟

جواب: یہ بات جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کہی کہ ان کے بارے میں صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سوال8: غلبہ حاصل کرنے والے کون تھے؟

جواب: (1) غلبہ حاصل کرنے والے اہل کفر تھے۔ (شوکانی) (2) غلبہ حاصل کرنے والے اہل مشرک تھے۔ (ابن کثیر)

سوال4: اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: (1) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (2) جو کوئی عافیت کی خواہش رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا کرتا ہے۔ (3) جو اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پناہ دیتا ہے اور اسے دوسروں کے لئے ذریعہ ء ہدایت بنا دیتا ہے۔ (4) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا کی خاطر ذلت اٹھاتا ہے انجام کار اسے بہت زیادہ عزت نصیب ہوتی ہے اور اسے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ (تفسیر سعدی:2/1508) (5) ﴿وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ (آل عمران:198)

﴿سَيَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ‌ ج وَيَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ رَجۡمًا ۢ بِالۡغَيۡبِ‌ ج وَيَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ‌ ط قُلْ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ وقف فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا (22)﴾

''جلد ہی وہ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور اُن کا چوتھا اُن کا کتا تھا اور وہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا، یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں میرا رب ہی اُن کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ تھوڑے لوگوں کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا، چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں اور نہ ہی اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے فیصلہ مانگیں۔'' (22)

سوال1: ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا ۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ ''جلد ہی وہ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور اُن کا چوتھا کتا تھا اور وہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا، یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں میرا رب ہی اُن کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ تھوڑے لوگوں کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا،'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف کا تذکرہ ہے اہل کتاب کے ان کے بارے میں 3اقوال تھے۔ (i) ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ تین آدمی تھے اور ان کا چوتھا کتا تھا۔ (ii) ﴿وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ ''وروہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا'' بعض کی رائے یہ تھی کہ وہ پانچ آدمی تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ (iii) ﴿رَجْمًا ۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ ''یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا'' بعض کہتے تھے کہ وہ تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور یہی راجح ہے واللہ اعلم۔ (2) ایسے اختلافات کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس سے کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ (3) ﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ ''آپ کہہ دیں میرا رب ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے'' اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے میں ہی خیر ہے۔

سوال2: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴾ ''چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں اور نہ ہی اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے فیصلہ مانگیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ﴾ ''چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں'' یعنی ایسی بحث جو علم و یقین پر مبنی ہو اس میں فائدہ بھی ہو۔ رہی وہ بحث اور مجادلہ جو جہالت اور اٹکل پچو دلائل پر مبنی ہو یا اس بحث میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو یا مدمقابل عناد رکھتا ہو یا زیر بحث مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ ہو، اس کی معرفت سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو، مثلاً اصحاب کہف کی تعداد وغیرہ تو اس قسم کے امور میں کثرت سے بحث مباحثہ کرنا تضیع اوقات ہے اور یہ بحث مباحثہ باہمی مودت و محبت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1509/2) (2) ﴿وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ ﴾ ''اور نہ ہی اُن کے بارے میں فیصلہ مانگیں'' یعنی اصحاف کہف کے بارے میں نہ پوچھیں۔ (3) ﴿مِّنْهُمْ ﴾ ''ان میں سے'' یعنی اہل کتاب میں سے۔ (4) ﴿اَحَدًا ﴾ ''کسی سے'' کیونکہ ان کا کلام اندازوں پر مبنی ہے۔ (5) (i) غیر ضروری بحثوں کا رواج پانا دراصل کسی قوم کے مزاج کی خرابی کی علامت ہے۔ (ii) جب کسی قوم میں دینی روح زندہ

ہوتی ہے تو اصل عقائد پراور حقائق پر زور دیا جاتا ہے۔(iii) جب قوم زوال پزیر ہوتی ہے تو غیر ضروری بحثیں رواج پا جاتی ہیں۔(6)(i) سچے خدا پرستوں کو غیر ضروری بحثوں سے بچنا چاہیے بلکہ اگر کوئی ان بحثوں میں اُلجھانا چاہے تو حکمت کے ساتھ الگ ہوجانا چاہیے۔(ii) سچے خدا پرستوں کو عقل وفردکی قوتوں کو ایسے بے فائدہ کاموں میں نہیں کھپانا چاہیے۔

سوال3:اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب:اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے استفتاء نہ کیا جائے،خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جس امر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جارہا ہے وہ اس میں کوتاہ علم ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بولتے وقت اس بات کی پروانہیں کرتا کہ وہ کیا بول رہا ہےاور وہ ورع سے بھی خالی ہے جو اسے لایعنی کلام سے روک دے۔جب اس قسم کے امور میں استفتاء ممنوع ہے تو فتویٰ دینا تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان کو بسا اوقات کسی ایک امر میں استفتاء کرنے سے روکا گیا مگر کسی دوسرے معاملے میں اس استفتاء کی اجازت ہوتی ہے۔پس وہ ایسے شخص سے فتویٰ طلب کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ پوچھنے سے علی الاطلاق منع نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے صرف اصحاب کہف کے قصے میں اوراس قسم کے دیگر واقعات میں فتویٰ پوچھنے سے روکا ہے۔(تفسیر سعدی:1510،1509/2)

رکوع نمبر16

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا (23)﴾

''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں۔''(23)

سوال:﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا﴾''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یہ بات اس موقع پر کہی گئی جب قریش نے رسول ﷺ سے اصحاب کہف،ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔(2)﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا﴾''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں۔رسول اللہ ﷺ کے توسط سے امت کو ادب سکھایا گیا ہے کہ جب تم مستقبل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دو اس لئے کہ وہ علام الغیوب ہے۔(3)یہ نہی دیگر نواہی کی مانند(عام)ہے اگر چہ ایک خاص سبب کی بنا پر ہے اور اس کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں،مگر اس کا خطاب عام مکلفین کے لئے بھی ہے۔پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے روک دیا ہے کہ بندہ مومن،مستقبل کے امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ملائے بغیر کہے''میں یہ کام کروں گا''اور یہ اس لیے کہ اس میں خطرات ہیں،اور وہ ہے مستقبل کے

غیبی معاملات کے بارے میں کلام کرنا، جن کے بارے میں بندہ نہیں جانتا کہ وہ ان پر عمل کر سکے گا یا نہیں، یا وہ ہوگا یا نہیں؟ اس طرح کہنے میں فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ مستقل طور پر بندے کی طرف لوٹانا ہے، حالانکہ یہ قابل احتراز شے اور ممنوع ہے، کیونکہ مشیت تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ فرمایا: ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔ (التکویر:29) (تفسیر سعدی:1510/2)

﴿ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (24) ﴾

''مگر ان شاءاللہ کہا کریں، اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں، اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے زیادہ قریب راہ دکھادے گا''۔ (24)

سوال1: ﴿ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ ''مگر ان شاءاللہ کہا کریں، اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ ''مگر ان شاءاللہ کہا کریں''، اپنے کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کرنے میں اس امر میں آسانی بھی ہوتی ہے اور برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔ (2) ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ ''اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں''، یعنی اگر ان شاءاللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت یاد آجائے تو کہہ لو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھانے والے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ان شاءاللہ کہہ سکتا ہے گو کہ سال گزر جائے اور دلیل میں آیت کا یہی ٹکڑا پیش کرتے۔ (مختصر ابن کثیر:1090/1) (3) بندہ بھول سکتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کرنا بھول جائے تو جب یاد آجائے تو ان شاءاللہ کہہ لیا کرے۔ (4) اپنے رب کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ غافل ہی رب کو بھولتے ہیں۔ ﴿ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ (17) وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ (18) فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ (19) فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ (20) فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ (21) اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (22) فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ (23) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ (24) وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (25) فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ (26) بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (27) قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ (28) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (29) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ (30) قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ (31) ﴾ ''یقیناً ہم نے اُنہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب اُنہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے۔ وہ استثناء نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ تو وہ

باغ صبح کوکٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا۔ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔ یہ کہ صبح صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے۔ کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔ اور صبح صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے۔ مگر جب اُنہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ''یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم محروم ہیں۔'' اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ''کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟'' اُنہوں نے کہا: ''پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔'' پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے۔'' (القلم:17-31) (6) رب العزت نے ذکر کثیر کا حکم دیا ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، کثرت سے یاد کرنا۔'' (الاحزاب:41) (7) تعلق باللہ کو مستحکم رکھنے کا ذریعہ ذکر وفکر ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (۱۹۲)﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں۔ اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اُس کو تو نے واقعی رُسوا کر دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔'' (آل عمران:191-192) (8) کامیابی کا ذریعہ ذکر ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (الانفال:45) (9) اہل ذکر کی مجالس کو لازم جانو اور تنہائی میں زبان ذکر سے متحرک رکھو۔ (مشکوٰۃ: 619/2) (10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا'' کوئی گروہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نہیں بیٹھتا مگر یہ کہ فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکون وطمانیت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں میں نازل کرتا ہے۔ (ترمذی) (11) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی ذکر اللہ سے بہتر نہیں۔ (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات: 701/1) (12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں کہ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر سے حرکت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ: 1245/2) (13) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری: 168/7) (14) کوئی مصروفیت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے غافل نہ کرے۔ رب العزت کا فرمان ہے ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا

بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ص لا یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ ﴾''وہ لوگ جنہیں تجارت اورخرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اورنماز قائم کرنے سے اورزکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اورآنکھیں اُلٹ جائیں گی۔'' (النور:37) (15) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کا سخت ہونا ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔﴿اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ ط فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُھُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴾''کیا پھروہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سووہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے؟ (کسی کافر جیسا ہوسکتا ہے) پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہوگئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (الزمر:22) (16) کیا لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نہیں جھکیں گے؟﴿اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُھُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ لا وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡھِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ ط وَکَثِیۡرٌ مِّنۡھُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جوحق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟اوروہ اُن لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھراُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہوگئے اوراُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔'' (الحدید:16) (17) جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اورجس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکرنہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے۔(صحیح مسلم:1823) (18) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہےتو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہےتو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی گروہ میں یاد کرتا ہےتو میں بھی اسے ایسی ہی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہے۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہےتو میں چار ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اوراگر وہ میری طرف چل کرآتا ہےتو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کرآتی ہے۔(مسلم:6805)

سوال2: ان شاء اللہ کہنے کے انسان پرکیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ان شاء اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ توفیق تو اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ملتی ہے۔(1) ان شاء اللہ کہنے سے انسان کے شعور میں باربار یہ احساس اُجاگر ہوتا ہے کہ میرا ہرکام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے منسلک ہے۔ میری سانسیں، میری دھڑکنیں، میرے ارادے، میری عبادتیں، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے ارادے سے منسلک ہے۔(2) انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے، آسانی پیدا کرےتو آسانی پیدا ہوتی ہے۔(3) انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کی وہی تدبیر کامیاب ہوسکتی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو۔(4) انسان ان شاء اللہ کہہ کراپنے سارے رشتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ کر اللہ تعالیٰ کے نور کے ہالے میں آجاتا ہے۔(5) انسان اپنے ارادے کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع کر کے اللہ تعالیٰ پرتوکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا پرراضی ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کوتنہا

محسوس نہیں کرتا نہ وہ غرور میں مبتلا ہوتا ہے نہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

سوال3: ﴿وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے زیادہ قریب راہ دکھادے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے زیادہ قریب راہ دکھادے گا'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پکارے، اسی پر توکل کرے، اسی سے محبت کرے، اسی سے امید باندھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی رشدو ہدایت کے لئے قریب ترین راستے کی طرف راہ نمائی کرے گا۔ (2) جو فرد ہدایت کی طلب میں کوشش کرے وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے۔ (3) ان شاء اللہ کہنے کے وہ اثرات جو انسانی شعور پر مرتب ہوتے ہیں یہ اس کا اظہار ہے۔ (4) یہ ایک ایسے دل کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے۔ اپنے ہر کام میں ہر منصوبے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے۔ (5) یہ وہ مقام ہے جہاں قائم رہنا مشکل ہے لیکن یہی انسان کے لئے صحیح ترین مقام ہے۔

﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (25)﴾

''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' (25)

سوال: ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ ''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کی خبر دی ہے کہ وہ اس میں سونے سے جاگنے تک 309 سال تک ٹھہرے ہیں۔ 300 سال شمسی ہوتے ہیں اور 309 قمری سال کیونکہ ہر شمسی صدی میں تین قمری سال بڑھ جاتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 1090/1)

﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (26)﴾

''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کو معلوم ہیں، کس قدر وہ دیکھنے والا ہے اور کس قدر وہ سننے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے۔'' (26)

سوال1: ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے آسمانوں اورزمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کومعلوم ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے''یعنی اگر تم سے پوچھا جائے کہ اصحاب کہف غار میں کتنی مدت ٹھہرے تو اپنی طرف سے مت بتاؤ بلکہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں اہل کتاب سے پوچھنے سے روک دیا ہے۔اس لئے اس عالم غیب نے ان کے سوئے رہنے کی مدت سے خود آگاہ کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔(3)﴿ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آسمانوں اورزمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کومعلوم ہیں''اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے سارے غیب جانتا ہے اورمخلوق کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ تعالیٰ دے۔غیبی اموراللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان امور کے بارے میں اپنے رسولوں کے توسط سے جوعلم دیا ہے وہ یقینی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سوال2: ﴿ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ﴾''کس قدروہ دیکھنے والا ہے اورکس قدروہ سننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَبْصِرْ بِهٖ ﴾ ''کس قدروہ دیکھنے والا ہے''کوئی چیزاس سے پوشیدہ نہیں۔وہ بندوں کے سارے اعمال دیکھتا ہے۔(2)﴿وَاَسْمِعْ﴾''اورکس قدروہ سننے والا ہے''ہرسنی جانے والی چیزکووہ سنتا ہے۔وہ کمال درجے کی سماعت رکھتا ہے۔(3)اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کرنہ کوئی دیکھنے والا ہے،نہ سننے والا ہے۔

سوال3: ﴿ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾''اللہ تعالیٰ کے سواان کا کوئی مددگارنہیں اورنہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کواپنی حکومت میں شریک کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ﴾''اللہ تعالیٰ کے سواان کا کوئی مددگارنہیں''اللہ تعالیٰ کے سواکوئی ان کا کارسازنہیں۔اسی نے اصحاب کہف کی سرپرستی فرمائی۔اس نےمخلوق میں سے کسی پران کا معاملہ نہیں چھوڑا۔(2)﴿ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾''اورنہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کواپنی حکومت میں شریک کرتا ہے''اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے۔وہ اپنے حکم میں کسی کوشریک نہیں کرتا۔(3)کوئی اللہ تعالیٰ کاحکم ٹالنے والانہیں،کوئی اس کا وزیرمشیرنہیں،کوئی اس کا مددگاراورشریک نہیں۔(4)اوریہ حکم کونی وقدری اورحکم دینی وشرعی دونوں کو شامل ہے وہی قضاوقدراورتخلیق وتدبیر کے ذریعے سے اورامرونہی اورثواب وعقاب کے ذریعے سے اپنی مخلوق میں اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ آسمانوں اورزمین کے تمام غیبی امورکووہ جانتا ہے تومخلوق کے لئے ان کوجاننے کااس طریقے کے سواکوئی اورطریقہ نہیں،جواس نے اپنے بندوں کوبتایا ہے۔یہ قرآن کریم بہت سے غیبی امور پرمشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اس پراپنی توجہ مرکوز کرنے کاحکم دیا ہے۔(تفسیرسعدی:1512/2)

سوال4:اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے غار میں رہنے کی مدت کے بارے میں کیا فیصلہ کن بات بتائی ہے؟

جواب:1۔اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ ان کے قیام کی مدت اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔2۔اللہ ہی آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے حالات کو جانتا ہے۔3۔اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا دیکھنے والا، سننے والا ہے۔4۔اللہ تعالیٰ کے سوامخلوق کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔5۔اللہ تعالیٰ اپنی حکومت میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتے۔

﴿ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج قف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا(27)﴾

''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنا دیں، اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔''(27)

سوال1:﴿ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ﴾''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنا دیں، اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ﴾''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنا دیں''اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت اور تبلیغ کا حکم دیا ہے۔(2) تلاوت سے مراد اتباع کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی بھیجی ہے اس کے معانی کی معرفت اور ان کا فہم حاصل کر کے، اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق اور اس کے اوامر ونواہی کی تعمیل کر کے اس کی اتباع کیجئے کیونکہ یہ بہت ہی جلیل القدر کتاب ہے جس کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔(تفسیر سعدی:1512/2)(3)﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴾''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''(المائدہ:67)(4)﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍط قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾''یقیناً جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو ایک اچھے انجام تک ضرور واپس لانے والا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون واضح گمراہی میں ہے؟''(القصص:85)(5)﴿ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ﴾''اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں''اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی رد و بدل کرنے والا نہیں۔(6)ان کلمات کی سچائی اور ان کے عدل اور حسن میں اپنی انتہا پر ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔(7) رب العزت نے فرمایا:﴿وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں مکمل ہے، کوئی

اُس کی باتیں بدلنے والا نہیں ہے اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘ (الانعام:115) (8) ناقص چیزوں میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کامل ہیں اس لئے ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس میں قرآن کی عظمت کا اظہار ہے۔

سوال2: اصحاب کہف کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کیا ہدایت دی؟

جواب: (1) آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی گئی ہے آپ ﷺ اس کی تلاوت کرتے رہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ (2) اصحاب کہف کے واقعے کے بعد اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ مانیں یا نہ مانیں آپ اس پر یقین رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ اسے پڑھ کر سنا دیں۔ لوگوں کی باتوں کہ طرف توجہ نہ دیں۔

سوال3: ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ ’’اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ’’اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے‘‘ یعنی آپ کے رب کے سوا آپ کو کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ملے گا جہاں آپ چھپ سکیں، نہ پناہ گاہ ملے گی جہاں پناہ لے سکیں۔ پس جب یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ تمام امور میں وہی ملجا و ماویٰ ہے تو یہ بات بھی متعین ہوگئی کہ وہی الٰہ ہے، خوشحالی اور بدحالی میں اسی کی طرف رغبت کی جائے، لوگ اپنے تمام احوال میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنے تمام مطالب میں اسی سے سوال کیا جائے۔ (تفسیر سعدی:1512/2) (2) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں، اور اس میں موجود اوامر و نواہی کو بجالائیں، اور اس میں بیان کردہ حلال و حرام کے پابند رہیں، ورنہ آپ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوجائیں گے۔ (تیسیر الرحمٰن:841/1) (3) ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اے محمد! اگر تم نے لوگوں کو قرآن نہ سنایا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ (4) اس کا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ اگر اس قرآن کو بیان کرنے سے گریز کرو گے یا اس میں کوئی تبدیلی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں۔ یہ خطاب اُمت سے بھی ہے۔

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا(28)﴾

’’اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں، آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزر رہا ہے۔‘‘ (28)

سوال1: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ

تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾''اورآپ اپنے آپ کوان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جوصبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں اورآپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں،آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾''اورآپ اپنے آپ کوان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جوصبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں''اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کوحکم دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کوان مومنوں کے ساتھ جوڑے رکھیں جواللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔جودن کے پہلے اورآخری حصے میں تہلیل،تسبیح اورتکبیر وثناء کرتے ہیں اورصبح وشام اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔(2)﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾''وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو بیان فرمایا ہے۔(3)اس آیت میں رب العزت نے حکم دیا ہے کہ صالح لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔خواہ یہ نادار ہوں یا مال دار، کمزور ہوں یا زورآور۔(4)قریش کے سردار یہ چاہتے تھے کہ رسول ﷺ انہیں کے درمیان اٹھیں بیٹھیں اور بلال رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ،اورابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے کمزورلوگوں کے پاس نہ بیٹھیں۔(5)﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ﴾''اورآپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں''یعنی آپ ﷺ اپنی نظریں ان سے نہ ہٹائیں،صبر کے ساتھ ان میں ہی اٹھیں بیٹھیں۔(6)﴿ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾''آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں''یعنی آپ اللہ والوں کے بدلے میں مال داراورمغرورلوگ نہ طلب کرنے لگیں۔فرمایا:﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَالا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۱۳۱)﴾''اورآپ نظر اُٹھا کربھی نہ دیکھیں اس کی طرف جوہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کوسروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تا کہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اورآپ کے رب کا رزق ہی بہتر اورزیادہ باقی رہنے والا ہے۔''(طٰہٰ:131)

(7)دنیا کی رونقیں دیکھنے میں اچھی لگتی ہیں،لیکن دلوں کواپنا اسیر کرلیتی ہیں جس کی وجہ سے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوکرلذتوں میں مگن ہوجاتا ہےاوروقت ضائع کرکے ہمیشہ کے خسارے اٹھالیتا ہے۔

سوال2:رسول اللہ ﷺ کوکن لوگوں کے ساتھ رہنے کاحکم دیا گیا ہے؟

جواب:رسول اللہ ﷺ کوصحابہ کرام کے ساتھ رہنے کاحکم دیا گیا جن میں غلام تھے،معاشی طور پرکمزورافراد تھے جن کے ساتھ بیٹھنا قریش کو نا گوارتھا۔

سوال3:انسان رات دن اپنے رب کوکب پکارنے لگتا ہے؟

جواب:(1)جب اُسے زندگی کی حقیقت،اپنی حقیقت،اپنا مقصدزندگی،اپنے خالق کی حقیقت اوراپنے انجام کی سمجھ آجاتی ہے۔(2)جب انسان اللہ تعالیٰ کواپنا بنالیتا ہے۔(3)جب انسان اللہ تعالیٰ کواپنا سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔(4)جب انسان کواپنی ہمیشہ کی کامیابی کی فکرلاحق ہوجاتی ہے۔

سوال4: رات دن رب کو پکارنے اور رب کی رضا چاہنے سے انسان کیسا انسان بن جاتا ہے؟

انسان رات دن رب کو پکارنے اور اس کی رضا چاہنے سے خالص ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ دو کام ایسے ہیں جو انسان کو اللہ کے مخلص بنا دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مخلص لوگ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔

سوال5: اللہ کی رضا کا حصول کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: (1) جب انسان نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ رب کی طرف متوجہ ہو۔(2) جب دل کی گہرائیوں سے اللہ سے محبت رکھتا ہو۔(3) جب ادب واحترام اور خشوع کے ساتھ اللہ کے آگے کھڑا ہوتا ہو۔(4) جب انسان اللہ کی اطاعت اور فرمابرداری میں لگا رہتا ہو۔

سوال6: ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ ''اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ ''اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے'' جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذکر سے غافل کر دیتے ہیں۔(2) یعنی اس کے دل پر توحید کے لئے مہر لگا دیتے ہیں۔(3)﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ﴾ ''اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے'' اس کے نفس نے جو چاہا وہ کیا اور اس کو پا لینے کی کوشش کرنے لگا خواہ اس میں اس کی ہلاکت اور اس کے لئے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ ''پھر کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا؟'' (الجاثیہ:23)(تفسیر سعدی:1514،1513/2)(4)﴿ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ ''اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے'' یعنی اس کے اعمال، اقوال، افعال حماقت اور افراط وتفریط پر مبنی ہیں اور حق سے تجاوز کرنے کا نقصان ہے۔ ایسے شخص کے مطیع نہ بنیں، نہ ان کے راستے سے محبت رکھیں اور نہ اس سے رغبت رکھیں جس پر وہ ہیں۔ (الاساس:3175/6)

(5) یعنی ان کا معاملہ حد اعتدال سے تجاوز کر چکا ہے۔(فتح القدیر:354/3)

سوال7: اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب:(1) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہی شخص اطاعت کے لائق اور لوگوں کا امام بننے کے قابل ہے جس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور اس کی زبان پر محبت الٰہی کا فیضان ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اپنے رب کی رضا کی پیروی کرتا ہو اور اسے اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھتا ہو۔ پس اس طرح وہ اپنے وقت کی حفاظت کرے گا، اس کے تمام احوال درست اور تمام افعال ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ لوگوں کو اس چیز کی طرف دعوت دے گا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔ پس یہ شخص اس بات کا مستحق ہے

کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس کو امام بنایا جائے۔(2) آیت مقدسہ میں جس صبر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔ یہ صبر کی بلند ترین قسم ہے۔ اس کی تکمیل سے صبر کی باقی تمام اقسام کی تکمیل ہوتی ہے۔(3) آیت مبارکہ سے ذکر الٰہی، دعا اور دن کے دونوں حصوں میں عبادت کا استحباب مستفاد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر ان کی مدح کی ہے اور جس فعل پر اللہ تعالیٰ فاعل کی مدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس فعل کو پسند کرتا ہے تو اس کا حکم اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:1514/2)

سوال8: رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام کے ساتھ رہنے پر دل مطمئن کرنے کے لئے کیوں کہا گیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔(2) یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتے ہیں۔

سوال9: رسول اللہ ﷺ کو کن لوگوں کی صحبت سے روکا گیا؟

جواب: (1) ایسا شخص جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے۔(2) جس نے خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی۔(3) جس کا طریقہ افراط و تفریط پر مبنی ہو۔

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (29) ﴾

''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی بُرا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔'' (29)

سوال1: ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ ''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے'' اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔(2) قرآن حق ہے۔(ابن ابی حاتم:2358/7)(3) حق سے مراد فقراء کے ساتھ رہنے پر صبر ہے۔(فتح القدیر:354/3)(4) حق کی پہچان یہ ہے کہ (i) حق رب کی طرف سے آتا ہے۔(ii) حق آخری حد تک سچا ہوتا ہے۔(iii) حق میں لوگوں کی خاطر ترمیم نہیں کی جا سکتی۔(5) اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کو اور سعادت مندوں اور بدبختوں کی صفات کو اپنے رسولوں کی

زبان سے واضح کردیا ہے۔(6)﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾''پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے''یعنی دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرلو۔(7)اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر وشر کے انتخاب کے لئے ارادے کی آزادی دی ہے جو ایمان لاتا ہے اسے حق کی توفیق ملتی ہے اور جو کوئی کفر کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے کیونکہ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ج قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ج لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾''دین میں کوئی زبردستی نہیں، یقیناً ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی، چنانچہ جو باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جس نے کبھی ٹوٹنا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(البقرہ:256)

سوال2:﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾''یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ ﴾''یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے تیار کر رکھی ہے''اللہ تعالیٰ نے کفر،فسق اور معصیت کے ذریعے ظلم کرنے والوں کے انجام کے بارے میں فرمایا۔(2)﴿ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾''ایسی آگ جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں''یعنی تم اس کتاب کو نہیں مانتے تو ہم نے تمہارے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ظالموں کو گھیرے ہوئے ہیں۔یہ قناتیں چار دیواریں ہیں، جہاں سے نجات پانے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

سوال3:﴿ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾''اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی بُرا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ﴾''اور اگر وہ پانی مانگیں گے''یعنی اگر وہ پیاس بجھانے کے لئے پانی کی فریاد کریں گے۔(2)﴿ يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ﴾''تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا''تو انہیں زیتون کی تلچھٹ کی طرح گاڑھا پانی یا خون اور پیپ یا پگھلے ہوئے سیسے یا سخت گرم چیز دی جائے گی۔(3)﴿ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ﴾''جو چہروں کو بھون ڈالے گا''جو حرارت کی شدت کی وجہ سے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔وہ منہ کے پاس لائیں گے تو منہ کی کھال اس میں آ گرے گی۔رب العزت نے فرمایا:﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ط وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴾''وہ اس کا گھونٹ گھونٹ پیے گا لیکن قریب بھی نہ ہوگا کہ حلق سے اُتارے اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے۔''(ابراہیم:17)(4)﴿ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (٢٠) وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (٢١) ﴾''جس سے وہ سب پگھلا دیا جائے گا

جوان کے پیٹوں میں ہوگا اوران کی کھالیں بھی۔اوراُن کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔'' (الحج:21،20) (5) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بار سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہوگیا اور جوش مارنے لگا فرمایا''مھل'' کی مشابہت اس میں ہے جہنم کا پانی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے اور جہنمی بھی سیاہ ہیں۔مسند احمد میں ہے کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آپڑے گی۔(ابن کثیر:266/3) (6) ﴿بِئۡسَ الشَّرَابُ ﴾''بڑا ہی بُرا مشروب ہے'' جس سے وہ پیاس بجھانا چاہیں گے۔اس سے عذاب میں اضافہ اور عقوبت میں شدت ہوگی۔(7) ﴿وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴾''اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے'' یہ آگ کے احوال کی مذمت ہے یعنی یہ آرام کی بدترین جگہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں آرام نہیں بلکہ عذاب عظیم ہوگا جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔گھڑی بھر کے لئے بھی یہ عذاب ان سے دور نہیں ہوگا اور وہ سخت مایوسی کے عالم میں ہوں گے۔وہ ہر بھلائی سے مایوس ہوجائیں گے جس طرح انہوں نے مہربان اللہ تعالیٰ کو فراموش کردیا وہ بھی انہیں، فراموش کردے گا۔(تفسیر سعدی:1516/2) (8) اللہ تعالیٰ نے انجام کا تذکرہ کرکے یہ سمجھایا ہے کہ دیکھو احتیاط سے فیصلے کرنا کہیں ہمیشہ کا عذاب مول نہ لینا۔

سوال4:حق کا انکار کرنے والوں کی کیا سزا ہے؟

جواب:(1) انکار کرنے والوں کے لئے آگ تیار ہے جس کی لپٹیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی۔(2) وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا چہروں کو بھون دے گا۔بہت ہی برا پانی اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں۔''(30)

سوال1: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴾''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے دوسرے گروہ یعنی اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاکر نیک اعمال کیے۔(2) ﴿اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴾''یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں'' اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق جو کام کیے جاتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایسے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ان کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔(3) عمل میں احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہو۔

سوال2:حق پر ایمان کون لاتا ہے؟

جواب: جولوگ تکبر،مصلحت پسندی،اورظاہر پرستی سے دور ہوتے ہیں ان کے سامنے جب حق آتا ہے تو پہچان کر مان لیتے ہیں۔

سوال3:حق قبول کرنے والوں کی زندگیوں میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1)حق قبول کرنے والے اپنے آپ کوحق کے سامنے بچھا دیتے ہیں۔(2)وہ اپنی زندگی کوحق کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔

﴿ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّیَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِئِیۡنَ فِیۡهَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا(31)﴾

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں،وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گےاور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے،اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اچھابدلہ ہےاوراچھی آرام گاہ ہے!''(31)

سوال1:﴿ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں''ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں۔

(2)﴿تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ﴾''جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں''جنت کے بالا خانوں کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

سوال2:﴿ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّیَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِئِیۡنَ فِیۡهَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ﴾ ''وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اوروہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے،اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ ﴾''وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے''جنت والوں کوسونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ﴾''یقیناً جولوگ ایمان لائے اورجنھوں نے نیکیاں کیں،اُنہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں وہاں انہیں سونے کے کنگن اورموتی پہنائے جائیں گے اوراس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔''(الحج:23)(2)﴿وَّیَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ ﴾''اوروہ باریک اوردبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے''

جنتیوں کالباس ریشم ہوگا۔دبیز،مہین سبزاور خالص ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔(3)﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ج وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾''ہمیشہ کی جنتیں جن میں وہ داخل ہوں گے،ان میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گےاوران میں اُن کالباس ریشم ہوگا۔''(فاطر:33)(4)﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (٥١) فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (٥٢) يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (٥٣) كَذٰلِكَ قف وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٥٤) يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ (٥٥) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ج وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (٥٦) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (٥٧)﴾''بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔باغوں اور چشموں میں۔وہ باریک ریشم اور دبیز ریشم میں سے پہنیں گے،اس حال میں کہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔اسی طرح ہےاور ہم اُن کو بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔اُن میں وہ ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے۔وہ وہاں موت کو نہ چکھیں گے سوائے پہلی موت کے اور وہ اُن کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔آپ کے رب کی طرف سے فضل ہے،یہی بڑی کامیابی ہے۔''(الدخان:51۔57)(5)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مومن کا زیور وہاں پہنچے گا جہاں اس کے وضو کا پانی پہنچے گا۔(مسلم:586)(6)سیدنا سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک ناخن کے برابر جنت کی کوئی چیز ظاہر ہو تو وہ زمین وآسمان کے کناروں کو چمکا دے اور اگر ایک مرد اہلِ جنت میں سے جھانکے اور اس کے کنگن ظاہر ہوں تو اس کے کنگن تمام روشنی مٹا دیں جیسے آفتاب تاروں کی روشنی مٹا دیتا ہے۔(ترمذی:2538)(7)براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی کپڑا پیش کیا گیا۔اس کی خوب صورتی اور نزاکت نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے بہتر اور افضل ہے۔(بخاری)(8)اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنت میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے زیورات اور ریشم کے لباس ہوں گے۔(9)﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾''اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے''،تختوں پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کی کیفیت واضح کرتی ہے کہ انہیں کوئی غم،کوئی تھکان،کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔جنت کے خادم ان کی خدمت میں دل پسند چیزیں پیش کریں گے۔

سوال2:﴿نِعْمَ الثَّوَابُ ط وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾''اچھابدلہ ہےاوراچھی آرام گاہ ہے!''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نِعْمَ الثَّوَابُ﴾''اچھابدلہ ہے''جنت کتنا بہترین صلہ ہے۔(2)﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾''اوراچھی آرام گاہ ہے!''جنت کیا ہی اچھی قیام گاہ ہے جس میں اہل جنت قیام کریں گے اور اس چیز میں لطف اندوز ہوں گے جس کی ان کے نفس خواہش کریں گے۔ان کی جوانی کو کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ان کی خوشیوں کو کبھی غم نہیں ڈسے گا۔ان کی لذتیں کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔ان کے گھر بہترین آرام گاہ ہوں گے،ان میں سب سے ادنیٰ درجے والا جنتی اپنی نعمتوں میں،اپنے باغوں میں اور محلوں میں دو ہزار سال چلے پھرے گا وہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پائے گا۔اس کی آرزوئیں پوری ہوں گی۔ان نعمتوں کا دوام ان کے حسن میں اضافے کا باعث ہوگا۔یاارحم

الراحمین! ہم سب آپ سے سوال کرتے ہیں جنت الفردوس کا۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں اس احسان سے محروم نہ کرنا۔(3) ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ج اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (١٩) وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (٢٠) عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ز وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (٢١)﴾ ''اور اُن کے آس پاس کمسن لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے، جب آپ اُنہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اور جب آپ دیکھیں گے تو وہاں بڑی نعمت اور عظیم بادشاہت آپ دیکھیں گے۔ اُن پر سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا رب اُنہیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔'' (الدھر:19۔21)(4) ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا (٧٥) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (٧٦)﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں بالا خانے دیے جائیں گے اور اس میں اُن کا استقبال زندگی کی دُعا اور سلام سے کیا جائے گا۔ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بہت اچھی ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ ہے۔'' (الفرقان:75,76)(5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو تمہارے لئے یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ تم صحت مند رہو اور کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم جوان رہو گے اور تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم آرام میں رہو گے اور تمہیں کبھی تکلیف نہیں ہو گی تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ آواز آئے گی کہ یہی تمہاری جنت ہے جس کے تم اپنے ان اعمال کی وجہ جو تم کرتے رہے وارث بنا دیئے گئے ہو۔ (الاعراف)(مسلم:7157)

رکوع نمبر 17

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلاً رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا(32)﴾

''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کر دیں اِن دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور اُن دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں۔'' (32)

سوال1: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلاً رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ ''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کر دیں اِن دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور اُن دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلاً رَّجُلَيْنِ﴾ ''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کر دیں'' رب العزت نے فرمایا ہے کہ ان کے

سامنے دوآدمیوں کی مثال بیان کردو۔ان میں سے ایک کواللہ تعالیٰ نے انگور کے دوباغ دے رکھے تھے جن کے درمیان فصلیں کاشت ہوتی تھیں اور جن کے کناروں پر کھجور کے اونچے اونچے درخت تھے۔تینوں قسم کی پیداوار خوب تھی۔(2) یہ مثال دوایسے لوگوں کی ہے جن میں سے ایک شکرگزار اور دوسرا ناشکرا ہے۔دونوں طرح کے لوگوں کے اقوال اورافعال کی بناپراللہ تعالیٰ نے دنیااورآخرت کاعذاب وثواب طے کررکھا ہے۔(3) اللہ تعالیٰ نے یہ قصّہ اس لئے سنایا ہے(i) تاکہ اسلامی اقداراور کافرانہ اقدار کوواضح کیا جاسکے۔(ii) اس قصّے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ دُنیا کی زندگی کی آخرت کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے۔(4) ﴿جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ ''اِن دونوں میں سے ایک کوہم نے انگوروں کے دوباغ دیےاوراُن دونوں کوہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں'' ان میں سے جن کے دوباغ تھےاس کے باغ کے وسط میں انگور کی بیلیں اوراردگرد کھجور کے درختوں نے گھیرا ہوا تھا۔اس باغ کوسورج کی وافر روشنی حاصل تھی۔روشنی پھل پکنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔باغ کوسیراب کرنے کے لئے وافر پانی بھی موجود تھا۔

سوال2: باغ والے دولوگ کون تھے؟

جواب: بنی اسرائیل کے دوافراد تھے یا اہل مکہ میں سے ایک مومن اور دوسرا کافر۔

﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (33)﴾

''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے اوراس میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کردی تھی۔'' (33)

سوال: ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ ''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے اوراس میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کردی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا﴾ ''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے'' دونوں باغوں کا پھل اور فصلیں کئی گنا ہوتی تھیں۔(2) ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا﴾ ''اوراس میں کوئی کمی نہ کی'' یہاں ظلم کا لفظ نقص اورکمی کے لئے لایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے باغ کے حوالے سے یہ واضح کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنا حق ادا کردیا جب کہ باغات کے مالک نے تکبر کیا، سرکشی کی، اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہ کیا اور ظلم کیا۔(3) ﴿وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ ''اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کردی تھی'' ان باغوں کے ساتھ ساتھ پانی سے بھرے ہوئے دریا بہہ رہے تھے اوران باغوں کے درمیان جگہ جگہ دریا جاری تھے۔

﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (34)﴾

''اوراس کا پھل بہت ہوا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کررہا تھا''میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں۔''(34)

سوال:﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾''اوراس کا پھل بہت ہوا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کررہا تھا''میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾''اوراس کا پھل بہت ہوا''اس شخص کا باغ پھلوں سے پک گیا۔اس کے درخت بوجھ سے لد گئے اس وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہوگیا،اس نے تکبر کیا اور اترانے لگا۔(2)﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ ﴾''تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کررہا تھا''ان باغوں کے مالک نے اپنے ایمان والے دوست سے فخر سے کہا جبکہ وہ دونوں عام روزمرہ کی بات چیت کررہے تھے۔(3)﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾''میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں''اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ باغ میں پھرتے ہوئے دل کا پیمانہ خوشی سے بھر گیا،جوش میں آ گیا حتیٰ کہ غرور اس کے دل میں داخل ہوگیا اب وہ بھول گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا ہے،صرف یہ یاد ہے میں تجھ سے زیادہ مال دار اور طاقتور نفری رکھتا ہوں۔(4)اس نے اپنے مال اور اپنے مددگاروں،اپنے رشتے داروں اور غلاموں پر فخر کیا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا (35)﴾

''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا،اس نے کہا:''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا۔''(35)

سوال1:﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴾''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا،اس نے کہا:''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا''انسان جب دولت،عزت اور مال کو اپنی محنت اور قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے تو اس کے اندر اپنی ذات کی بڑائی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔(2)﴿ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴾''اس نے کہا:''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا''اس شخص نے جو گمان کیا اسے لفظوں میں بیان کیا گیا۔کہ باغ کبھی ختم اور برباد نہیں ہوگا۔اس طرح وہ دنیا پر مطمئن ہو کر آخرت کا انکار کر گیا۔(3)﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴾''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے؟''(مریم:77)(4)﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ لا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّلَئِنْ

رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَہٗ لَلۡحُسۡنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَلَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر واقعی مجھے اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو یقیناً اُس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی۔ پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ضرور بتائیں گے جو اُنہوں نے عمل کیے۔ اور یقیناً ہم ضرور اُنہیں سخت عذاب میں سے چکھائیں گے۔''(حٰم سجدہ:50)(5)﴿اِنَّا بَلَوۡنٰہُمۡ کَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَیَصۡرِمُنَّہَا مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا یَسۡتَثۡنُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَیۡہَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّکَ وَہُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصۡبَحَتۡ کَالصَّرِیۡمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰی حَرۡثِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰرِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَانۡطَلَقُوۡا وَہُمۡ یَتَخَافَتُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اَنۡ لَّا یَدۡخُلَنَّہَا الۡیَوۡمَ عَلَیۡکُمۡ مِّسۡکِیۡنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوۡا عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوۡہَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ ﴿۲۶﴾ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوۡسَطُہُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''یقیناً ہم نے اُنہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب اُنہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے۔ وہ استثناء نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا۔ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔ یہ کہ صبح صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے۔ کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔ اور صبح صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے۔ مگر جب اُنہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ''یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم محروم ہیں۔'' اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ''کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟'' اُنہوں نے کہا: ''پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔'' پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے۔''(القلم:17،31)(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ہی تناجش کرو (تناجش بیع کی ایک قسم ہے) اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے رُوگردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔'' آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا پورا احرام ہے، اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔''(مسلم:6541)(7) جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی

جوتی بھی اچھی ہو۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ﴿اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَال ﴾''اللہ تعالیٰ جمیل ہےاور جمال (خوبصورتی)ہی کو پسندفرماتا ہے'' تکبرتوحق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کوکمترسمجھنے کو کہتے ہیں۔''(صحیح مسلم:265)(8)سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایاہےاور پھر مذکورہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی اوراس حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ تم لوگ عاجزی اختیارکرو یہاں تک کہ کوئی کسی پرفخر نہ کرے اور نہ ہی کوئی کسی پر زیادتی کرے اوراسی روایت میں ہے کہ وہ لوگ تم میں مطیع و تابعدار ہیں کہ وہ نہ گھر والوں کو چاہتے ہیں اورنہ ہی مال کو۔''(صحیح مسلم:7210)(9)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،اشرفی کا بندہ،روپے کا بندہ،چادر کا بندہ،کمبل کا بندہ ہلاک ہوا کہ اگراسے کچھ دے دیا جائے تب تو خوش ہوجاتا ہےاوراگرانہیں نہ دیا جائےتو ناراض ہوجاتا ہے۔(صحیح بخاری2886.)

سوال2:انسان تکبر میں کب اور کیسے مبتلا ہوتا ہے؟

جواب:(1)انسان تکبر میں مبتلا ہوکر دوسروں کوکم ترسمجھنے لگتا ہےجن کو مال اورعزت میں کم حصّہ ملا ہوتا ہے۔(2)انسان کوتکبر میں مبتلا ہو کر یوں لگتا ہے کہ یہ دُنیاختم ہونے والی نہیں ۔(3)انسان کو یوں لگتا ہے کہ اگراس دُنیا کے بعدکوئی اور جہان آ بھی گیاتو جیسے یہاں حال اچھا ہےتو وہاں بھی ضرور ہی اچھا ہوگا۔

سوال3:انسان تکبر میں مبتلا ہونے سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب:انسان جب یہ سمجھ لے کہ دُنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہےاللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہےتو وہ تکبر میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے۔

﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿36﴾ ﴾

''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہےاور یقیناًاگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیاتو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔''(36)

سوال:﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہےاور یقیناًاگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیاتو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ﴾''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہے''اس شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین کمزور تھا

اورآخرت پرایمان نہ رکھتا تھا۔اس لئے اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ قیامت کبھی نہیں آنے والی یعنی قیامت کا عقیدہ ہی غلط ہے۔ (2)اگر قیامت آئی بھی تو﴿ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾ ''یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔''اس کی یہ بات دوامور سے خالی نہیں:(i) یا تو وہ حقیقت حال کا علم رکھتا ہے۔تب اس کا یہ کلام ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر ہے یہ اس کے کفر میں اضافے کا باعث ہے۔(ii) یا تو وہ حقیقت میں یہی سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا تب وہ دنیا کا جاہل ترین شخص اور عقل سے بے بہرہ ہے۔دنیا کی عطا اور آخرت کی عطا میں کون سا تلازم ہے کہ کوئی جاہل شخص اپنی جہالت کی بنا پر یہ سمجھے کہ جسے اس دنیا میں عطا کر دیا گیا ہے اسے آخرت میں بھی عطا کیا جائے گا بلکہ غالب طور پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور خاص بندوں سے دنیا کو دور ہٹادیتا اور اپنے دشمنوں کو دنیا عطا کرتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو حقیقت کا علم تھا مگر اس نے بات محض ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر کہی تھی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾پس باغ میں داخل ہوتے وقت اس سے صادر ہونے والے کلمات سے اس کے وصف ظلم کا اثبات،اس کے تمرّد اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1519/2)

(3) کافر یہی کہتا ہے:﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر واقعی مجھے اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو یقیناً اُس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی۔پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا ضرور بتائیں گے جو اُنھوں نے عمل کیے۔اور یقیناً ہم ضرور اُنہیں سخت عذاب میں سے چکھائیں گے۔'' (فصلت:50) (4) متکبر انسان امتحان کی حالت کو انعام کی حالت سمجھتا ہے پھر وہ ان انعامات کو اپنا حق سمجھتا ہے تو اس کے دل میں یہی بات بس جاتی ہے کہ آج انعام ہے تو کل کیوں نہ ہوگا جب کہ میں تو وہی ہوں۔

﴿ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا (37) ﴾

''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کررہا تھا اس سے کہا''کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر تمہیں درست آدمی بنادیا؟'' (37)

سوال1:﴿ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴾''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کررہا تھا اس سے کہا''کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک

بوند سے پھر تمہیں درست آدمی بنادیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ ﴾''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کررہا تھا اس سے کہا'' اس کے مومن ساتھی نے اپنے کافر ساتھی کونصیحت کرتے ہوئے ابتدائی حالات یاددلائے جس میں اللہ تعالیٰ اسے وجود میں لایا۔اس نے کہا:(2)﴿ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾''یعنی تو اپنے خالق کی نافرمانی نہ کرنا۔اس نے انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی پھر اس کی نسل کی پیدائش کا آغاز حقیر پانی کی بوند سے کیا۔جس نے تجھے وجود عطا کیا،نعمتیں دیں، تجھے مکمل آدمی بنادیا،اس کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ وہ تجھے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرے گے؟

سوال2:ایک مومن کافر کو اس کی پیدائش کیوں یاددلاتا ہے؟

جواب:(1)اپنی پیدائش سے انسان کو اپنی اصل حقیقت یادآجاتی ہے اور وہ رب کا شکر گزار بن جاتا ہے۔(2)اپنی پیدائش کو یاد کرنے سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے۔(3)اپنی پیدائش کو یاد کرکے انسان کو رب یادآجاتا ہے۔

﴿ لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا(38) ﴾

''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا۔''(38)

سوال1:﴿ لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴾''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ ﴾''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے'' مومن نے کافر ساتھی سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کا اعتراف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے۔(2)﴿ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴾''اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا'' میں اس کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا۔میرے پاس اگرچہ مال اور اولاد کم ہے مگر حقیقی نعمت ایمان ہے،اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔

سوال2:بندۂ مومن نے اپنے آپ کو شرک سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اپنے مشرک ساتھی کو کیا یاد دِلایا؟

جواب:بندۂ مومن نے یاد دلایا کہ تم شرک کرتے ہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے انعامات میں خود کو شریک ٹھہراتے ہو۔تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی بجائے اپنی بڑائی چاہتے ہو۔

﴿ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

﴿ وَّوَلَدًا ﴿39﴾ ﴾

''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاءاللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں، اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے۔'' (39)

سوال1: ﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ لا لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ﴾ ''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاءاللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ لا لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ﴾ ''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاءاللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں'' مومن نے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت تکبر کرنے کی بجائے تم ماشاءاللہ کہتے یعنی جسے اللہ تعالیٰ چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے فنا کردے۔ (2) دولت ونعمت پانے کے بعد انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے کوئی بلند تر ہے اور جو اس کو ملا ہے وہ اس کا خاندانی حق تھا یا اس کے ذاتی علم وہنر کا نتیجہ تھا، جیسا کہ قارون نے کہا تھا، یہی غرور ہے جو ترقی کرکے بخل اور ظلم کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی اور ارشاد ہے: ﴿ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۴﴾ ﴾ ''تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو تمہیں وہ عطا کرے اس پر پھول نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو شخص منہ موڑ جائے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ، بہت تعریفوں والا ہے''۔ (الحدید:24) (3) اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو نعمتیں اتاری ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی قدر پہچانے، اس کی مقام کو جانے، اس کے حق کو مانے اور دل وجان سے اس کا شکر ادا کرے۔ ﴿ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴾ ''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کرلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں قوت دی اور تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا، تاکہ تم شکر ادا کرو'' (الانفال:26) (4) ﴿ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ﴾ ''اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔'' (یونس:60) (5) اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز اچھی لگے تو ﴿ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ﴾ پڑھنا چاہیے۔ (6) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کا خزانہ نہ بتاؤں؟ وہ خزانہ

ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔اورروایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اس بندے نے مان لیااور اپنا معاملہ میرے سپرد کردیا،سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا صرف لاحول نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی: ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (ابن کثیر:269/3)(7) جو چار کلمات کا اہتمام کرے وہ نظر بد سے بچ سکتا ہے۔(i) جو حسبنا اللہ کہتا ہے اسے شیطان کی چالوں سے بچالیا جاتا ہے۔﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ق صلے وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ''جن سے لوگوں نے کہا کہ یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم اُن سے ڈر جاؤ، چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کردیا، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' (آل عمران:173)(ii) جو کہتا ہے میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا، اسے لوگوں کی چالوں سے بچالیا جاتا ہے: ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ م بِالْعِبَادِ (۴۴) فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ (۴۵)﴾ ''چنانچہ جو کچھ میں تمہیں کہہ رہا ہوں جلد ہی تم یاد کروگے اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو برے نتائج سے بچالیا جو انہوں نے تدبیریں کیں اور آلِ فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔'' (مومن:45,44)(iii) ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ق اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۸۷)﴾ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔'' (الانبیاء:87) کہتا ہے اسے غم سے بچالیا جاتا ہے۔(قرطبی:295/5)(iv) ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھنے سے نظر بد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔(8) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور جب ہم بلندی پر چڑھتے تو (زور سے چلاکر) تکبیر کہتے اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! اپنے اوپر رحم کھاؤ! اللہ بہرا نہیں ہے اور نہ وہ کہیں دور ہے تم ایک سننے اور، ایک بہت واقف کار اور قریب رہنے والی ذات کو بلاتے ہو پھر نبی ﷺ میرے پاس آئے۔میں اس وقت دل میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ رہا تھا۔نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا عبداللہ بن قیس! لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا کرو کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔یا آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں۔(صحیح بخاری:7386)(9) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب موذن ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہے تو تم میں سے کوئی ایک ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہے۔پھر موذن ''أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے تو یہ بھی ''أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے۔پھر موذن ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے تو یہ بھی ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے۔پھر وہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' کہے تو یہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہے۔پھر وہ ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے تو یہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہے۔پھر وہ ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہے تو یہ بھی ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہے پھر وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے تو یہ بھی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' خلوص دل سے کہے تو یہ (ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔'' (مسلم:850)(10) عبادہ بن صامت نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص رات کو بیدار ہوکر یہ دعا کرے: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ

الْـمُـلْکُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ [وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ]وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ ملک اسی کے لیے ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی ہمت'' پھر یہ پڑھے ''اے اللہ میری مغفرت فرما'' (یا یہ کہا کہ) کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز بھی مقبول ہوگی'' (صحیح بخاری:1154)

سوال2: ﴿ اِنْ تَـرَنِ اَنَـا اَقَـلَّ مِـنْکَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴾ ''اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے'' مومن نے اپنے کافر ساتھی سے کہا کہ تم مال اور اولاد پر فخر کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کم تر ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے اور جو امید اللہ تعالیٰ کی نوازش اور احسان سے رکھی جاسکتی ہے وہ اس دنیا و مافیہا سے بہتر ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں ۔

﴿فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِکَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا (40)﴾

''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرما دے گا اور اس پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔'' (40)

سوال: ﴿فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِکَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَـقًـا ﴾ ''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرما دے گا اور اس پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِکَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا ﴾ ''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرما دے گا اور اس پر بھیج دے'' یعنی اس باغ نے تجھے دھوکے میں رکھا تھا اور تو نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا ۔ امید ہے میرا رب مجھے اس سے بہتر عطا کرے گا ۔ یعنی تیرے باغ سے بہتر باغ ۔ (2) ﴿ حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ''آسمان سے کوئی آفت'' یعنی کسی قسم کا عذاب، بارشیں، زلزلے یا کچھ اور ۔ (3) مومن جو کچھ موجود ہوتا ہے اس پر قناعت کرتا ہے پھر یہ اُمید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اور زیادہ

دے گا۔(4)﴿ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴾''تو وہ چٹیل میدان ہوکر رہ جائے گا'' تم جس باغ کے متعلق یقین رکھتے ہو کہ وہ کبھی خراب نہیں ہوگا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر کوئی آفت بھیج دے، اتنی بارش ہو کہ سارا باغ برباد ہو جائے، لہلہاتے باغوں کی جگہ چکنی زمین پڑی رہ جائے۔(4) مومن نے اپنے ساتھی کو باغ پر آسمان سے آنے والی آفت سے اس لئے ڈرایا کہ انسان کی زندگی میں حادثات پیش آتے رہتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جس پر انسان کا ذاتی قبضہ ہو اس لئے مؤمن نے توجہ دلائی کہ یہ سب کچھ جسے تم اپنا سمجھتے ہو وہ تمہارا ہے نہیں۔

﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا(41)﴾

''یا اُس کا پانی گہرا ہوجائے، پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے''۔(41)

سوال:﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴾''یا اُس کا پانی گہرا ہوجائے، پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا ﴾''یا اُس کا پانی گہرا ہوجائے'' یعنی باغ کے پانی کا چشمہ۔(2)﴿فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴾''پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے'' یعنی پانی اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تم کھدائی کے آلات کے ذریعے بھی وہاں نہ جاسکو۔(3) مومن حقیقت پسند ہوتا ہے وہ اپنے تصور سے ہر چیز سے محروم ہوکر سبق لیتا ہے کہ اس کے پاس عاجزی کے سوا کچھ نہیں اور اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے عاجز بنا کر ڈال دیتا ہے۔

﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (42)﴾

''اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا:''اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا!''(42)

سوال1:﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴾ ''اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا:''اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ ﴾''اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا'' یعنی اس کے پھل کو گھیر کر تباہ کر دیا گیا اور اس میں کچھ بھی نہ چھوڑا گیا۔(2)﴿فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾''چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس

نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا'' یعنی اس نے باغ پر جو اخراجات کیے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے اپنے شرک پر پشیمان ہوتے ہوئے کہا۔

سوال2: ﴿ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ﴾ ''اور وہ کہنے لگا: ''اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کف افسوس ملتے ہوئے اس شخص نے کہا: کاش وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھایا ہے کہ (i) دُنیا میں جو باغ تم نے اُگایا تمہارا ذاتی نہیں لیکن تم اُس پر اپنی ملکیت سمجھ کر شرک کرتے ہو۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے ہاتھ ملتے ہوئے انسان کے منظر کو سامنے رکھ کر سمجھایا ہے کہ تمہیں بھی شرک کی نفی کرنی ہے۔ کیا اُسی دن یاد آئے گا جب کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔ (iii) اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، قادر مطلق ہے، قوتوں کا مالک ہے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔

﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا (43) ﴾

''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود بچنے والا ہوا۔'' (43)

سوال1: ﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴾ ''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود بچنے والا ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا'' یعنی جس باغ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو ہر چیز ہاتھوں سے نکل گئی۔ (2) اسے اپنی اولاد اور جس جتھے کا ناز تھا کہ اس کے مددگار رہوں گے وہ اس سے کچھ بھی عذاب دور نہ کر سکے۔ (3) زمین وآسمان کے رہنے والے سب مل کر بھی کوئی مدد کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، نہ وہ خود ہی مدد کر سکا۔

سوال2: انسان کو یہ بات کب سمجھ آتی ہے کہ اس کی کوئی تدبیر اسے بچا نہیں سکتی؟

جواب: انسان کی زندگی میں آنے والے حادثات اسے یقین دہانی کرواتے ہیں کہ قابلیت اور تدبیر اللہ تعالیٰ کے آگے کام نہیں آسکتی۔

﴿ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا (44) ﴾

''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے۔ وہی بہترین ہے ثواب دینے والا اور بہترین انجام والا ہے۔'' (44)

سوال1: ﴿ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴾ ''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق

ہے۔وہی بہترین ہے ثواب دینے والا اور بہترین انجام والا ہے'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِ ﴾''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے'' وہ شخص پکار رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہی برحق ہے، اسی کا انعام بہتر اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے۔(2) جو کوئی ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے۔وہ اسے کرامتوں کے ذریعے عزت دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دینی اور دنیوی ثواب بہترین ہے۔(3) یعنی اس حال میں جس میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو سزا دینے کا حکم جاری کرتا ہے جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔اور عزت وتکریم اس شخص کے لئے جس نے ایمان لاکر نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتا رہا۔اس بنا پر واضح ہو گیا کہ حقیقی ولایت کا مالک صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔پس جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے، وہ اسے مختلف اقسام کی کرامت کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے اور اس کو شر اور تمام آفتوں سے بچاتا ہے۔جو اپنے رب پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ اسے اپنا ولی اور سرپرست بناتا ہے، وہ دین ودنیا میں خسارہ اٹھاتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب بہترین ثواب ہے جس پر امیدوں کو مرتکز ہونا چاہیے۔(تفسیر سعدی:2/1522،1523)

سوال2: ولایت کا کیا مطلب ہے؟
جواب: ولایت کا مطلب مدد، نصرت ہے۔

سوال3: انسان کو کب یہ سمجھ آتی ہے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہی بہترین اجر دینے والا، اور بہترین انجام تک پہنچانے والا ہے؟
جواب:(1) انسان کو اللہ تعالیٰ دُنیا میں مختلف حادثات، مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ سبق لے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو اہمیت دینے کی غلطی نہ کرے۔(2) انسان اگر ظالم بن جائے تو کسی چیز سے سبق نہیں لیتا جب تک وہ ہر چیز سے محروم ہو کر یہ نہ دیکھ لے کہ اس کے پاس عاجزی کے سوا کچھ نہیں۔

سوال4: اس قصے میں ہمارے لئے کیا عبرتیں ہیں؟
جواب:(1) اس عظیم قصے میں اس شخص کے حال میں جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں عنایت کیں، مگر ان نعمتوں نے اسے آخرت سے غافل کر کے سرکش بنا دیا اور وہ ان میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگا لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ ان نعمتوں کا انجام زوال اور اضمحلال ہے اگر بندہ ان نعمتوں سے تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے تو طویل عرصے تک محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بندہ مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب اسے اپنے مال اور اولاد میں سے کچھ اچھا لگے تو وہ اس نعمت کو نعمت عطا کرنے والے کی طرف منسوب کرے اور یہ کہے:(ما شاء اللہ لاقوۃ الا باللہ) تاکہ وہ شکر گزار بنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بقا کے لئے سبب بننے والا بنے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾(2) ان آیات کریمہ میں لذت دنیا اور اس کی شہوات کے

بدلے میں ان بہتر چیزوں کے ذریعے تسلی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔فرمایا: ﴿اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا (۳۹) ج فَعَسٰى رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے۔تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمادے گا۔(الکھف: 39،40)(3)ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ مال اور اولاد اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مددگار نہ بنیں تو وہ کوئی فائدہ نہیں دیتے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ قَمَنْ ’اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسے نہیں ہے جو تمہیں ہمارے کچھ بھی قریب کرتے ہوں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔‘‘(سبا:37)(4)اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کا مال اس کی سرکشی،کفر اور اس کے لئے اخروی خسارے کا سبب ہو اس مال کے تلف ہونے کی دعا کرنا جائز ہے۔خاص طور پر جبکہ وہ اس مال کی بنا پر اپنے آپ کو اہل ایمان سے افضل سمجھتا ہو اور ان پر فخر کا اظہار کرتا ہو۔ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور عدم ولایت،اس وقت ظاہر ہوگی جب غبار چھٹ جائے گا،جزاوسزا ثابت ہوگی اور عمل کرنے والے اپنا اجر پالیں گے: ﴿هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا﴾ (تفسیر سعدی:2/1522،1523)

رکوع نمبر18

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (45)﴾

’’اور آپ اُنہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں،جیسا کہ پانی،جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چورا ہوگئیں،جسے ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘(45)

سوال1: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ ’’اور آپ اُنہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے سامنے دنیا کی زندگی کے زوال اور اس کے فنا ہونے کی مثال بیان فرمائیں تا کہ وہ اس کی حقیقت جان کر ہمیشہ رہنے والی زندگی سے اس کا تقابل کریں اور اسے ترجیح دیں جس کا حق ہے کہ اسے ترجیح دی جائے۔(2) ﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ ’’جیسا کہ پانی،جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا‘‘ اس زندگی کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے برستی ہے تو زمین اسے اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔(3) ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ ’’پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں‘‘ اس سے طرح طرح کی چیزوں کے درخت پیدا ہوئے،پروان چڑھے،اس کی کلیاں اور پھول نکلے،اس کی خوب صورتی اور رونق دیکھنے والوں کو متاثر کرتی ہے۔لوگ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بے پرواہ لوگوں کو بھی یہ مناظر اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

(4)﴿فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ﴾ ’’پھراُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چورا ہوگئیں‘‘ پھر وہ نباتات سوکھ جاتی ہیں اور چورا چورا ہوکر زمین پر گر پڑتی ہیں۔ان کے ذرے ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ہوائیں انہیں اڑا کر لے جاتی ہیں۔سارا منظر بدل جاتا ہے۔تازگی ،روئیدگی ،خوب صورتی اور حسن ختم ہوجاتا ہے۔زمین چٹیل میدان بن جاتی ہے جس سے نظریں ہٹ جاتی ہیں، ہرطرف خاک اڑتی ہے اور دل وحشت محسوس کرتے ہیں۔(5) دنیا کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ہر شخص کو اپنی جوانی اچھی لگتی ہے۔اس زندگی میں مگن لوگ اپنے دوستوں سے آگے نکل جاتے ہیں اور مال و دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں،لذتوں اور شہوتوں میں گم ہوجاتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ ان خوشیوں کو زوال نہیں آئے گا کہ اچانک موت آجاتی ہے یا اس کا مال ضائع ہوجاتا ہے،اس کی لذتیں چھن جاتی ہیں ،اس کی خوشیاں اس سے روٹھ جاتی ہیں۔اس کا دل دکھوں اور مصیبتوں سے وحشت کھاتا ہے۔اس کا مال،اس کی جوانی ،اس کی قوت اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنے اچھے برے اعمال کے ساتھ اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔یہی وہ حال ہے جب ظالم کو حقیقت کا علم ہوگا تو وہ اپنے ہاتھ چبائے گا اور تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں ایک بار واپس بھیجا جائے گا اور تمنا کرے گا،اس لیے نہیں کہ ناکام آرزوؤں کو پورا کرلے بلکہ اس لیے کہ غفلت میں جو غلطیاں ،کمیاں،کوتاہیاں ہوئیں توبہ اور نیک اعمال کے ذریعے ان کی تلافی کرلے۔(6) عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کو مرنے کے بعد کی زندگی میں دیکھ لیتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اسے دنیا کی زندگی سے جانوروں کی طرح فائدہ اٹھانا ہے یا جنت کے حصول کے لیے عمل کرنا ہے جس کی نعمتیں کبھی زوال پذیر نہ ہوں گی، جہاں کسی کی خوشیوں کو غم نہیں آئے گا، جہاں کسی کی جوانی کو بڑھاپا نہیں آئے گا، جہاں کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، جہاں کی لذتیں زوال پذیر نہیں ہوں گی۔(7) یہ سوچ اس شخص کی ہوتی ہے جو عقل رکھتا ہے اور پختہ ارادے کرتا ہے جسے رب العزت توفیق عطا فرماتے ہیں۔(8) یہی وہ حالت ہے جس کے ذریعے معرفت حاصل ہوتی ہے۔جس کو توفیق مل جائے وہ حقیقی دنیا کے لیے کام کرتا ہے۔جس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ حال مست اور مال مست بن کر زندگی گزارتا ہے۔جسے توفیق مل جائے وہ نفع اٹھاتا ہے اور جسے نہ ملے وہ نقصان اٹھاتا ہے۔(9) رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ﴾ ’’دنیا کی زندگی کی مثال اُس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اُس سے زمین کی اُگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں اس میں سے جو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والوں نے یقین کرلیا کہ بے شک اب وہ اس پر قادر ہیں تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اُسے کٹی ہوئی کردیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی،ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔‘‘(یونس:24)(10)﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ ''جان لو! بلاشبہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل، دل لگی اور زینت اور تمہارا آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، جیسے بارش کی مثال ہے کہ اُس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو خوش کر دیتی ہے، پھر وہ پک جاتی ہے تو آپ اُس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' (الحدید:20) (11) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز (یعنی پرکشش) ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پرکشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948) (12) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔'' (مسند احمد) (13) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔'' (صحیح مسلم:7417) (14) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دن ممبر پر تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمہارے متعلق اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کی آرائش اور زیبائش کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔'' ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اچھائی برائی پیدا کرے گی؟ اس پر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس لیے اس شخص سے کہا جانے لگا کہ کیا بات تھی تم نے نبی ﷺ سے ایک بات پوچھی لیکن نبی ﷺ تم سے بات نہیں کرتے۔ پھر ہم نے محسوس کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے' بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ نے پسینہ صاف کیا (جو وحی نازل ہوتے وقت آپ کو آنے لگتا تھا) پھر پوچھا کہ سوال کرنے والے صاحب کہاں ہیں؟ ہم نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کے (سوال کی) تعریف کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھائی برائی نہیں پیدا کرتی (مگر بے موقع استعمال سے برائی پیدا ہوتی ہے) کیونکہ موسم بہار میں بعض ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے کہ خوب چرتا ہے اور جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو سورج کی طرف رخ کر کے پاخانہ پیشاب کر دیتا ہے اور پھر چرتا ہے۔ اسی طرح یہ مال و دولت ایک خوشگوار سبزہ زار ہے اور مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو مسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے یا جس طرح نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگر کوئی شخص زکوٰۃ حقدار ہونے کے بغیر لیتا ہے تو اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف گواہ ہوگا'' (صحیح بخاری:1465) (15) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ (غزوہ خندق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی) میدان خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم اجمعین سردی کی سختی کے باوجود صبح ہی صبح خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کی اس

کھدائی میں مدد کرتے ۔آپ ﷺ نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی ''اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما'' (صحیح بخاری:2834) (16) ''مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، پھر دو چیزیں واپس آجاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتے ہیں۔اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم:7424؛صحیح بخاری:6514) (17) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں: جو کھایا اور ختم کرلیا، جو پہنا اور پرانا کرلیا اور جو اس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیا اور (یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کرلیا) اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔'' (صحیح مسلم:7422) (18) سیدنا سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ سے خطبہ دیتے ہوئے سنا انہوں نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر کیا کہ لوگوں نے دنیا میں سے کیا کچھ حاصل کرلیا ہے۔پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ سارا دن بھوک کی وجہ سے بے قرار رہتے تھے۔آپ کو سوکھی ہوئی اتنی سخت کھجور بھی میسر نہ ہوتی تھی جس سے اپنا پیٹ بھر لیتے۔ (صحیح مسلم:7461) (19) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزوں میں جوان رہتا ہے: عمر کی حرص میں اور مال کی حرص میں۔'' (جامع ترمذی:2339) (20) سیدنا کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'' (جامع ترمذی:2336)

سوال2: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ پیدا کرنے، زندہ رکھنے اور فنا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ (قرطبی 268/5)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال سے کیسے سمجھایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی ناپائیداری کو مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ جب آسمانوں سے پانی برستا ہے تو نباتات کے ساتھ مل جاتا ہے تو کھیتی لہلہا اُٹھتی ہے۔ایک نئی زندگی ملتی ہے اور وہ وقت آتا ہے کہ کھیتی پک جاتی ہے۔جب زمین سرسبز ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ کھیتی ہمیشہ ایسی رہے گی مگر جب سبزہ سوکھ جاتا ہے تو بھوسے کو ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں۔اتنی ہی جلدی دُنیا ختم ہونے والی ہے۔ہوا کے جھونکے کی طرح پانی کے بلبلے کی طرح یا کھیتی کی طرح۔(2) دُنیا کی زندگی میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔(3) دُنیا کی رونقیں ختم ہونے والی ہیں مگر نیک اعمال باقی رہنے والے ہیں دُنیا کی رونقوں کو قیامت اس طرح ختم کردے گی جیسے اُن کا

کوئی وجود نہ ہومگر نیک اعمال باقی رہنے والے ہیں۔

﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (46) ﴾

''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں۔'' (46)

سوال1: ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں'' مال اور اولاد کی محبت انسان کے اندر رکھ دی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ ''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی، جو عورتیں اور بیٹے اور سونا چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔'' (آل عمران:14) (2) مال اور اولاد تو آزمائش ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تو بس آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔'' (التغابن:15) (3) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ج وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (١٤)﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے بعض تمہارے لیے دشمن ہیں سو اُن سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (التغابن:14) (4) مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں ہمیشہ کی زندگی کی نہیں اور یہ زندگی جلد فنا ہونے والی ہے۔ اس لیے کسی عقل مند آدمی کے لائق نہیں کہ وہ مال اور بیٹوں پر فخر جتائے اور غرور کرے۔ (5) مال اور بیٹوں میں جمال اور نفع ہے۔ بیٹے انسان کے لیے قوت اور مدافعت کا ذریعہ ہیں اس لیے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (تفسیر منیر:284,285/8)

سوال2: مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اس کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

جواب: (1) اسلام دُنیا کی زندگی کی زینت کو اس کی قدر و قیمت کے اعتبار سے اہمیت دیتا ہے یعنی کوئی چیز فانی ہے تو قدر و قیمت کم ہے اور باقی چیز کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ (2) مال اور اولاد کو اسلام نے قدر و قیمت دی ہے اس اعتبار سے کہ وہ انسان کے آخرت کے لیے باقی رہنے والی نیکیوں کا سبب بنیں۔ (3) مال اور اولاد کو اسلام نے معیار اور میزان نہیں بنایا کہ لوگوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے اعتبار سے لگایا جائے۔ (4) آخرت میں مال اور اولاد نہیں اعمال صالح کام آنے والے ہیں اس لیے اسلام ضرورت سے زیادہ مال اور اولاد کو قدر و

قیمت کا حامل نہیں سمجھنا۔(5)اسلام باقیات صالحات کو بہتر سمجھتا ہے اور اُن ہی سے اُمیدیں وابستہ کرنا درست ہے۔

سوال3: ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں'' رب العزت نے آگاہ فرمایا ہے کہ انسان کے لیے جو چیز باقی رہ جاتی ہے، جو چیز اسے نفع دیتی ہے، جو چیز اسے ہمیشہ کی خوشیاں دینے والی ہے وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔(2)باقی رہنے والی نیکیوں میں واجب اور مستحب سب نیکی کے کام شامل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔(3)﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ سے مراد پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں اور یہ کلمے بھی **سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ و لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر و لاحول و لاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (مسند احمد)(4)نماز، زکوۃ، حج، صدقہ، عمرہ، تسبیح، تہلیل، تحمید، تلاوت قرآن، علم حاصل کرنا، صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا، غلاموں اور جانوروں کے حقوق کا احترام کرنا، مخلوق کے ساتھ ہر اعتبار سے اچھا سلوک کرنا، یہ سب باقی رہنے والی نیکیاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔ اور انہی اعمال کا اجر و ثواب باقی رہتا ہے۔ ان سے ہی اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ضرورت کے وقت ان اعمال کے اجر و ثواب اور نفع کی امید کی جاسکتی ہے۔ (5)باقیات صالحات ہی وہ اعمال ہیں جن میں سبقت لے جانے والوں کو سبقت لے جانی چاہیے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے مقابلے میں باقیات صالحات کو پیش کر کے کیا سمجھایا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی زندگی کی زینت کے مقابلے میں باقیات صالحات کو پیش کر کے انسان کو یہ سمجھایا ہے کہ دُنیا فانی ہے اس کی رونقیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔(2)ہمیشہ باقی رہنے والے انسان کے نیک اعمال ہیں۔(3)انسان کو نیکیوں کا سدا بہار باغ اگانا چاہیے۔ اُس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اُس کی فرماں برداری سے اگتا ہے۔

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (47)﴾

''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔''(47)

سوال1: ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے'' اللہ رب العزت نے قیامت کے دن

کے حالات بیان فرمائے ہیں اور قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں کا ذکر ہے۔(2)اس دن اللہ رب العزت پہاڑوں کو ان کے مقام سے ہٹا دے گا۔﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾﴾ ''جس دن آسمان لرزے گا سخت لرزنا۔اور پہاڑ چلیں گے،بہت چلنا۔''(الطور:9,10)(3) پہاڑ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے اور غبار کی مانند اڑ جائیں گے۔﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط اِنَّهٗ خَبِيْرٌ م بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴾''اور آپ پہاڑوں کو دیکھو گے،آپ انہیں جما ہوا گمان کرو گے حالانکہ وہی بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا ہے یقیناً وہ خوب باخبر ہے اُس سے جو تم کرتے ہو۔''(النمل:88)(4)جس دن پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔''(القارعہ:5)(5)﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ ''اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے''زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو گی جس میں کوئی نشیب وفراز نہ ہو گا۔﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴿۱۰۷﴾﴾''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں،چنانچہ آپ کہہ دیں میرا ربّ اُنہیں اُڑا کر بکھیر دے گا۔پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا۔آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ۔''(طٰہٰ:105،107)(6)(i)اللہ تعالیٰ نے کائنات کے بدلتے منظر کو دکھایا ہے کہ کس طرح بڑے بڑے پہاڑ قیامت کے دن دُھواں بن جائیں گے۔پہاڑ تیزی سے چلیں گے اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور انسان گھیر کر جمع کر دیئے جائیں گے۔اس منظر میں زمین کی سرسبزی اور شادابی ختم ہو چکی ہے۔پہاڑ اور خوب صورت وادیاں مٹ چکی ہیں اور دُنیا کی رونقوں پر مطمئن دل ہول کھا چکے ہیں۔اس منظر سے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ تم دُنیا میں خود کو بااختیار پاتے ہو قیامت کے دن یہ فضا ختم ہو جائے گی۔سب لوگ بے یارومددگار رب کے پاس جمع کر دیئے جائیں گے اور اپنے بارے میں فیصلہ سُنیں گے۔(ii)اللہ تعالیٰ نے بااختیار انسان کو بے اختیاری کی فضا میں لے جا کر یہ سمجھایا ہے کہ دُنیا کی رونقیں عارضی ہیں کل قیامت کے دن یہ لگے گا کہ رونقوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔(iii)اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ جب زمین کی رونقیں ختم ہو جائیں گی،زمین خالی ہو جائے گی تو اکڑنے اور فخر کرنے کا سامان ختم ہو جائے گا۔

سوال2:﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾''اور ہم ان سب کو جمع کریں گے،چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ ﴾''اور ہم ان سب کو جمع کریں گے''اللہ تعالیٰ زمین پر ساری مخلوق کو اکٹھا کریں گے۔(2)﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵لا اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾﴾''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں۔(الواقعہ:50۔49)''(3)﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ط ذٰلِكَ يَوْمٌ

مَّـجۡـمُوۡ عٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ (۱۰۳) ﴾ ''بلا شبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایسا دن ہے جس کے لیے سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔ اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔'' (ہود:103) (4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے جسم بلا ختنہ کے اٹھائے جاؤ گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا: یارسول اللہ! تو کیا مرد عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔ اس کا خیال بھی کوئی نہیں کر سکے گا۔'' (صحیح بخاری:6527) (5) ﴿ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ﴾ ''چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے'' چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے، وہ سب کو صحراؤں، سمندروں اور میدانوں سے نکال کر اکٹھا کرے گا، جن کے اعضاء بکھر چکے ہوں گے پھر ان کو نئ زندگی دے گا۔

﴿وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۫ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَ لَّنۡ نَّجۡعَلَ لَـكُمۡ مَّوۡعِدًا (48)﴾

''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف دَر صَف پیش کیے جائیں گے، بلا شبہ تم ہمارے پاس یقیناً ویسے ہی آ گئے جیسے ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم تمہارے لیے کبھی کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے۔'' (48)

سوال: ﴿وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ﴾ ''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف دَر صَف پیش کیے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ﴾ ''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف دَر صَف پیش کیے جائیں گے'' اللہ رب العزت کے سامنے ساری مخلوق صفیں باندھ کر کھڑی ہوگی تا کہ وہ ان سے جواب دہی کرے اور ان کے اعمال کے مطابق عدل سے فیصلہ کرے جس میں کوئی ظلم نہ ہوگا۔ (2) رب العزت نے فرمایا ﴿يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ؕ ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (۳۸) ﴾ ''جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (النباء:38) (3) ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۲۲) ﴾ ''اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی صف درصف آ جائیں گے۔'' (الفجر:22) (4) ﴿ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ﴾ ''بلا شبہ تم ہمارے پاس یقیناً ویسے ہی آ گئے جیسے ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا'' تم تمہارے پاس اسی طرح آ گئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تمہارے ساتھ نہ تمہارا مال ہے، نہ گھر والے، نہ کنبہ قبیلہ صرف اعمال ہیں۔ نیکی اور بدی تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَيۡنَكُمۡ وَضَلَّ

عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ‏(۹۴) ﴾اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔'' (الانعام:94)(5) اللہ تعالیٰ نے انسان کو مستقبل کے واقعات یوں دِکھائے ہیں گویا کہ وہ اب پیش آ رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ کانوں سے رب کی آواز سُنائی دے رہی ہو اور چہرے پر شرمندگی ہے، دل ندامت اور خوف سے اڑا جا رہا ہے۔(i) تم ہمارے پاس آ گئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا (ii) تم نے گمان کیا تھا تمہارے لیے وعدہ کا وقت مقرر نہیں ہے۔(6)﴿بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ لَكُمۡ مَّوۡعِدًا﴾'' بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم تمہارے لیے کبھی کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ آخرت کا انکار کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے کہ تمہارا یہ گمان تھا کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ واقعات تمہارے ساتھ پیش نہیں آئیں گے۔(7) تم جزا و سزا کا انکار کرتے تھے اور تمہارے رب نے وعدہ کر رکھا تھا۔ لو دیکھو آ گیا وعدہ رب کا اور تم نے اسے دیکھ لیا اور تم نے اسے چکھ لیا۔ (8) اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعوری طور پر ایسی فضا میں پہنچا دیا ہے جہاں وہ بے یار و مددگار رہے۔ فیصلے کا منتظر ہے اور عاجز ہے۔ انسان آزادی اور بااختیاری سے غافل اور اور سرکش بن جاتا ہے۔ انسان خود کو عاجز دیکھتا ہے تو اس کے اندر رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عاجزی کو اس لیے دِکھایا ہے کہ انسان آج اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا‌ ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا‌ ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ‏(49)﴾

''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔'' (49)

سوال:﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا‌ ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا‌ ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی''اس وقت اعمال نامے حاضر کیے جائیں گے جو کراماً کاتبین لکھتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (۱۱) يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲) ﴾''حالانکہ یقیناً تم پرنگہبان مقرر ہیں۔معزز لکھنے والے۔وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔(انفطار:10,12)(2)﴿ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۹) ﴾یہ ہمارا نامہ اعمال ہے جو تمہارے خلاف حق کے ساتھ بول رہا ہے،یقیناً ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ بھی تم عمل کیا کرتے تھے۔(الجاثیہ:29)(3)﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ﴾''پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا''یہ وہ موقع ہوگا جب نامہ اعمال دیکھ کر دل اڑنے لگیں گے۔ان کو دیکھ کر غم اور مشقت بڑھ جائے گی اور مجرم ڈر جائیں گے۔(4)﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ﴾''اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے''جب مجرم نامہ اعمال میں ہر چھوٹی بڑی،اچھی بری بات لکھی دیکھیں گے تو وہ کہیں گے یہ عجیب کتاب ہے کوئی چھوٹا بڑا گناہ ایسا نہیں جو اس میں نہ لکھا ہو۔کوئی کھلا چھپا دن رات میں کیا گیا عمل ایسا نہیں جو لکھنے سے چھوٹ گیا ہو۔(5)﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾''اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے''وہ ان اعمال کا انکار نہیں کر سکیں گے۔﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ م بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾''اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے۔''(القیامہ:13)(6)﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾''اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا''یہ وہ وقت ہوگا جب اعمال کی جزا دی جائے گی۔وہ ان کا اقرار کریں گے۔اپنے اعمال کی وجہ سے رسوا ہوں گے اور عذاب ان پر واجب ہوگا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾''یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔''(آل عمران:182)﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾''یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''(الانفال:51)(7)﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ج وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (۴۰) ﴾''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوئی تو اس کو دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''(النساء:40)(8)﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (۴۷) ﴾''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔

''(الانبیاء:47)(i)انسان کو دُنیا کی زندگی میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کی ہر بات اور ہر کام کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے اور اسے اس کی جزا یا سزا ملنے والی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے انتظام کے مطابق انسان کی نیتیں، قول اور عمل سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے لیکن یہ سب کچھ دِکھا ئی نہیں دیتا۔(ii)اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعوری طور پر حشر کے میدان میں پہنچا کر دکھایا ہے کہ تمہارے نامہ اعمال سے چھوٹی، بڑی کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں حالانکہ تم سمجھتے تھے کہ کوئی میرے عمل کو دیکھنے والا نہیں۔(3)اللہ تعالیٰ انسان کو دِکھاتے ہیں کہ دیکھو تمہیں وہی بدلہ ملا ہے جس کے تم مستحق تھے نہ کم نہ زیادہ۔ یوں انسان اپنے اعمال کو حاضر دیکھتا ہے اور رب کو منصف دیکھتا ہے تو خود کو آزاد نہیں عاجز محسوس کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میں مضبوط بندھا ہوا ہوں، بھاگنے کا راستہ نہیں۔ کوئی بہانہ نہیں چل رہا سخت پریشانی اور خوفزدگی میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔(9)سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی میں اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے)لوگ روٹی پکالیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے)حقیر گناہ(بھی)ہلاک کرنے والے کبائر(ہوجاتے)ہیں۔(بغوی) (10)سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہو گئے (اور واپس ہوئے)تو ہم ایک ویران، بے آب وگیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز بھی موجود ہو وہ لے آئے تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لا کر) ڈھیر کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس کو دیکھ رہے ہو اس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا۔ اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) کہ ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔(طبرانی)(11)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سےہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی (قیامت کے دن) ہوگا''۔(ابن حبان)(12)سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ جب میدان قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمال نامہ میں یہ آیت تحریر ہوگی۔﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھا نہ ہوگا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔(تفسیر مظہری:140)(13)سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ ہنسے

۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیاتم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بندے کی اس بات سے ہنسا ہوں کہ جو وہ اپنے رب سے کرے گا۔وہ بندہ عرض کرے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا : ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بندہ عرض کرے گا : میں اپنے اوپر اپنی ذات کے علاوہ کسی کی گواہی کو جائز نہیں سمجھتا ۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کے دن تیرے اوپر تیری ہی ذات کی گواہی اور کراماً کاتبین کی گواہی کفایت کر جائے گی ۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے دیگر اعضا کو کہا جائے گا کہ بولیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اعضاء اس کے سارے اعمال بیان کریں گے ۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: دور ہو جاؤ' چلو دور ہو جاؤ' میں تمہاری طرف سے ہی تو جھگڑا کر رہا تھا۔'' (صحیح مسلم:7439) (14) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ (بعض اوقات) کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ اس کا نقصان نہیں سمجھتا جبکہ اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں اتنی دور جا کر گرتا ہے جتنا مشرق ومغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم:7481) (15) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے ۔آسمان چر چراتا ہے اور اس کو حق ہے کہ وہ چر چرائے ۔قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگل کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے' اور میدانوں میں نکل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے فریاد کرتے (یہ سن کر) سیدنا ابوذر کہتے ہیں کہ کاش میں ایک درخت ہوتا کہ لوگ اسے کاٹ ڈالتے ۔'' (جامع ترمذی:2312) (16) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی جب صبح کرتا ہے اس کے سب اعضاء زبان کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے مقدمہ میں ڈر۔اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوئی تو ہم سب سیدھے ہوئے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم سب ٹیڑھے ہوئے ۔'' (جامع ترمذی:2407) (17) سیدنا سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک ایسی بات فرمائیں کہ میں اس کو مضبوط پکڑوں آپ ﷺ نے فرمایا: تو کہہ میرا رب اللہ ہے پھر اس بات پر قائم رہ۔میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھ سے کس چیز سے ڈرتے ہیں اور خوف کی کیا چیز ہے؟ سو آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا یہ۔'' (جامع ترمذی:2410) (18) سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو قیامت کے دن اپنے پروردگار سے کلام نہ کرے گا اور اس کے بیچ میں کوئی ترجمان

نہ ہوگا پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا پس اسے کوئی چیز دکھائی نہ دے گی مگر وہ جو اس نے آگے بھیجی ہو یعنی عمل اپنے بائیں طرف دیکھے گا پس وہ کوئی چیز نہ دیکھے گا مگر وہ جو اس نے آگے بھیجی ہوگی پھر اپنے منہ کے سامنے دیکھے گا اس کو آگے دوزخ نظر آئے گی ۔راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تم سے طاقت رکھے اور جس سے ہو سکے وہ اپنا منہ دوزخ سے بچائے رکھے اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعے کیوں نہ ہوں ۔'' (جامع ترمذی:2415)(19) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:'' قیامت کے دن ابن آدم کے اس کے رب کے پاس سے دونوں قدم نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزیں پوچھی جائیں: اول اس کی عمر کہ کس میں صرف کی، دوسرے اس کی جوانی کہ کس میں خرچ کی، تیسرے اس کا مال کہ کہاں سے کمایا اور چوتھے کس کام میں لگایا پانچویں اپنے علم میں سے کیا عمل کیا۔'' (جامع ترمذی:2416)(20) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا مجھے خبر دو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ہماری اصطلاح میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس درہم ودینار اور ضروری سامان زندگی نہ ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے کہ قیامت کے دن آدمی روزہ، نماز اور زکوٰۃ لے کر اس صورت سے آئے گا کہ کسی کو برا کہا ہوگا اور کسی کو گالی دی ہو اور کسی کا مال کھا گیا اور کسی کا خون بہایا گیا ہو اور کسی کو مارا ہوگا پس اسے سب کے سامنے بٹھایا جائے گا اور بدلے میں اس کی نیکیاں مظلوموں کو دے دی جائیں گی، پھر اگر اس کے ظلموں کا بدلہ پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس پر رکھ دیے جائیں گے اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا'' (جامع ترمذی:2418)(21) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا :اہل حقوق کو ان کے حق پورے دیئے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔'' (جامع ترمذی:2420)(22) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کی تین طرح کی پیشیاں ہوں گی، دو بار کی پیشی میں بحث وتکرار اور عذر بہانے ہوں گے، اور تیسری بار ان لوگوں کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں اڑ رہے ہوں گے، تو کوئی اسے داہنے ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی بائیں ہاتھ میں'' (جامع ترمذی:2425)(23) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس سے حساب وکتاب میں سختی سے پوچھ تاچھ ہوگئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا :یارسول اللہ ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جس شخص کو نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد صرف اعمال کی پیشی ہے ۔(جامع ترمذی: 2426)(24) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک بندہ کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور باری تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے کان اور آنکھ اور مال اور اولاد نہیں نوازا تھا اور چارپایوں اور کھیتی کو تیرے تابع کر دیا

اور تجھے قوم کا سردار بنا دیا تھا جن سے بھر پور خدمت لیا کرتا تھا، پھر کیا تجھے یہ خیال بھی تھا کہ تو آج کے دن مجھ سے ملاقات کرے گا ؟ اور وہ آج کا دن ہے پھر وہ عرض کرے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج میں بھی تجھے بھول جاتا ہوں جیسے تو مجھے دنیا میں بھول گیا تھا'' (جامع ترمذی:2428) (25) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے غلام کو ایک کوڑا بھی ناجائز مارا تو اس سے قیامت کے روز بدلہ لیا جائے گا۔ (طبرانی) (26) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''ہم آخری امت ہیں لیکن ہمارا حساب سب سے پہلے ہوگا، پکارا جائے گا ''امی نبی کی امت اور خود ان کا نبی کہاں ہیں؟ پس ہم سب سے آخر میں آنے والے اور سب سے پہلے حساب کیے جانے والے ہیں۔ (ابن ماجہ) (27) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر نماز (سنت کے مطابق) درست ہوئی تو بندہ کامیاب و کامران ہوگا اور اگر نماز خراب ہوئی (یعنی سنت کے مطابق نہ پائی گئی) تو ناکام و نامراد ہوگا۔ اگر بندہ کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو رب تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے کے نامہ اعمال میں دیکھو کوئی نفل عبادت ہے؟ (اگر ہوئی) تو نوافل کے ساتھ فرائض کی کمی پوری کی جائے گی پھر اس کے تمام اعمال کا حساب اسی طرح ہوگا۔'' (ترمذی) (28) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مار لیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم واجب کر دی اور جنت حرام کر دی۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! خواہ وہ معمولی سی چیز ہو؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''خواہ پیلو کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔'' (مسلم) (29) سیدنا صفوان بن سلیم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آگاہ رہو جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا یا اسے کوئی نقصان پہنچایا یا اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف دی یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز زبردستی لی تو قیامت کے روز میں اس ذمی کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔'' (ابوداؤد) (30) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے آگ یاد آئی تو میں رونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیوں رو رہی ہو؟'' میں نے عرض کیا: مجھے آگ یاد آئی تو میں رونے لگی کیا قیامت کے روز اپنے اہل و عیال کو بھی یاد رکھیں گے (یا نہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تین جگہیں تو ایسی (مشکل) ہیں جہاں کوئی کسی دوسرے کو یاد نہیں رکھے گا (i) میزان کے پاس حتیٰ کہ آدمی کو پتہ چل جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا رہا یا بوجھل۔ (ii) نامہ اعمال وصول ہونے کی جگہ پر حتیٰ کہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ آدمی کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا بائیں میں یا پیٹھ پیچھے۔ (iii) صراط کے پاس جب وہ جہنم کے اوپر رکھا جائے گا حتیٰ کہ آدمی اس کو عبور کر لے۔'' (ابوداؤد) (31) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ہوگا وہ ناحق خون کے بدلہ کا ہوگا۔'' (صحیح بخاری:6533)

(32) سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی: ابومسعود! جان لے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر تیری اس قدرت سے زیادہ قادر ہے۔ میں متوجہ ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو ایسا نہ کرتا تو جہنم کی آگ تجھے جلا دیتی یا تجھے چھو لیتی۔'' (صحیح مسلم: 4308)

رکوع نمبر 19

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (50)﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے۔'' (50)

سوال1: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو'' اللہ رب العزت نے آدم اور ان کی اولاد کے ساتھ ابلیس کی دشمنی کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ پرانی دشمنی ہے اس لیے ابلیس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے سجدہ کیا اور کہنے لگے ﴿ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ ''کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟'' (بنی اسرائیل: 61) اس نے کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ ''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔'' (اعراف: 12)

سوال2: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ ''وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ ''وہ جنوں میں سے تھا'' ابلیس جن ہے، خباثت اس کی گھٹی میں تھی کیونکہ جن شعلوں سے پیدا کیے گئے۔ (2) ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ ''چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی'' وہ اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔ (3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم میں اس نے نافرمانی کی۔(جامع البیان:261/15)

سوال3: شیطان فرشتہ نہیں تھا اس کا کیا ثبوت ہے؟

جواب:1۔اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ وہ جن تھا۔(2) شیطان اگر فرشتہ ہوتا تو اللہ کہ حکم سے سرتابی نہ کرتا کیونکہ فرشتوں کی یہ صفت ہے ''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''(التحریم:6)

سوال4: گناہ کی ابتداء کیسے ہوئی؟

جواب:(1) شیطان سے گناہ کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ابتداء ہوئی اور شیطان سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔﴿اَبٰـــــــی وَاسْتَـکْبَرَ ق وَکَـانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾''مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا''۔(البقرہ:34) کفر وفسق اور حکم عدولی شیطان سے شروع ہوئی اور گناہ کرنا اور سرکشی کرنا شیطان کا طریقہ ہے۔(2) اب جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ شیطان کے تابع ہیں کیونکہ شیطان خود گناہ گار ہے۔وہ انسان کو بھی اپنے جیسا بنانے کے لئے گناہ کی تلقین کرتا رہتا ہے۔﴿اِنَّـمَا یَـاْمُـرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَـقُوْلُـوْا عَـلَـی الـلّٰـهِ مَـا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾'' وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔(البقرۃ:169)(3) شیطان نے کئی گناہ کیے اور توبہ نہیں کی۔اول: آدم کو حقیر جانا،دوسرا: استکبار اور عجب کیا کہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ سے بہتر جانا اور خود کو کامل جان کر خود پسندی کی۔تیسرا:حکم الٰہی ''اسجدوا'' کی تعمیل سے انکار کیا۔﴿وَمَـنْ لَّـمْ یَتُـبْ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾''اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی ظالم ہیں''۔(الحجرات:11)﴿وَتُـوْبُـوْٓا اِلَـی الـلّٰـهِ جَـمِـیْـعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَـعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾''اے مؤمنو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔(النور:31)(4) گناہ کا انجام: شیطان پر ازلی لعنت ڈالی گئی۔شیطان نے جب سجدہ نہ کیا﴿قَـالَ یٰٓـاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَـکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟''(الحجر:32) اس نے جواب دیا﴿قَـالَ لَـمْ اَکُـنْ لِّـاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾اس نے کہا:''میں ایسا نہیں ہوں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جس کو تو نے بدبودار کیچڑ سے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔''(الحجر:33) رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''پھر یہاں سے نکل جا بلاشبہ تو مردود ہے۔اور بے شک جزا کے دن تک تجھ پر خاص لعنت ہے۔''(الحجر:35)

سوال5:﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَـکُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا﴾''تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَـکُمْ عَدُوٌّ﴾'' تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں''یعنی آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ ابلیس آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے بچوں کا دشمن ہے پھر یہ بتاؤ کیسے آپ اس کو اور

اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟(2)﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾" ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے"اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجائے شیطان کی اطاعت،اللہ تعالیٰ کی دوستی کی بجائے شیطان کی دوستی بُرا بدل ہے جو ظالموں نے خود اختیار کیا۔(3)یعنی کتنی بری ہے شیطان کی دوستی اور سر پرستی جو انہوں نے اپنے لئے چنی ہے، جو انہیں صرف فحش اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے اور رب رحمٰن کی دوستی اور سر پرستی چھوڑ دی جس کی دوستی میں ہر قسم کی سعادت،فلاح اور سرور ہے۔(تفسیر سعدی:1528/2)(4)یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے شیطان کی عبادت، اللہ تعالیٰ کی ولایت کی بجائے شیطان کی ولایت، یہ کتنا برا بدل ہے۔(تفسیر سمرقندی:369/2)

سوال6:ابلیس کی ذُرّیت میں کون لوگ شامل ہیں؟

جواب: جولوگ اپنی ذات کی بڑائی کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے سے انکار کریں وہ سب ابلیس کی ذُرّیت ہیں چاہے وہ بظاہر عبادت گزار ہوں۔

سوال7:انسان اللہ تعالیٰ کے آگے کیسے جھک سکتا ہے؟

جواب:(1)انسان جب رب کو بڑا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہے تو حق جہاں سے بھی ملے گا فوراًاس کے آگے جھک جاتا ہے۔(2)انسان کواللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اپنی بےاختیاری کا احساس اللہ تعالیٰ کے آگے جھکاتا ہے۔

سوال8:انا پرست انسان کبھی عبادت گزار بن جاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جانے سے انکار کردیتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب:انا پرست انسان ایسے موقع پراللہ کے آگے جھک جاتا ہے جہاں اس کی انا کوٹھیس نہ لگتی ہواور وہاں سرکش ہوجاتا جہاں انا کو جھکانا پڑتا ہے۔

سوال9:انسان ابلیس کواوراس کی اولاد کو،اللہ تعالیٰ کوچھوڑ کر دوست کیسے بناتا ہے؟

جواب:انسان ابلیس اوراس کی ذُرّیت سے ڈرتے ہوئے ان کے زیراثر آکرانہیں اللہ تعالیٰ کا بدل بنالیتا ہے اوراللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس کے آگے نہیں جھکتا۔ایسے لوگوں کوجلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ انہوں نے جن پربھروسہ کیا تھا وہ کام آنے والے نہیں ہیں۔

﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا(51) ﴾

''میں نے انہیں آسمانوں اورزمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھااور نہ خودان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والانہیں ہوں''۔(51)

سوال1: ﴿مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴾ ''میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ﴾ ''میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت'' رب العزت نے فرمایا کہ میں نے زمین و آسمان کی پیدائش پر شیاطین کو نہ حاضر کیا اور نہ ان سے مشورہ لیا اور نہ ان کی اپنی پیدائش پر۔ وہ تو تم جیسے میرے غلام ہیں جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے پھر وہ کسی چیز کے خالق کیسے کہلا سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ وہی ہر چیز کے لیے تدبیر کرتا ہے اور ان میں اپنی حکمت سے تصرف کرتا ہے۔ وہ تخلیق میں بھی یکتا ہے، تدبیر میں بھی اور تقدیر میں بھی۔ پھر کیسے شیاطین کو والی اور مددگار بنایا جاتا ہے؟ کیسے ان کی اس طرح اطاعت کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے حالانکہ نہ وہ خالق ہیں اور نہ تخلیق کے موقع پر حاضر تھے، نہ معاون اور مددگار تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِيۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ ‏(۲۲) وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ‏(۲۳) ﴾ ''آپ کہہ دیں پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کے بارے میں تم نے گمان کیا ہے، وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اُن کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ہی اُن میں سے کوئی اُس کا مددگار رہے۔ اور اُس کے پاس کوئی شفاعت کام نہیں آئے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے حتیٰ کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہیں گے ''حق'' اور وہ سب سے بلند، بہت بڑا ہے۔'' (سبا:22,23) (2) ﴿وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴾ ''اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں'' رب العزت نے فرمایا: میں گمراہوں کو معاون اور مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کائنات کی تدبیر کا کچھ حصہ ان کے حوالے کر دے۔ وہ تو رب سے دشمنی کرتے ہیں اور مخلوق کو دشمنی پر ابھارتے ہیں اس لیے وہ اس لائق نہیں کہ قریب آنے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی اعانت کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سمجھانے کے لیے کہ شیاطین کے پاس کوئی قوت اور زور نہیں اس لیے اُن کے ڈر سے ان کی عبادت، اطاعت کیوں ہو، یہ سمجھایا ہے کہ وہ مخلوق ہیں اور میں نے تخلیق میں اُن سے کوئی مدد نہیں لی، نہ آسمان و زمین کی نہ ان کی اپنی، پھر تم ان کی ذریت کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

﴿ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ

﴿مَّوْبِقًا(52)﴾

''جس دن وہ (اللہ) کہے گا کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔'' (52)

سوال: ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴾ ''جس دن وہ (اللہ) کہے گا کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جنہوں نے دنیا میں شرک کیا اور اس کا باطل ہونا اور مشرکوں کی جہالت کو واضح کیا تو قیامت کے دن کے حالات بھی واضح فرمائے۔ (2) ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ ﴾ ''جس دن وہ (اللہ) کہے گا'' قیامت کے دن رب العزت مشرکوں کی تذلیل کے لیے فرمائیں گے۔ (3) ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ ''کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا'' تم نے دنیا میں جن کو معبود بنا رکھا تھا انہیں پکارو تا کہ تمہیں ان عذابوں سے نجات دلائیں۔ (4) ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ﴾ ''چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے'' وہ انہیں پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہیں آئے گا اس لیے کہ فیصلے کا اختیار اس دن اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا اور اس دنیا میں اور آخرت میں کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ خود اپنے آپ کو یا کسی اور کو نفع پہنچا سکے۔ ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ ''اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے؟ جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں۔'' (الاحقاف:5) (5) ﴿ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ج لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴾ ''اور کہا جائے گا: ''اپنے شریکوں کو بلاؤ'' سو وہ انہیں پکاریں گے تو وہ اُنہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب دیکھ لیں گے۔ کاش کہ واقعتاً وہ ہدایت پا جاتے!'' (القصص:64) (6) ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۹۴)﴾ ''اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے''۔ (الانعام:94) (7) ﴿اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تم کدھر کو بہکائے جاتے ہو؟“ (الانعام:95) (8) ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّاؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾﴾ ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تا کہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے۔“ (مریم:81,82) (9) ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾ ”اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنادیں گے“ یعنی مشرکوں اور ان کے شریکوں کے درمیان ہلاکت کا گہرا گڑھا حائل کردیں گے جو انہیں ایک دوسرے سے دور کردے گا۔ اس وقت ان کی دشمنی ظاہر ہو جائے گی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ”اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے“۔ (الاحقاف:6)

﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴿53﴾﴾

”اور مجرم آگ دیکھیں گے، چنانچہ وہ یقین کر جائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے“۔ (53)

سوال: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ”اور مجرم آگ دیکھیں گے، چنانچہ وہ یقین کر جائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ﴾ ”اور مجرم آگ دیکھیں گے“ جب حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور ساری مخلوق اپنے اعمال کے اعتبار سے الگ ہو جائے گی۔ (2) جہنم میں ستر ہزار لگامیں ڈالی جائیں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے لگ کر اسے گھسیٹ کر میدان حشر میں لائیں گے۔ (3) ﴿فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ ”چنانچہ وہ یقین کر جائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں“ مجرم اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیں گے تو لامحالہ انہیں اس میں جانے کا یقین ہو جائے گا۔ عذاب سے قبل رنج و غم کا پیدا ہونا بھی ایک عذاب ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1102/1) (3) ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ”اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے“ جہنم سے بچنے کا وہ کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ (4) پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ ﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾﴾ ”ہرگز نہیں! یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بالوں سے لازماً کھینچیں گے۔ جو جھوٹی، خطا کار پیشانی ہے۔ (العلق:15-16) (5) کافروں کو جہنم میں ڈال کر اس کے دروازے سختی سے بند کر دیے جائیں گے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں بازو والے ہیں۔ اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی۔

(البلد:19,20)﴿وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَةُ (۵) نَارُاللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (۶) الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (۷) اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (۸) فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (۹)﴾''اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو دِلوں تک جھانکتی ہے۔ یقیناً وہ اُن پر بند کردی جائے گی۔ اونچے اونچے ستونوں میں۔(الھمزہ:5-9)(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کیا تم جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح سمجھتے ہو؟ ہرگز نہیں جہنم کی آگ تو تارکول سے زیادہ سیاہ ہے۔(کتاب الجامع)

(اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَامِنَ النَّار رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ)

رکوع نمبر20

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَاالْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (54)﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کردی ہیں مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے''۔(54)

سوال1:﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَاالْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کردی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کردی ہیں'' اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی عظمت سے آگاہ فرمایا ہے کہ اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ہر طرح کی باتوں کو تفصیل سے کھول دیا ہے تاکہ لوگ ہدایت پر رہیں گمراہ نہ ہوں۔(2) اللہ تعالیٰ نے ہر وہ راستہ واضح فرما دیا ہے جو علم نافع اور عمل صالح اور پھر اس کے نتیجے میں ابدی سعادت تک پہنچاتا ہے۔(3) رب العزت نے ہر راستہ واضح فرمایا ہے جو انسان کو شر اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔(4) اس قرآن میں سچی خبریں ہیں جو دلوں کے لئے نفع مند ہیں۔ اس میں جزائے اعمال کی مثالیں ہیں۔ اس میں حلال وحرام کو واضح فرمایا ہے تاکہ لوگ قرآن کریم کی اطاعت کریں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیسے طرح طرح کی مثالوں سے سمجھایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھانے کے لیے دلائل دیئے، نصیحت کی مثالیں بیان کیں، واقعات بیان کیے۔

سوال2:﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلاً﴾''مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے'' انسان کو چونکہ اس دُنیا میں اختیار ملا ہوا ہے اس لیے انسان حق کا

انکار کرنے کے لیے الفاظ پالیتا ہے اور یوں انسان کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کرنے کے لیے بے معنی بحثیں کرتا ہے۔(2) انسان بہت زیادہ بحثیں اور جھگڑے کرنے والا ہے۔(3) اس کے ایمان لانے کا سبب یہ نہیں ہے کہ حق اس پر واضح نہیں ہے بلکہ ظلم اور دشمنی کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتا جیسے نبی ﷺ کے بارے میں اور پہلے انبیاء کے بارے میں لوگوں نے کہا: ﴿يُرِيدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ ''جو چاہتا ہے کہ تمہارے اوپر برتری حاصل کرلے'' (المؤمنون:24)(4) ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (١٤) لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (١٥)﴾ '' اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پس وہ اس میں چڑھنے والے ہو جائیں۔تو بھی وہ کہیں گے بلاشبہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے۔'' (الحجر:15,14)(5) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن طالب نے انہیں خبر دی کہ رسول ﷺ ایک رات ان کے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھو گے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہماری روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جب وہ چاہے گا ہمیں اٹھا دے گا۔ہماری اس عرض پر رسول ﷺ واپس چلے گئے۔آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن واپس جاتے ہوئے میں نے سنا کہ آپ ﷺ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے (سورہ کہف کی یہ آیت پڑھ رہے تھے) آدمی سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔(صحیح بخاری:1127) (6) گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قصور کا اعتراف کرنے کی بجائے مشیت الٰہی کا عذر پیش کر دیا اور اس اختیار کی طرف توجہ نہ کی جو نہیں اور ہر انسان کو عطا کیا گیا ہے۔(تیسیر القرآن:642/2)

سوال3: انسان پر نصیحت اور دلائل کیوں کارگر نہیں ہوتے؟

جواب: انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے اس لیے نصیحت اور دلائل اس پر کارگر نہیں ہوتے۔

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا (55)﴾

''اور لوگوں کو منع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس آچکی اور وہ اپنے رب سے بخشش مانگیں، مگر اس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے یا عذاب ان کے سامنے آجائے۔'' (55)

سوال1: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾ ''اور لوگوں کو منع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس آچکی اور وہ اپنے رب سے بخشش مانگیں، مگر اس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے یا عذاب ان کے سامنے آجائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى﴾ ''اور لوگوں کو منع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس

آ چکی''،یعنی لوگوں کوایمان لانے سے کس چیز نے روکا ہے جبکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت پہنچ چکی ہے اوران پر حجت قائم ہو چکی ہے۔(2)وہ مضبوط دلائل کے باوجود حق کو جھٹلا رہے ہیں۔(3)ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حق ان پر واضح نہیں ہوا بلکہ ظلم اورزیادتی کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔(4)ان کا ظلم یہ تھا کہ وہ عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے کہا تھا ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾''سوہم پرآسمان سے کوئی ٹکڑا گرادو،اگرتم سچے لوگوں میں سے ہو۔'' (الشعراء:187)(5)﴿اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵لا وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ط فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۲۹)﴾''یقیناً کیاتم واقعی مردوں کے پاس آتے ہواورتم راستے کاٹتے ہواوراپنی مجلسوں میں بُرا کام کرتے ہو؟''تو اُس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا:''اگرتم واقعی سچوں میں سے ہوتو ہم پراللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔'' (العنکبوت:29)(6)﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (۶) لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۷)﴾''اورانہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پرذکرنازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔کیوں نہیں تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتا اگرتو سچے لوگوں میں سے ہے''۔(الحجر:7,6)(7)﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۳۲)﴾''اورجب اُنہوں نے کہا:''اے اللہ!اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پرآسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب ہم پرلے آ۔'' (الانفال:32)(8)﴿وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ﴾''اوروہ اپنے رب سے بخشش مانگیں''،انہیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایمان لاتے اوراپنے رب سے بخشش مانگیں۔(9)﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ﴾''مگراس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے''اس کے علاوہ کیا چیز باقی رہ گئی ہے کہ سنت الٰہی کے مطابق ان پر عذاب آجائے جیسے پہلی قوموں پرآئے تھے۔(10)﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾''یا عذاب ان کے سامنے آجائے''اور جب وہ ایمان نہ لاتے تو ان پرعذاب بھیج دیا جاتا یا عذاب ان کے سامنے آجاتا اور وہ آنکھوں سے دیکھ کریقین کرلیتے لہٰذا انہیں توبہ کرنی چاہیے اس سے پہلے کہ ان پرعذاب ٹوٹ پڑے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آنے کے بعدانسان کی کیا ذمہ داری ہے؟

جواب:ہدایت آنے کے بعدانسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پرایمان لائے اوراپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگیں۔

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا (56)﴾

''اوررسولوں کوہم خوشخبری دینے والے اورڈرانے والے ہی بنا کربھیجتے ہیں اوروہ لوگ جنہوں نے کفرکیا،وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے

ہیں تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھا دیں، اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے۔'' (56)

سوال1: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''اور رسولوں کو ہم خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْن﴾ ''اور رسولوں کو ہم بھیجتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب سے پہلے انبیاء آتے ہیں۔ (2) ﴿اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ﴾ ''خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بنا کر'' رسولوں کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بُرے انجام سے خبردار کر دیں اور اچھے انجام پر خوش خبری دیں۔ رسولوں کی ڈیوٹی میں معجزات پیش کرنا اور انسانوں کو ہلاک کرنا شامل نہیں۔ (3) یعنی ہم رسولوں کو عبث اور بے فائدہ نہیں بھیجتے نہ ان کو اس لئے مبعوث کرتے ہیں کہ لوگ ان کو معبود بنالیں اور نہ اس لئے کہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کریں بلکہ ہم نے انہیں صرف اس لئے مبعوث کیا ہے تا کہ وہ لوگوں کو ہر بھلائی کی طرف بلائیں اور ہر برائی سے روکیں، اطاعت کرنے پر ان کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانی کرنے پر دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرائیں۔ پس رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت قائم ہوگئی۔ (تفسیر سعدی: 1531/2)

سوال2: ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھا دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں'' کافر باطل ہتھکنڈوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ (2) ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ ''تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھا دیں'' کافروں کا مقصد کتنا گھٹیا ہے۔ وہ حق کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ کافر ہر دور میں حق کو نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد کرتے رہے ہیں۔

سوال3: ﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ ''اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے'' اس مقصد کے لئے انہوں نے رسولوں کا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا۔ ان کے پاس جو علم تھا اسی پر وہ اتراہٹ میں مبتلا رہے۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت ہے کہ اس کا باطل ہتھکنڈوں کے ذریعے سے حق کے خلاف جھگڑنے والے باطل پسندوں کو مقرر کرنا، حق کے ظہور اور اس کے شواہد و دلائل کی توضیح، باطل اور اس کے فساد کے ظاہر ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ: (بضدها تتبين الاشياء) اشیاء اپنی ضد ہی سے واضح ہوتی ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1531/2) (3) زہری نے بیان کیا کہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق ایک رات کو نبی ﷺ کی تلاوت کلام سننے کے

لیے نکلے۔اس وقت آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔لہٰذا یہ سب لوگ باہر بیٹھ کر آیات قرآنی سننے لگے اور طلوع سحر تک سنتے رہے۔یہ واقعہ تین روز تک متواتر ہوا۔اس کے بعد ایک دن اخنس بن شریق ابوسفیان کے گھر آئے اور ان سے پوچھا کہ اب تک جو کلام انھوں نے سنا اس کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟اس نے جواب دیا میں تو کچھ سمجھ نہیں سکا کہ اس کلام سے مراد کیا ہے؟ یہ سن کر اخنس نے کہا: اسے تو یہ کلام بے مثل لگتا ہے۔پھر یہ دونوں ابوجہل کے گھر گئے اور اس سے بھی یہی بات دریافت کی کہ اسے آپ کا کلام کیسا لگا؟اس نے جواب دیا جو آپ نے سنا اس بارے میں تو بنی عبد مناف اور دوسرے اہل قریش کے درمیان اختلاف ہے۔اگر بنی عبد مناف اس لئے اپنی امتیازی حیثیت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حجاج کو کھانا کھلاتے ہیں تو ہم بھی ایسا کرتے ہیں اگر وہ ان کا سامان اٹھاتے ہیں اور سواریوں پر ان کا بار کرتے ہیں تو ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔اب وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے ہم نہ اس کی بات سنیں گے نہ ان کی تصدیق کریں گے۔'' یہ سن کر اخنس بن شریق اور ابوسفیان ابوجہل کے گھر سے چلے گئے۔(4)مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بعثت کے بعد پہلی بار دیکھا تو اس وقت آپ ﷺ مکے کے ایک راستے سے گزر رہے تھے،میرے ساتھ اس وقت ابوجہل بن ہشام بھی تھا۔آپ ﷺ نے ابوجہل کو دیکھ کر فرمایا:اے ابوالحکم!اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ،میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں'' یہ سن کر ابوجہل بولا''اے محمد!تم وہی تو ہو جو ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے،کیا تم چاہتے ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ میں مان لوں،یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم ہم لوگوں سے کیا کہتے ہو لیکن جو تم کہتے ہو اسے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں''اس کے بعد ابوجہل مذکورہ بالا راوی کے پاس آیا اور اس سے کہا''بنی قصی اپنی جن جن صفات کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں تو میں جانتا ہوں لیکن وہ صفات ہم میں بھی ہیں لیکن اب ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان میں خدا کی طرف سے ایک نبی آ گیا ہے تو میں یہ ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں نہ ان کے اس دعوے کی تصدیق کر سکتا ہوں۔(البدایہ ونہایا،جلد3،ص124,125)(5)بیہقی کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ مکے میں اس طرف سے گزرے جہاں ابوجہل اور ابوسفیان بیٹھے ہوئے تھے۔آپ ﷺ کو دیکھ کر ابوجہل ابوسفیان سے بولا''اے عبدالشمس کے قبیلے والے!کیا یہی تمہارا نبی ہے؟ابوجہل سے یہ سن کر ابوسفیان نے پوچھا:تمہیں ہم میں سے کسی کے نبی ہونے پر تعجب کیوں ہے؟ کیا تمہارے خیال میں نبی ان لوگوں میں سے ہو سکتا تھا جو ہم سے کمتر ہیں؟ابوجہل نے جواب دیا''مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آیا ہمارے بزرگوں میں سے ایک لڑکا نبی ہو سکتا ہے؟ان دونوں کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے قریب آ کر ابوسفیان سے فرمایا:اے ابوسفیان تم خدا اور اس کے رسول سے ڈرو یا نہ ڈرو لیکن تمہاری غیرت وحمیت کو کیا ہوا ہے؟ پھر آپ نے ابوجہل سے مخاطب ہو کر فرمایا:''اے ابوالحکم!تمہیں مضحکہ خیزی سے زیادہ رونا پڑے گا'' آپ ﷺ سے یہ سن کر ابوجہل بولا''اے میرے بھائی کے بیٹے!تم تو اپنی نبوت سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہو''(البدایہ ونہایا،جلد3،ص124,125)(5)بدترین تکذیب وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑایا جائے۔

سوال4: باطل کے ذریعے جدال کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ باطل طریقے اختیار کر کے حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔
سوال5: باطل کے ذریعے جدال کی کوئی مثال دیں؟
جواب: باطل کے ذریعے جدال کی صورت یہ ہے کہ کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے تھے کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا (57)﴾

''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا۔ یقیناً ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے اور اگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔'' (57)

سوال1: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَاوَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا'' کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ ''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا'' اس بندے سے بڑھ کر بدبخت اور ظالم کون ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کی جائے، اس کے سامنے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا جائے برے انجام سے ڈرایا جائے اور آخرت کے ثواب کی ترغیب دلائی جائے اور وہ ان سے منہ موڑ لے، ان کی طرف کان ہی نہ لگائے اور ان سے نصیحت حاصل نہ کرے؟ (2) ﴿وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ ''اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا'' اور ماضی میں جو برے کام کر چکا اس کمائی سے وہ انجان ہی بنا رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر نگران نہ سمجھے۔
سوال2: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ''یقیناً ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ ''ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں'' ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں پھر انہیں قرآن کا سمجھنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ (2) ﴿وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ''اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے'' اس کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دی جاتی ہے۔ اب انہیں کچھ سمجھا لو وہ سن نہیں سکتے ہدایت پر لانا چاہو تو بدکتے ہی رہتے

ہیں۔(3)ایسا شخص اس سے بڑا گناہ گار ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات نہیں پہنچیں۔(4)ایسے شخص کی سزا کے اسباب یہ ہیں:(i)اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض۔(ii)اپنے گناہوں کو بھول جانا۔(iii)اورشرکی حالت پر راضی رہنا۔(5)سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ اس پر ہدایت کا راستہ بند کر دیتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنے تو سمجھ نہیں سکتا۔قرآن اس کے دل کی گہرائی میں نہیں اتر تا۔رب العزت نے فرمایا:﴿كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۱۴)﴾''ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پراُن اعمال نے زنگ لگادیا ہے جو وہ کماتے تھے۔(المطففین:14)﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اوران کے کانوں پر مہر لگادی ہے اوراُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اوراُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔(البقرہ:7)

سوال3:لوگوں کے دلوں پر پردے اور کانوں پر بوجھ کیوں ڈال دیا جاتا ہے؟

جواب:دلوں کا پردہ آیات کے انکار،نصیحت سے اعراض اور بُرے انجام کو بھول جانے کی وجہ سے ڈالا جاتا ہے۔

سوال3:﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴾''اوراگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾''اوراگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں''ایسے شخص کواگر کوئی حق کی دعوت دے تو وہ کبھی قبول نہیں کرتا کیونکہ دعوت پر وہی لبیک کہتا ہے جوعلم رکھتا ہے۔(2)﴿ فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴾''تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے''جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں پھر پہچاننے کے بعد گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر تالے لگا دیتا ہے۔ان لوگوں کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔(3)اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے تخویف وترہیب ہے جوحق کو پہچان لینے کے بعد اسے ترک کردے اور یہ کہ اس کے اورحق کے درمیان رکاوٹ کھڑی کردی جائے اوراس کے بعد اس کے لئے کوئی چیز ایسی نہ رہے جواس کے حق میں اس سے بڑھ کر ڈرانے والی اوراس غلط روی سے اسے روکنے والی ہو۔(تفسیر سعدی:2/1533،1532)

سوال4:انسان بڑا ظلم کیسے کرتا ہے؟

جواب:1۔انسان رب کی آیات کا انکار کرتا ہے۔2۔انسان نصیحت سے منہ پھیر جاتا ہے۔3۔انسان بُرے انجام کو بھول جاتا ہے۔

﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ط بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا(58)﴾

''اورآپ کا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو یقیناً ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا، بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے۔''(58)

سوال:﴿وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾''اورآپ کا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورآپ کا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے'' رب العزت نے اپنی بے پایاں رحمت اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سے توبہ کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا (۴۸)﴾''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے گا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑ لیا۔''(النساء:48)(2)﴿لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا کَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾''اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو یقیناً ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا ورنہ دنیا عذاب سے تباہ ہو چکی ہوتی۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (۶۱)﴾''اوراگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کے ظلم کی بنیاد پر مؤاخذہ کرتا تو اس پر کسی جان دار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیتا ہے، چنانچہ جب ان کی مدت آجاتی ہے تو وہ اس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں''۔(النحل:61)(3)﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا﴾''اوراگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی وجہ سے پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو سطح زمین پر کوئی جان دار بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ اُنہیں مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے''۔(فاطر:45)(4)﴿وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ط وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ج وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾''اور وہ بھلائی سے پہلے بُرائی کو جلدی مانگتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرتناک سزائیں گزرچکیں اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے، اور یقیناً آپ کا رب بلاشبہ بہت سخت سزا والا بھی ہے''۔(الرعد:6)(5)اللہ تعالیٰ تحمل والا ہے، وہ پردہ پوش ہے، سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، معاف کردیتا ہے اور کبھی کسی کو گمراہی سے نجات دے کر راہ راست پر لے آتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے یوں ہی نہیں چھوڑ دیتا۔

سوال2:﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا﴾''بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدًا ﴾''بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے''یعنی گناہوں پراڑے رہنے والوں کے لئے ہولناک وقت مقرر ہے۔ایک ایسادن جس میں انہیں ان کے اعمال کی جزا ضرور دی جائے گی۔اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ فوراً گناہ پرنہیں پکڑتا،مہلت دیتا ہے۔جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے پھر ہلاکت کا وقت آجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے اور اس سے فرار کا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فوراً گرفت نہ کرنا،مہلت دینا اس کے غفور ورحیم ہونے کی دلیل ہے۔(2)﴿لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلاً ﴾''جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے''اس سے بچنے کے لئے وہ کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔(3)اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا جو رجوع کرلیں،انہیں بخش دیتا ہے اور جو ظلم پر جم جائیں ان پر عذاب نازل کر دیتا ہے جس سے وہ کسی صورت بچ کر نکل نہیں سکتے۔

﴿ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا(59)﴾

''اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا۔''(59)

سوال:﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴾''اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى ﴾''اور یہ بستیاں ہیں''یعنی عاد،ثمود اور اصحاب الایکہ۔(2)﴿اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ﴾''جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا''ان کو ہم نے ہلاک کیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کا انکار کر کے ظلم کیا۔(3)﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴾''اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا''یعنی ان کی تباہی کے لئے جو وقت مقرر تھا اس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہوئے۔(4)سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ ظالم آدمی کو مہلت دے دیتا ہے،پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر وہ اسے نہیں چھوڑتا۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی(اور اس طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظالم لوگوں کی بستیوں کو پکڑتا ہے۔بے شک اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہے۔''(مسلم:6581)دیکھ لو تباہ حال بستیوں کو ان کے باشندوں نے کفر اور سرکشی کی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا تو افسانے ہی افسانے رہ گئے۔کہیں تم پر بھی عذاب نہ آجائے کہ تم نے بھی رسول کو جھٹلایا ہے۔اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ اور سیدھے راستے پر آجاؤ۔

رکوع نمبر21

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا(60)﴾

''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔'' (60)

سوال: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ان کے اندر بھلائی اور علم کی کتنی شدید رغبت تھی۔ انہوں نے علمی سفر پر جانے کے لئے اپنے خادم سے فرمایا، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ وہ یوشع بن نون علیہ السلام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں نبوت عطا فرمائی۔ (2) ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ ''کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مجمع البحرین پہنچنے تک سفر جاری رکھنے کا عندیہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تھی کہ وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے بندوں میں سے ایک بندہ ملے گا جس کے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ (3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اندر علم کی طلب اتنی شدید تھی کہ انہوں نے فرمایا: میں سفر کرتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔ (4) ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے علم کے شوق اور رغبت کا پتہ چلتا ہے کہ میں طویل مسافت تک چلتا ہی چلا جاؤں گا اگرچہ مجھے سالوں سال چلنا پڑے۔ (5) اس قصے میں عالم اور طالب علم کے لئے تواضع ہے۔ (البحر الوجیز: 522/3)

﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (61)﴾

''چنانچہ جب وہ دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا۔'' (61)

سوال: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں پہنچے'' جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم دونوں پہنچے۔ (2) ﴿مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ''دو دریاؤں کے سنگم پر تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اپنے ساتھ نمک لگی ہوئی خشک مچھلی لے لیں۔ ہمارا بندہ آپ کو ایسی جگہ ملے گا جہاں یہ مچھلی گم ہوگی۔ دونوں رفقاء مچھلی ساتھ لے کر چلے اور چلتے چلتے دریاؤں کے سنگم پر پہنچ گئے، وہاں ایک چشمہ تھا جسے چشمہ حیات کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں رفیق وہاں ستانے کے لئے بیٹھ گئے، تھکے ہوئے تو تھے ہی نیند آگئی۔ مچھلی پر چشمہ حیات کے پانی کی جو چھینٹیں

پڑیں تو اس میں جان بھر گئی اور حرکت پیدا ہو گئی۔ مچھلی توشہ دان میں تھی جو یوشع علیہ السلام کے پاس تھا۔ پھر یہ توشہ دان سے کود کر دریا میں کودی۔ اس کی آہٹ سے یوشع کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا مچھلی پانی میں گئی اور اندر اندر چلی گئی اور پانی میں ایک بل سا باقی رہ گیا۔ یہ دیکھ کر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ اس کے راستے والا بل پتھر کے سوراخ کی طرح بدستور باقی رہا۔ یہ جوں جوں پانی میں اترتی جاتی چاروں طرف سے پتھر نما بل بنتا چلا جاتا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ شروع دنیا سے لے کر آج تک کبھی اس طرح پانی نہیں جما بجز اس مچھلی کی راہ کے، یہ جوں جوں اندر گئی پانی جمتا گیا اور پانی میں ایک بل باقی رہ گیا، جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس آ گئے اور آپ نے یہ بل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیا اور یہ نہ کہہ دیا کہ اسی چیز کی تلاش میں ہم گھر سے نکلے ہیں۔ (مختصرابن کثیر:106/1)

﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا ز لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا(62)﴾

''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ، بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' (62)

سوال: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا ز لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ، بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا﴾ ''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ'' جب موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام اس سنگم سے آگے بڑھ گئے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا: (2) ﴿لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے'' دوپہر کا کھانا لے آؤ، ہم اس سفر سے تھک گئے ہیں یعنی منزل مقصود سے بعد والے سفر سے۔ (3) یہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے نشانی تھی کہ انہوں نے اپنا مقصد پالیا ہے، نیز اس منزل پر پہنچنے کے شوق نے ان کے لئے سفر کو آسان بنا دیا، جب وہ اس مقام سے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے تھکاوٹ محسوس کی۔ (تفسیر سعدی:1535/2)

﴿قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ ط وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ق صلے عَجَبًا (63)﴾

''اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا۔'' (63)

سوال: ﴿ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ”اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ﴾ ”اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں“ دوپہر کا کھانا طلب کرنے پر سیدنا یوشع علیہ السلام نے بتایا کہ جہاں ہم نے پتھر پر ٹیک لگا کر آرام کیا تھا وہیں مچھلی عجیب طریقے سے راستہ بنا کر سمندر میں چلی گئی اور میں مچھلی کو بھول گیا۔ شیطان نے یہ واقعہ ہی میرے دل سے نکال دیا۔ (2) ﴿ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ”اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا“ یعنی جب مچھلی دریا میں چلی گئی تو یہ چیز عجائبات میں سے تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ مچھلی کا پانی میں چلے جانا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے بڑا تعجب خیز تھا۔ (تفسیر سعدی: 1536/2)

﴿ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (64) ﴾

”موسیٰ نے کہا کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔“ (64)

سوال: ﴿ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ”موسیٰ نے کہا کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ قَالَ ﴾ ”موسیٰ نے کہا“ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کے سمندر میں غائب ہونے کا سن کر کہا۔ (2) ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ﴾ ”کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے“ ہمیں اسی جگہ کی تو تلاش تھی۔ (3) ﴿ فَارْتَدَّا ﴾ ”چنانچہ وہ دونوں واپس لوٹے“ یعنی وہ دونوں واپس لوٹے۔ (4) ﴿ عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ”اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے“ وہ اپنے قدموں کو تلاش کرتے واپس اسی جگہ لوٹ آئے جہاں مچھلی کو بھول گئے تھے۔

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (65) ﴾

”تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی اور جسے ہم نے اپنے پاس

سے ایک علم سکھایا تھا۔'' (65)

سوال: ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ ''توان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی اور جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ ﴾ ''توان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا'' یہاں بندے سے مراد خضر ہیں۔ صحیح بخاری میں سورۃ الکہف کی تفسیر میں خضر یعنی سرسبز وشاداب کی وجہ تسمیہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا اسی وجہ سے اُن کا نام خضر پڑ گیا۔ (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حر بن قیس فزاری رضی اللہ عنہ سے صاحب موسیٰ کے بارے میں ان کا اختلاف ہوا۔ پھر سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب وہاں سے گزرے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور کہا کہ میرا اپنے ان ساتھی سے صاحب موسیٰ کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے جن سے ملاقات کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے راستہ پوچھا تھا۔ کیا رسول اللہ ﷺ سے آپ نے ان کے بارے میں سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تشریف رکھتے تھے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کیا کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو اس تمام زمین پر آپ سے زیادہ علم رکھنے والا ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان تک پہنچنے کا راستہ پوچھا تو انہیں مچھلی کو اس کی نشانی کے طور پر بتایا گیا اور کہا گیا کہ جب مچھلی گم ہو جائے (تو جہاں گم ہوئی ہو وہاں) واپس آنا وہیں ان سے ملاقات ہوگی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام دریا میں (سفر کے دوران) برابر مچھلی کی نگرانی کرتے رہے پھر ان سے ان کے رفیق سفر نے کہا کہ آپ نے خیال نہیں کیا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تو میں مچھلی کے متعلق آپ کو بتانا بھول گیا تھا اور مجھے شیطان نے اسے یاد رکھنے سے غافل کر رکھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں اسی کی تو تلاش ہے چنانچہ یہ بزرگ اسی راستے سے پیچھے کی طرف لوٹے اور سیدنا خضر سے ملاقات ہوئی ان دونوں کے ہی وہ حالات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔'' (بخاری:3400) (3) ﴿ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ ''جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی'' سیدنا خضر ایک صالح انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت سے نوازا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ علم اور حسن عمل سے بہرہ ور تھے۔ (4) ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ ''اور جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا'' سیدنا خضر کو وہ علم عطا کیا گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بہت سے امور میں سے ان سے زیادہ علم رکھتے تھے خاص طور پر علوم ایمانیہ اور علوم اصولیہ، کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کے ذریعے سے تمام مخلوق پر فضیلت سے نوازا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1536/2) (5) اس علم سے مراد نبوت کے علاوہ تکوینی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا خضر کو عطا کیا تھا لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ علم نہیں تھا۔ یہاں جس علم کا تذکرہ ہے

اس سے لوگوں کو علم کے بارے میں یہ غلط فہمی ہوئی کہ جو لوگ نبی نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ان خاص لوگوں کو علم لدنی سے نوازتا ہے اور یہ کہ یہ باطنی علم ہے جو شریعت کے ظاہری علم سے جو قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہے مختلف ہے۔

﴿ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (66) ﴾

''موسیٰ نے اس سے کہا: ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' (66)

سوال: ﴿ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ ''موسیٰ نے اس سے کہا: ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى ﴾ ''موسیٰ نے اس سے کہا:'' جب موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے ملے تو انتہائی ادب کے ساتھ اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' کیا میں آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ علم سکھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں رشد وہدایت کی راہ پا سکوں اور اس علم کے ذریعے سے ان تمام قضیوں میں حق کو پہچان سکوں؟ سیدنا خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام وکرامت سے نوازا ہوا تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت سی چیزوں کے اسرار نہاں کی، جو دوسرے لوگوں پر مخفی تھے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی مخفی تھے، اطلاع ہو جاتی تھی۔ (تفسیر سعدی:1536/2) (3) یعنی آپ مجھے نیک علم سکھا دیں میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہیں کر رہا۔ ایک طالب علم کو عالم سے اسی طرح درخواست کرنی چاہیے۔

﴿ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (67) ﴾

''اُس نے کہا: ''تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے۔'' (67)

سوال: ﴿ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''اُس نے کہا: ''تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ ''اُس نے کہا:'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' یعنی آپ کو میرے ساتھ رہنے اور میری پیروی کرنے کی قدرت حاصل نہیں کیونکہ آپ ایسے امور ملاحظہ کریں گے جن کا ظاہر برا اور باطن اس کے برعکس ہوگا۔ (تفسیر سعدی:1536/2) (3) سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم میری مصاحبت برداشت نہیں کر سکو گے کیونکہ مجھ سے ایسے کام دیکھو گے جو تمہاری شریعت کے خلاف ہوں گے کیونکہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایسا علم ہے جس کو تم

نہیں جانتے اور تمہارے پاس والے علم سے میں نا آشنا ہوں۔جن باتوں پر میں مامور ہوں ان پر تم نہیں،جن پر تم مقرر ہو ان پر میں نہیں۔میرے ساتھ رہنا مشکل ہے۔

﴿ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (68) ﴾

''اورتم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' (68)

سوال: ﴿ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴾ ''اورتم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اورتم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' یعنی آپ کسی ایسے معاملے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کے مقصد اور انجام کا آپ کو علم نہیں،جس کے ظاہری اور باطنی معاملات کو آپ نہیں جانتے۔(2) یعنی جو کام تمہاری شریعت کے خلاف ہوں گے اس پر اعتراض کرنے پر تم مجبور ہو گے۔

﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (69) ﴾

''موسیٰ نے کہا:''ان شاءاللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' (69)

سوال1: ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾ ''موسیٰ نے کہا:''ان شاءاللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿قَالَ﴾ ''موسیٰ نے کہا'' (2) ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾ ''ان شاءاللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا''جس چیز کے بارے میں امتحان تھا،اس کے سامنے آنے سے پہلے یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عزم کا اظہار تھا۔عزم ایک الگ چیز ہے اور صبر کا وجود ایک دوسری چیز ہے،اس لئے جب وہ امر واقع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے۔(تفسیر سعدی:1537/2) (3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تم سے خلاف شریعت جو کام دیکھوں گا اسے ان شاءاللہ صبر سے برداشت کروں گا اور تمہارے کسی کام پر اعتراض نہیں کروں گا۔

سوال2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:(1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم کے میدان میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ کچھ لوگ ذہن کے اندر اُبھرنے والے سوالات کے جواب کے لیے وقت کا انتظار نہیں کر سکتے۔(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُستاد

کی فرماں برداری علم کی ضرورت ہے جب کہ اُستاد کے بارے میں عام طور پر یہ ذمہ داری محسوس نہیں کی جاتی۔

سوال3: اُستاد کی فرماں برداری سے حصولِ علم میں کیا مدد ملتی ہے؟

جواب: (1) اُستاد کی فرماں برداری دراصل عاجزی کا اظہار ہے۔ انسان جب کسی کے علم کو درست سمجھتا ہے تو اُس کی اطاعت کرتا ہے۔ (2) اطاعت ہی دراصل وہ پیمانہ ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنے والے کے اندر قبولیت کا مادہ موجود ہے۔ اور جب قبولیت کا مادہ نہ ہو تو علم اندر ٹھہر نہیں سکتا۔

﴿ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا (70) ﴾

''اُس نے کہا: ''پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں۔'' (70)

سوال1: ﴿ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ﴾ ''اُس نے کہا: ''پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ یعنی سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا﴾ ''پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں'' یعنی مجھ سے کوئی سوال کرنے میں پہل کرنا نہ میرے کسی فعل پر مجھ پر کوئی نکیر کرنا جب تک کہ میں خود ہی آپ کو مناسب وقت پر اس کے حال کے بارے میں نہ بتادوں۔ یہ گویا سیدنا خضر علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ بالآخر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کریں گے۔ (تفسیر سعدی:2/1537) (3) یہ متعلم کے عالم کے لئے اور پیروی کرنے والے کی طرف سے متبوع کے لئے آداب ہیں۔ (4) سیدنا خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے شرط کرائی اور فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی کام کو دیکھ کر اس کی مصلحت مجھ سے نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود تمہارے پوچھے بغیر اسے بتلا نہ دوں۔ (مختصر ابن کثیر:1/1108)

سوال2: عالم کے آداب کیا ہیں؟

جواب: (1) اُستاد کی بات کو اپنی بات پر فوقیت دینا۔ (2) اُستاد کی طرف سے کی جانے والی وضاحت کا انتظار کرنا۔ (3) اپنی بات کو ترجیح نہ دینا۔ (4) اُستاد کی اطاعت کرنا۔ (5) اُستاد کا ادب واحترام کرنا۔ (6) استاد کے آگے تواضع کرنا۔ (7) اُستاد کی علم کی وجہ سے عزت کرنا۔ (8) اُستاد کی دل شکنی کا احساس رکھنا۔

سوال3: علم سیکھنے کے کتنے درجات ہیں؟

جواب:علم کے پانچ درجے ہیں ۔پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خاموش رہنا سیکھے ۔دوسرا درجہ یہ ہے کہ توجہ سے سننا سیکھے ۔تیسرا درجہ یہ ہے کہ جو سنے اسے یاد رکھے ۔چوتھا درجہ ہے کہ جو کچھ معلوم ہو جائے اس پر عمل کرے ۔اور پانچواں درجہ یہ ہے کہ جو علم حاصل ہوا سے پھیلائے ۔

سوال4:علمی سوال کرنے کے بارے میں علماء کے موقف کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)علم کی اشاعت کے سلسلے میں سلف صالحین کے جو حالات ملتے ہیں'ان میں ایک خاص بات یہ ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے شاگردوں کے لئے علمی سوال کرنے اور سوال کرنے کے معاملے میں شرم سے پرہیز کرنے پر زور دیا ہے ۔(2)سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''علم تلاش سے بڑھتا اور سوال سے حاصل ہوتا ہے ۔''ابن شہاب کا مقولہ ہے کہ ''علم خزانہ ہے اور سوال اس کی کنجی ہے ۔''(3)ایک شخص عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقے میں حاضر ہوا۔محدث طرح طرح کے سوال کر رہے تھے' مگر وہ شرم سے چپ بیٹھا تھا۔سیدنا عبداللہ نے محسوس کیا اور ایک پرزے پر کچھ شعر لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ان اشعار کا ترجمہ یہ تھا۔''بندۂ خدا' آج سوال کرنے سے ہچکچاتے رہے تو کل جب لوٹو گے تو ہاتھ میں ڈھاک کے تین پات ہی ہوں گے۔شیخ کو سوالوں سے پریشان کرو،تم اسے نرم پاؤ گے اور وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گا۔بیواؤں کی طرح نہ چلاؤ گے تو شیخ کے پاس سے خالی ہاتھ اٹھو گے ۔''مراد یہ تھی کہ شرم کے باعث سوال کرنے سے پرہیز نہ کرو بلکہ سوال کرو تاکہ تمہیں علم حاصل ہو۔(4)امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ سب علم کیسے حاصل کیا؟انہوں نے جواب دیا''مسلسل سوال کرنے سے اور ایک ایک لفظ گرہ میں باندھنے سے ۔''(5)ایک مشہور مقولہ ہے:''جو سوال کرنے میں سبکی محسوس کرتا ہے اس کا علم بھی ہلکا ہوتا ہے ۔''(6)ایسے ہی سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''جو کوئی طلب علم میں شرماتا ہے اس کا علم حقیر رہتا ہے ۔''

سوال5:علمی سوال پر استاد کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب:(1)سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''پانچ باتیں ایسی ہیں جنہیں خوب یاد رکھنا چاہئے اور ان کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کرنی چاہئے ۔(i)بندہ اپنے گناہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے ۔ (ii)انسان اپنے پروردگار کے سوا کسے سے آس نہ لگائے ۔(iii)جاہل سوال کرنے سے نہ شرمائے ۔(iv)عالم اگر کوئی بات نہیں جانتا' تو نہ جاننے کا اعتراف کرنے میں شرم محسوس نہ کرے ۔(v)(مصائب میں صبر کرے کیونکہ)ایمان میں صبر کا درجہ وہی ہے جو جسم میں سر کا۔جس طرح بے سر کا جسم بے کار ہے'اسی طرح جس انسان میں صبر نہیں اس میں ایمان بھی نہیں ۔(2)سیدنا لقمان نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ اب تیری دانائی کس منزل پر ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرنے لگا ہوں۔سیدنا لقمان نے کہا کہ ابھی ایک کسر باقی ہے وہ یہ کہ علم رکھنے والوں کی صحبت میں بیٹھو' کیونکہ اللہ تعالیٰ دانائی کے نور سے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مینہ سے مردہ زمین کو۔

سوال6:طالب علم کے اخلاق کے بارے میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اس میں یہ بھی ہے کہ (2) ''نبی a نے اپنے نفس سے تین چیزیں بالکل دور کردی تھیں۔(i) بحث ومباحثہ کرنا۔(ii) ضرورت سے زیادہ بات کرنا۔(iii) جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔(3) دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز فرماتے تھے (i) کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔(ii) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔(iii) کسی کے اندرونی حالات کو ٹوہ میں نہیں رکھتے تھے۔آپ ﷺ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔'' (4) آپ ﷺ کا اپنا فرمان بھی ہے کہ: ''انسان کے اسلام کی خوبی میں یہ بات بھی ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کردے۔''

آخری آیات

﴿فَانْطَلَقَا قف حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا (71)﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوگئے تو اُس نے اُس میں شگاف ڈال دیا،موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے۔'' (71)

سوال1: ﴿فَانْطَلَقَا قف حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوگئے تو اُس نے اُس میں شگاف ڈال دیا،موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَانْطَلَقَا قف حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوگئے تو اُس نے اُس میں شگاف ڈال دیا'' سیدنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام اور سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام چلے کشتی میں سوار ہوئے تو اُنہوں نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔اس کشتی میں اُن دونوں کے علاوہ اور سوار بھی موجود تھے۔(2) یعنی سیدنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور اس کے پیچھے ایک مقصد تھا جس کو وہ عنقریب بیان کریں گے۔(تفسیر سعدی:1537/2)

سوال2: ﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (i) سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے جب عقل اور شریعت کے خلاف ایک کام دیکھا تو صبر نہ کرسکے۔وعدہ ٹوٹ گیا کیونکہ سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام بُرائی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے مصر میں ایک قبطی اور اسرائیلی کو لڑتے دیکھا تو ایسا مکا رسید کیا کہ جان لے لی۔بعد میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی لیکن دوسرے دن جب اسرائیلی اور مصری لڑے تو یہ پھر غصے ہوئے تو یہ سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا مزاج تھا۔(ii) سیدنا

موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کواس خاص علم کے بارے میں پتہ نہیں تھا جس کے تحت کشتی کے تختے توڑے گئے اس لیے صبر نہ کر سکے۔(2) سیدنا موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کواس علم کی خبر نہیں تھی جس کے تحت تختے توڑ ڈالنا ہی درست تھا اور علم شریعت کے اعتبار سے جو چیز کسی کی ذاتی ملکیت نہیں اُس پر اپنا اختیار استعمال کرنا اور وہ بھی غلط طریقے سے استعمال کرنا درست نہیں۔اس لیےسیدنا موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے علم نبوی اور عقلی اعتبار سے اس کام کو ہیبت ناک قرار دیا۔

﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (72) ﴾

''اُس نے کہا:''کیا میں نے کہانہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے۔'' (72)

سوال:﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴾ ''اُس نے کہا:''کیا میں نے کہانہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ ﴾ سیدنا خضر عَلَیہِ السَّلام نے کہا۔(2)﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴾''کیا میں نے کہانہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے''سیدنا خضر عَلَیہِ السَّلام نے سیدنا موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو شرط یاد دلائی اور کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے صبر نہیں ہو سکے گا کیونکہ ان کاموں کے بارے میں علم نہیں رکھتے اور ان کاموں کی مصلحتوں کے بارے میں تمہارا علم تمہیں کچھ نہیں بتاتا۔

﴿ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا (73) ﴾

''موسیٰ نے کہا:''جو میں بھول گیا اُس پر آپ مجھے نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں۔'' (73)

سوال:﴿ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا﴾''موسیٰ نے کہا:''جو میں بھول گیا اُس پر آپ مجھے نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ ﴾سیدنا موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے سیدنا خضر عَلَیہِ السَّلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔(2)﴿لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ ﴾''جو میں بھول گیا اُس پر آپ مجھے نہ پکڑیں''یعنی بھول پر گرفت نہ کریں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں شرطوں کو بھول گیا۔(3)﴿وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴾''اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں''سیدنا موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے کہا: میرے ساتھ سختی کا نہیں آسانی کا معاملہ کریں۔(4)یعنی مجھے مشکل میں نہ ڈالیں۔(تفسیر سعدی:1537/2)

﴿ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً ۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا

نُكْرًا ﴿74﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے۔ پھر اُس (خضر) نے اُسے قتل کر دیا موسیٰ نے کہا:'' کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلا شبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بڑا کام کیا۔'' (74)

سوال: ﴿فَانْطَلَقَاقف حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ لا قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً م بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے۔ پھر اُس (خضر) نے اُسے قتل کر دیا موسیٰ نے کہا:'' کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلا شبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بڑا کام کیا۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَانْطَلَقَاقف﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی معذرت قبول کر لی۔ یوں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا علمی سفر دوبارہ شروع ہوا۔(2) ﴿حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ﴾ ''حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک لڑکے کو سیدنا خضر نے قتل کر دیا اور یہ قتل عمد تھا۔(3) ﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً م بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ ''کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلا شبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بڑا کام کیا۔'' اس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس چھوٹے سے بچے کو قتل کر دیا جس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی حمیت دینی نے جوش مارا اور کہنے لگے: ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً م بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ چھوٹے سے معصوم بچے کے قتل جیسا برا کام اور کون سا ہو سکتا ہے، جس کا کوئی جرم نہیں اور نہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1537,1538/2)(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام دوسری بار بھولے نہیں تھے نہ غافل تھے لیکن گناہ، کبیرہ پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے اس لیے صبر کرنا مشکل تھا حالانکہ انہیں عہد یاد تھا۔